



طلسمِ ہوش رُبا

(انتخاب)

محمد حسن عسکری

پورب اکادمی

طلسمِ ہوش رُبا

(انتخاب)

محمد حسن عسکری

پورب اکادمی، اسلام آباد

©: 2007ء پورب اکادمی

طبع اوّل: جنوری 2007ء

ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد

سرورق تصاویر: حنیف رامے

فون نمبر: 051 - 538 29 67

0300 - 519 25 43, 0301 - 559 58 61

ای میل: info@poorab.com.pk

ویب سائٹ: www.poorab.com.pk

Intikhaab Tilisam Hoash Ruba

Selection by: Muhammad Hassan Askari

Published by: Poorab Academy, Islamabad, Pakistan

ISBN: 969-8917-20-9

٨٩١.٥٥٣٠١

ع س ک انتخاب طلسم ہوشربا / محمد حسن عسکری (انتخاب).-

اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷

ص ۳۰۱

۱. داستان-اُردو

۱. محمد حسن عسکری

فہرست

مقدمہ

ساحری بہت پرانی چیز ہے۔ انسان پہلے جادو پر ایمان لایا اور پھر مذہب پر۔ اور جہاں مذہب پر ایمان راسخ ہے، وہاں بھی یہ عقیدہ ابھی تک راسخ ہے کہ جادو برحق ہے، لیکن جادو کرنے والا کافر۔ اسی عقیدے پر ''طلسم ہوش ربا'' اور اس سے پہلے کی طلسماتی داستانوں کی بنیاد ہے۔

ادب میں ساحری ادب کی صبح کاذب کے ساتھ در آئی۔ ''ایلیڈ'' کھرا کھرا رزمیہ ہے۔ جس کے کردار یا انسان ہیں یا دیوتا۔ لیکن دیوتا انسانوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ یہ یونانی مذہب اور یونانی علم الاصنام کی بڑی خصوصیت تھی کہ انہیں کوئی شے انسان اور اس کی کمزوریوں اور کبھی کبھی اس کی خباثتوں سے زیادہ حسین نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ''اوڈی سی'' میں رزمیہ رفتہ رفتہ داستان بن جاتا ہے۔ بزم کو رزم پر، عشقیہ عنصر کو شجاعت پر، سیاحی اور آوارہ گردی کو ایک ہی مرکزی جنگ پر فوقیت مل جاتی ہے۔

''اوڈی سی'' سے طلسمات کی بہت سی داستانیں فارسی ''ہزار افسان'' میں منتقل ہوئی ہیں۔ سندباد کی بہت سی کہانیاں اسی ذریعے سے آئی ہیں، یک چشم دیو سائکلوپ کا اصلی وطن اوڈی سی اور یونانی ڈرامہ ہے۔ پیر تسمہ پا بھی یونانی نژاد ہے۔ لیکن ''ہزار افسان'' سے جب ''الف لیلہ ولیلہ'' کی تعمیر ہوئی تو بہت سے عربی عناصر ایسے شامل ہو گئے جن کی بنیاد یونانی یا عجمی نہیں بلکہ کتاب الاغانی کی طرح خالص عربی تھی۔ اور ہارون الرشید کے زمانہ کا بغداد اس سحر کا بند، اس کی روک بن گیا۔ اگرچہ سحر کو پھر بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس کے بعد مشرق میں ساحری کے افسانوں کا ارتقاء عربی مزاج اور یونانی عجمی مزاج کی کشمکش سے معمور ہے۔ اس لڑائی میں عجمی عنصر کو بالآخر فتح ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عجمی مزاج مقابلتاً زیادہ زوال پسند تھا۔ اور وہ قومی اور ملی انحطاط کے زمانہ میں زیادہ نمایاں ہوا۔ عربی مزاج کی آخری جھلک میر امن کے ''باغ و بہار'' کی نظر آتی ہے، جس میں الف لیلہ ولیلہ کا ''انسانی ٹھہراؤ'' کچھ کچھ باقی ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' خالص عجمی قسم کی چیز ہے۔

طلسم ہوش ربا، جو فسانۂ آزاد اور مغربی اثرات سے کچھ ہی پہلے لکھنؤ کے تمدن کے دورانحطاط میں لکھی گئی، ہیرو پر عیار کی فتح کی نشانی ہے۔ یوں تو عیار جادوگر کا مقابلہ کرتا ہے لیکن اس لئے کہ اب جادوگر یا کافر سے مقابلہ کرنے کے لئے ہیرو باقی نہیں رہا۔ ہیرو کا زیادہ تر وقت عیاشی میں صرف ہوتا ہے۔ اور اسی عیاشی کی علت میں وہ بار بار گرفتار بلائے سحر ہوتا ہے۔ اور ہر بار اس کا عیار اس کی مدد کو پہنچتا ہے۔ ہیرو اب محمد شاہ رنگیلا اور فرخ سیر اور نصیر الدین حیدر اور واجد علی شاہ بن چکا ہے۔ نادر شاہ ایرانی یا مرہٹوں یا انگریزوں یا کسی اور قسم کے لشکر کفار یا جادوگروں کے لشکر کی یلغار ہو تو عیار، جن میں نظام الملک کا نام سب سے نمایاں ہے، جس نے ہر ایک سے عیاری کی اور اپنا ہی الو سیدھا کیا، مقابلہ کرتا ہے۔ توڑ جوڑ کرتا ہے۔ سازش کرتا ہے۔ اور جادوگروں کو چکمہ دے جاتا ہے۔ عورت کا بھیس بنا کے نہ سہی، جو طلسم ہوش ربا کے عیاروں کا خاص الخاص اصول تھا، گلے میں صافہ ڈال کے، مسجد میں نادر شاہ ایرانی اور اس کی خونِ آشام تلوار کے سامنے دوزانو ہو کے اور یہ کہہ کر کہ:

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

لیکن ان بچارے عیاروں کی عیاری کے باوجود قتل عام ہوتے ہی رہے۔ صرف داستان طلسم ہوش ربا میں فتح زیادہ تر عیاروں کی ہوئی۔ اصل میدان میں ہیرو کی طرح عیار بھی جادوگر سے ہار گیا۔ اسی لئے اُردو زبان میں داستان و طلسمات کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ اور سرشار کے فسانۂ آزاد نے طلسم ہوش ربا کی جگہ لے لی۔

لیکن طلسم ہوش ربا لکھنؤ کے خارجی تمدن اور اُس دور کی ذہنی پینک کا غالباً سب سے وسیع اور جامع مظہر ہے۔ اس میں کئی ادبی روائتیں ملتی ہیں۔ کہیں کہیں فسانۂ عجائب کی مقفّیٰ اور مسجع عبارت جواب اتنی زیادہ مسجع نہیں رہی۔ لیکن اس میں وہ چٹ پٹا پن ہے جو فسانۂ عجائب کے مصنف کو نصیب نہ ہو سکا۔

''یہ صدا سن کر شہزادے نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ ایک اختر آسمان دلربائی، گوہر دریائے آشنائی، گل گلزار ناز کی بلبل، شاخسار دلبری، یوسف جمال، زلیخا خصال، ماہ کی صورت، چکور کی سیرت، لیلیٰ کی سج، مجنوں کی دھج، شمع کا رنگ، پروانے کا ڈھنگ، بزم کی آرائش، پہلو کی زیبائش، نیند کی کھونے والی، لپٹ کر سونے والی کو ملاحظہ کیا کہ سرگرم گفتار ہے۔''

شعر بھی بہت سے ہیں ۔مثنویاں جن میں زبان کا ذائقہ اور محاورے کی چسکی ''گلزار نسیم'' سے زیادہ ہے اور شوق کی عشقیہ مثنویوں سے کم نہیں۔

حسن لاثانی ایک عالم میں پھول سا تن عرق کے شبنم میں
ہائے رے وہ نچا کھچا مکھڑا تمتمایا وہ چاند سا مکھڑا

جس طرح لکھنؤ کی غزل کو، ریختی کو اور خاص کر مثنوی کو نسوانی سراپا کی تفصیلات سے عار نہیں آئی، طلسم ہوش ربا میں بھی ایسے مقامات ہزاروں آتے ہیں۔

رنگ بھبوکا، پیٹ ملائم اور کُچوں میں سختی ہے
سینے سے لے ناف تلک ایک صندل کی سی تختی ہے

طلسم ہوش ربا کی عورتیں زیادہ تر جادوگرنیاں ہیں، شریف جادوگرنیاں اور رذیل جادوگرنیاں۔ الہڑ جادوگرنیاں اور چالاک جادوگرنیاں، کٹنیاں اور بلائیں۔ لیکن قصے کی تہہ کے نیچے یہ سب اس زمانے کے لکھنؤ کی عورتیں ہیں جن کی جھلک ہمیں جرأت کی غزل، شوق کی مثنویوں اور سرشار کے فسانۂ آزاد میں بھی نظر آتی ہے۔ ان میں سبھی طرح کی عورتیں ہیں، بیگمات جو زہر عشق، اور دوسری مثنویوں کی عورتوں کی طرح چھپ چھپ کے عاشقی کرتی ہیں۔ رسوائی سے ڈرتی ہیں لیکن عشق بھرپور، بدمست جوانی کے عشق سے باز نہیں آتیں ۔ چوک کی رنڈیاں جن کی بات چیت، نرت میں شہد پن ہے۔ مٹکنے والی خادمائیں اور اصیلیں۔ انکار کا مطلب اقرار ہے اور ان کا اقرار اصرار، جیسے:

''محبوب بولی، چل باتیں نہ بنا۔ مجھے مردوئے دم دھاگے، جھانسے نہ بتا۔ میں کم بخت سرکار کے کام کو باہر آئی تھی، یہاں جان غضب میں پڑ گئی۔''

یا شوق کی ٹکر کا معاشقہ۔ ''یہ کہہ کر ایسا منہ بنایا کہ بادشاہ بے قرار ہو گیا، چاہا کہ بوسہ لے لوں، لیکن اس نے ہاتھ سے منہ ہٹا دیا کہ، لو صاحب یہ بے عزتی دیکھو۔ جمشید جانے مجھے یہ دل لگی اچھی نہیں لگتی۔ بھری محفل میں میری آبرو اُتار لی۔''

جو زیادہ اچھے طبقہ کی ہیں ان کا حال یہ تھا۔

ذائقہ دل میں سب کی سب ہم سن جھانکنے تاکنے کے ان کے دن
بے تکلف بات وہ نہ کرتی تھیں اپنی چالاکیوں پہ مرتی تھیں

کہیں یہ ''یکساں'' قسم کی عورتیں اپنے درمیان کسی بیچ بچ کے کردار کو جنم دیتی

ہیں۔ جیسے سوگند جو اپنے محبوب عیار سیارہ کی طرح بطور ایک منفرد کردار کے عام سطح سے بلند ہوتی ہے۔

''سوگند نے جو یہ کلام سنے، سیارہ پر ایک دو ہتڑ مارا کہ موئے مرجیا جن، خدا تجھے غارت کرے۔ جھوٹے! لو صاحب، بھلا ایسی میری کیا کھاٹ کٹی تھی جو اس سے اشارے کرتی۔ میں تو اس سے لوٹا بھی نہ اٹھواؤں۔ مؤا اپنے حوصلے نکالتا ہے، ارمان پورے کرتا ہے۔ جوانا مرگ تو اسی ہوس میں رہے گا میں کبھی تھوکوں بھی نہیں'' سیارہ نے کہا: ''منہ سے یہ باتیں سب کے سنانے کو کرتی ہو اور اپنے ہاتھ سینے سے لپٹا کر اشارہ کرتی ہو کہ یوں گلے سے لگاؤں گی۔''

بغاوت بھی ہے لیکن کچھ سہی ہوئی، کچھ مکاری کے ساتھ۔ ملکہ پر جب شک کیا جاتا ہے اور اس کی ماں اسے باہر جانے سے روکتی ہے تو وہ کہتی ہے: ''چاہے میری جان جائے یا رہے مجھے تو سیر کا لپکا ہے، گھر میں گھٹ کے تو نہ بیٹھوں گی، ضرور سیر کو جاؤں گی۔ یہی نہ ایک جان ہے، چاہے خدا لے چاہے بندہ لے۔ آپ مجھے کاٹ بھی ڈالئے گا تو میں بغیر جائے نہ رہوں گی۔ اور جن لوگوں نے آپکو بھڑکایا ہے، انہیں میں خوب جانتی ہوں۔''

غرض چوک کی طوائف سے لے کر اچھے گھرانوں کی بہو بیٹیوں تک، سب کی بولی ٹھولی ہے، اطوار ہیں۔ انداز ہیں۔ مقطع وہی ہے خلوت۔ لیکن خلوت میں باوجود عریانی اور عیاشی کے ناموس کا لحاظ رہتا ہے۔ اخلاقاً نہیں مذہباً۔

طلسم ہوش ربا دراصل عورتوں کی داستان ہے۔ جیسے لکھنوی تمدن عورتوں یا بقول فراق ''مصحفن'' کا تمدن تھا۔ یہ عورتیں ساحرہ ہیں اور مردوں کو انگلیوں پر نچاتی ہیں۔ اپنے بناؤ سنگھار سے ہیرو، جادوگر، عیار، ناظرین کرام سب کا دل چھینتی ہیں۔ مردوں میں صرف عیار ابھرتے ہیں۔ لیکن ان کی عیاری کا سب سے بڑا کارنامہ عورتوں کا بھیس بدلنا ہے۔ عورتوں کا بھیس بدل کے شہزادیاں، خواصیں، مغلانیاں، کہاریاں، مہترانیاں بن کے، عورتوں ہی کے نخرے دکھا کے، تریا چرتر کے زور پر ہی عیار جادوگروں اور جادوگرنیوں کو زیر کرتے ہیں۔ وہ چیز جو داستان امیر حمزہ میں عمرو عیار کی زنبیل تھی، طلسم ہوش ربا میں تریا چرتر ہے۔ اس میں ہزار ناز و انداز، ہزار اٹھانیں، ہزار جوبن، دس ہزار عشوے، نخرے، ناز، مکاریاں ہیں۔ بچارے لشکر کفار، لشکر جادوگراں کی سب سے بڑی کمزوری

عورت ہے۔ عیار ایک لاکھ مرتبہ عورت کا بھیس بدل کے جادوگروں کو چکمہ دیتے ہیں، عطر بے ہوشی سنگھاتے ہیں، اور جادوگر اُن کی یہ چالاکی سمجھ نہیں پاتے۔ یہی عیار عورتوں کا بھیس پھر بدلیں تو یہی جادوگر پھر ایک لاکھ مرتبہ چکمہ کھانے کو تیار ہیں۔

لشکر کفار کی تمام حسین نازنین عورتیں لشکر اسلام کے ہیروؤں اور عیاروں سے عشق میں مبتلا ہوتی ہیں۔ ایک لاکھ مرتبہ بہت ہی دھندلے نقوش پر منصور موہنا، حسن انجلینا، ملک العزیز ورجنا اور فلپانا کے نقشے تیار ہوتے ہیں۔ لیکن لشکر اسلام کی کوئی عورت کسی ساحر کے ہتھے نہیں چڑھتی۔ یہ خواتین یعنی امیر حمزہ صاحبقران کے لشکر کی مائیں، بہنیں، بیٹیاں غالباً سات سات نقابیں اوڑھے دور و دراز ملکوں میں محفوظ بیٹھی ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک غریب اُردو داستان گو، ناول نگار، افسانہ نویس ایسی خواب خرگوش میں مبتلا رہے کہ ہیرو ہمیشہ لشکر امیر حمزہ صاحبقران کا ہوگا۔ اور ہیروئن لشکر افراسیاب کی۔ یہاں تک کہ جب سامری اور جمشید کے نام لیوا لشکر امیر حمزہ کی پچاس ہزار عورتوں کو اٹھا لے گئے تو یہ موضوع داستان گوئی کے قابل سمجھا گیا۔ لیکن اس طرح کہ ہر وہ جادوگر جو لشکر امیر حمزہ کی کسی دوشیزہ کو اٹھا لے گیا، سچا مومن تھا اور ہر وہ عیار جو اسے چھڑا لایا یا واپس لے آیا، تیرہ دروں کا فر تھا اور یہ کہ واپسی کے بعد دختران لشکر امیر حمزہ کی اغوا کے زمانہ سے زیادہ بے حرمتی اور بے عصمتی ہوئی۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ادبی احتساب کچھ ایسا ہے کہ میں طلسم ہوش ربا کے متعلق مضمون لکھ سکتا ہوں، آج کے افسانہ نگار کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مرا حرفیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
دگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ کہاں لشکر افراسیاب اور قصور طلسم اور حنظل جادو اور کہاں یہ عالم خاک و باد۔ طلسم ہوش ربا میں یہی تو خاص بات ہے کہ وہاں زمانہ کا مرور اور مکان کی سمتیں اور جہتیں ساکن اور لامحدود ہیں۔ وہاں ''کب'' اور ''کہاں'' کا وجود نہیں۔ اور مردوں کے بجائے عورتوں کی حکومت ہے۔ جہاں عورتیں نہیں بلکہ مرد اغوا کیے جاتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ کہیں سچ مچ کے زمان و مکان دخل در معقولات کر ہی جاتے ہیں، عورتوں ہی کا بھیس بدل کے۔ ''یہی کیفیت سیارہ دیکھتا سنتا بارہ دری تک پہنچا۔ یہاں تلنگنوں کا پہرہ کھڑا تھا۔ ایک تلنگن پکاری، ہوکس ذیر؟''

غلامی زمانے کے مرور خالص کے قدموں میں بھی بیڑیاں ڈال ہی دیتی ہے۔

ماضی کو ساتھ لئے بغیر حال اور مستقبل سمجھ میں نہیں آسکتا۔ زبان ماضی کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔ یہ سب سے بڑی اجتماعی روایت ہے جو فرد کا رشتہ فرد سے اور زمانہ کا رشتہ زمانہ سے باندھتی جاتی ہے۔ ابر نیساں کی طرح یہ موتی برساتی ہے۔ لیکن ہر موتی گوہر یکتا ہے۔ اگر ایک موتی گم ہوگیا تو پھر کوئی کیمیائی نسخہ اسے بنا نہیں سکتا۔

ایسے ہزاروں موتی طلسم ہوش ربا میں بکھرے پڑے ہیں۔ بدقسمتی سے جدید نصاب تعلیم اور بعض جدید ادبی تحریکوں نے ہماری زبان کی دولت ہم سے چھین لی ہے۔ ہم ان الفاظ کا مفہوم ادا کرنے کے لئے انگریزی الفاظ کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں جو ہماری زبان میں پہلے ہی سے موجود ہوتے ہیں۔ اور اس کوشش میں منہ کی کھاتے ہیں۔

طلسم ہوش ربا لکھنؤ کی بنی بنائی نکھری ہوئی زبان کا خزانہ ہے۔ اس کی عظیم الشان وسعت میں سینکڑوں الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جنھیں ہم بھولتے جارہے ہیں۔ مثلاً کوئی ایک صفحہ لیجئے اور لفظوں اور محاورں کی بھولی ہوئی دولت گنئے۔

ڈمرو۔ آسنی۔ بیر بلانا۔ اگیار۔ پڑھنت۔ منتر جگانا۔ جنتر بنانا۔ کلچڑیاں۔ پون تانا۔ ملیان وغیرہ۔

ہر طرح کی زبان محفوظ کی گئی ہے، اصلی ہو یا روایتی۔ مثلاً کٹنیوں کے بول:

''ہمارے کام کو آپ کیا پوچھتے ہیں؟ ہم نے سینکڑوں گھر غارت کردیئے۔ لاکھوں کو بہلا پھسلا کر بیچ ڈالا۔ ہزاروں نسبتیں اور بیاہ کرادیئے۔ اور صدہا طلاقیں دلائیں اور بہت بہو بیٹیاں جن کا دامن تک کسی نے نہ دیکھا تھا، ان کو نو نو بار یار کرادیے۔ اور بڑے بڑے اڑیل مہاجنوں کے گھر بھید بتا کر چوروں کو کدایا۔ جہاں ہوا نہ جاسکتی تھی وہاں کا حال بتایا۔ ہم آگ لگا کے پانی کو دوڑتے ہیں۔ دوست رہتے ہیں اور دشمنی کرتے ہیں۔ ہمارے کاٹے کا منتر نہیں۔ کہیے تو زمین میں سما جائیں...... آسمان پھاڑ کر تھگلی لگانا ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ عرش اعظم ہلنے لگے اس طرح دل ستائیں۔''

یا دوانی چلم اڑانے والوں اور ساقنوں کی چھیڑ چھاڑ:

''کوئی کہتا تھا، ساقن کے دم کی خیر۔ آج پیڑو پر کی ہم کو بھی پلوائیے، ساقن کہتی تھی، بیٹا اب تو انگیا کے اندر کی پیو۔ یہ بہت عمدہ ہے'' دم بدم چلم جما کر دیتی تھی۔ خریداروں میں

یہ بحث تھی کہ ایک کہتا تھا ''سر کرو'' دوسرا کہتا تھا'' کیا ہم کو پست پینے والا مقرر کیا ہے؟ اس چلم کو تم سر کرو۔ اب کی دو آنے کی بھروائیں گے تو ہم سر کریں گے۔'' کوئی کہتا تھا'' اور پھٹک کر بھرا آگ رکھنا'' کوئی کہتا تھا'' ہماری چلم پر بکل کی آگ دھرنا۔''

سب سے بڑھ کر یہ کہ ادب میں زبان کے سوا زندگی کی تسخیر اور اس کے تحفظ کا کوئی آلہ نہیں۔ ایک میلہ کی تصویر ملاحظہ کیجئے جو اس زبان میں لکھی گئی تھی جسے ہم بھولتے جا رہے ہیں۔ منظر آج تک نہیں بدلا۔ ہم میں سے بہتوں نے دیکھا ہوگا، لیکن اسی منظر کو آج کل کے افسانوں کی زبان میں لکھنے کی کوشش کیجئے۔

''مہاجن نیچے جامے پہنے لڑکوں کو ساتھ لئے سیر کراتے پھرتے ہیں۔ ہندنیاں اپنا اپنا بناؤ کئے پھر رہی ہیں۔ ان میں رام جنیاں بھی ہیں۔ کہیں طوائف بناؤ کئے آشناؤں کو ساتھ لئے بیٹھی ہے۔ کلیجی کے کباب بھن رہے ہیں۔ کہیں ایک رنڈی پر دو عاشق ہیں، اس پر قصہ ہوا ہے۔ کہیں لونڈے پر جھگڑا ہوا ہے۔ تلوار چلی ہے، دوڑ گئی ہے لاگیں لگ رہی ہیں۔ نٹ تماشہ کر رہے ہیں۔ نٹنیاں ناچ رہی ہیں۔ جھولے پڑے ہیں، ساون ہوتے ہیں، درختوں کے نیچے دریاں بچھی ہیں، شریف لوگ بیٹھے ہیں۔ ایک سمت افیونی بیٹھے ہیں، افیون گھلتی ہے، گنے چھلتے ہیں۔ حقے توے کے بھرے رکھے ہیں۔ ایک امرود چھلا ہے، اس کے ٹکڑے کر کے باہم سب کو تقسیم کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے میں گنا ایسا چھیلتا ہوں جیسے شمع۔ کسی نے مزعفر کی بوٹی نکالی ہے۔ ایک ایک ریشہ باہم دیا۔ تعریف ہو رہی ہے کہ جلیبی کی کڑکڑاہٹ ہے۔ بعض اونگھ رہے ہیں۔ من منا کر بات کرتے ہیں۔ تالاب میں جا بجا لوگ نہاتے ہیں۔ ہندو چندن رگڑ رہے ہیں۔ تلک دیتے ہیں۔ کھور صندل کے اور قشقے ہاتھوں پر کھینچ رہے ہیں۔ کہیں درخت تلے لٹکن پر گھڑا رکھا ہے۔ پیندے میں اس کے مہین سوراخ کیا ہے۔ نیچے سری مہادیو جی کی مورت رکھی، اس پر بوند بوند پانی ٹپکتا ہے...... اشراف مٹھائی لیتے ہیں، گنوار مولی، جوار اور گڑ کھا رہے ہیں۔ ہنڈولے گڑے ہیں۔ سوانگ کے تخت آتے ہیں۔ سیف، برچھی، سانگ نکلتے ہیں۔ کوئی منہ سے سوت نکالتا ہے، کوئی ہار نگلتا ہے، پھول اگلتا ہے۔ یہی کیفیت دیکھتے دیکھتے وہ رات تمام ہوئی۔''

غرض لکھنؤ کا وہ تمدن جو کچھ تو واجد علی شاہ کے ساتھ مٹیا برج ہجرت کر گیا، کچھ غدر میں لٹا، کچھ غدر کے بعد کی انگریزیت کی نذر ہو گیا اور باقی ۱۹۴۷ء کی نذر ہو گیا۔ اس تمدن

کی اتنی جامع اور ہمہ گیر تصویر شاید ہی کہیں اور ایسی ملے گی جیسی طلسم ہوش ربا میں ہے۔ اس تمدن کے بہت سے ملفوظات اب بھی لکھنؤ کی روزمرہ کی زندگی میں حکایتوں اور لطیفوں کے طور پر سننے میں آ جاتے ہیں۔ غدر میں جب ایک گورا ایک لکھنوی بانکے کو گولی کا نشانہ بنا رہا تھا تو اس کا یہ کہنا ''قبلہ گورے ذرا سنبھل کے، کہیں خدانخواستہ گھٹنے میلے نہ ہو جائیں'' یا لکھنؤ کے اکے والے کا ایک بہت زیادہ موٹے تازے مسافر سے یہ سوال ''حضور! کیا ایک ہی دفعہ میں لے چلوں؟''

جہاں کہیں یہ تمدن کتابوں میں محفوظ ہے، باوجود اپنی نسائیت، انفعالیت اور جمود کے اپنی شیرینی، دلکشی، لطافت، رنگینی کے باعث یادگار رہے گا۔ کم سے کم یہی طلسم ہوش ربا کا بہت بڑا امتیازی نشان ہے۔ اس بحرِ ذخار میں پرانے لکھنؤ کی زندگی اور اس کی زبان لہریں لے رہی ہے۔ اس انتخاب میں محمد حسن عسکری کا معجزہ یہ ہے کہ انہوں نے بحرِ ذخار کو بڑی کامیابی سے کوزے میں بند کیا ہے۔ چھانٹ چھانٹ کے عطر جمع کیا ہے اور خس و خاشاک کو پھینک دیا ہے۔

شاید یہ اُردو زبان میں مشکل ترین نوعیت کا انتخاب تھا۔ لیکن اس انتخاب کی کامیابی پر کوئی شک نہیں کر سکے گا۔ اس میں ہر کام کی چیز سما گئی ہے۔ ایک طرح سے یہ بھی عمرو عیار کی زنبیل ہے۔

عزیز احمد

دیباچہ

بہتر یہ ہوگا کہ میں اس دیباچے کے شروع ہی میں ایک لازمی حقیقت کا اعتراف کر لوں تاکہ آپ کو ''طلسم ہوش ربا'' کے اس انتخاب کے بارے میں کوئی غلط فہمی یا ایسی توقعات پیدا نہ ہونے پائیں جنہیں پورا کرنے کی میں نے کوشش ہی نہیں کی۔ یہ انتخاب نہ تو کوئی تحقیقی کارنامہ ہے، نہ میرا منشا یہ تھا کہ تاریخ اور معاشری علوم کے طالب علموں کو سہولت بہم پہنچاؤں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، یہ انتخاب ایک بہت پرانی اور شاید طفلانہ خواہش کی تکمیل ہے۔ کبھی بچپن میں ''طلسم ہوش ربا'' پڑھتے ہوئے ایک مرتبہ محل سرا کا نقشہ نظر سے گزرا تو یہ رنگ مجھے جادوگروں کی داستانوں سے بھی زیادہ دلچسپ معلوم ہوا اور جی چاہا کہ اسی قسم کے سو دوسو صفحے مسلسل پڑھنے کو ملیں۔ اس خواہش نے پھر میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور آخر میں خود ہی ساری ''طلسم ہوش ربا'' پڑھنے اور اپنی پسند کے حصے انتخاب کرنے پر مجبور ہو گیا۔ کلیم الدین احمد صاحب کی کتاب ''فن داستان گوئی'' نے میری اس خواہش کو تقویت پہنچائی اور میرے ناشرین نے اس انتخاب کی اشاعت سے دلچسپی لے کر میری ہمت بندھائی۔ آخر یہ انتخاب آپ کے سامنے پیش ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے مندرجہ ذیل باتیں ضرور ذہن میں رکھئے:

ا۔ ان انتخابات میں مَیں نے جادو کے قصوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھا، بلکہ ہر جگہ اس بات کا بھی لحاظ نہیں رکھا کہ ہر انتخاب اپنی جگہ ایک مربوط قصہ ہو، کیونکہ اس صورت میں جادوگروں کی داستانوں کو داخل کرنا پڑتا جن سے میں فی الحال بچنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے انتخاب کو صرف ایسے ٹکڑوں تک محدود رکھا ہے جن کا تعلق عام معاشرتی زندگی سے ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر حصے ایسے ہیں جن کی نثر سیدھی سادی اور رواں ہے۔ لیکن میں نے مقفٰی اور مسجع نثر کے نمونے بھی شامل کیے ہیں۔ اس میں ایک تو میرا مقصد یہ تھا کہ ''طلسم ہوش ربا'' میں جو مختلف اسالیب ہمیں ملتے ہیں ان کی مثالیں پیش کر دوں۔ دوسرے میرے خیال میں یہ ضروری نہیں کہ پر تکلف نثر ہر جگہ جھوٹی ہی ہو یا اپنے مصنف اور اپنی تہذیب کے مثبت ذہنی رجحانات یا تصورات کی آئینہ داری نہ کر سکے۔ غالباً یوں کہنا

صحیح ہوگا کہ پر تکلف نثر کسی جذبے یا چیز کو جذبے یا چیز کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک تصور کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ مخصوص تصور یا بعض جذبات اور چیزوں کو بعض وقت محض تصور کی حیثیت سے دیکھنے کی عادت اس تہذیب کے مثبت عناصر میں سے ہو۔ مجھے احساس ہے کہ آج کل بہت سے پڑھنے والے پر تصنع اور گنجلک نثر سے گھبرائیں گے، لیکن ایسے تہذیبی تصورات پیش کرنے کے خیال سے میں نے ایسی نثر کے اقتباسات بھی شامل کیے ہیں۔ البتہ انہیں کانٹ چھانٹ کے مختصر کر دیا ہے۔

۲۔ یوں تو یہ انتخاب تاریخ اور معاشرت کے مطالعے کے لئے بھی مفید ہوسکتا ہے لیکن میں نے ''طلسم ہوش ربا'' کو نہ تو عالم کی حیثیت سے پڑھا ہے نہ طالب علم کی حیثیت سے، بلکہ ایک عام ادب پڑھنے والے کی طرح یا پھر ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے جس نے ایک زمانے میں افسانے لکھے اور مختلف اقسام کی نثر نگاری اور اس کی ضرورتوں کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ حصے سب سے پہلے تو ادبی قدر و قیمت اور ادبی لطف کی بنا پر انتخاب کیے ہیں۔ اگر کوئی صاحب انہیں کسی اور طرح بھی پڑھنا چاہیں تو شوق سے پڑھیں۔ مگر کم سے کم میری خواہش یہی ہے کہ اس انتخاب کو پہلی مرتبہ ادبی لطف کی خاطر ہی پڑھا جائے۔ مجھے امید ہے کہ اگر اس کتاب کو اس انداز سے پڑھا گیا تو عام پڑھنے والے اُردو ادب کے متعلق اور افسانہ نویس اور نثر نگار حضرات اپنے فن کے بارے میں اس سے بہت کچھ سیکھ سکیں گے۔

۳۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات کو یہ دیکھ کر تھوڑی سی مایوسی ہو کہ نہ تو میں نے ''طلسم ہوش ربا'' کے دونوں مصنفوں کے حالات زندگی لکھے ہیں اور نہ یہ بتایا ہے کہ یہ کتاب کہاں، کب اور کن حالات میں شائع ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ میں اس کتاب میں عجائب خانے کی فضا نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ میں یہ انتخاب اس یقین کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ یہ زندہ اور جاندار ادب ہے۔ اور ان صفحوں میں اُردو نثر نگاری اور افسانہ نویسی کے بعض بہترین نمونے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ہند اسلامی تہذیب اور مزاج کے چند خصوصی مظاہر بھی نظر آتے ہیں۔ یہ صرف ماضی کا ادب نہیں ہے بلکہ جب تک ہند پاک برصغیر میں بسنے والی مسلمان قوم تخلیقی طور پر زندہ ہے اور اپنی تخلیقی روح سے آگاہی حاصل کرنا چاہتی ہے، اس کتاب کا تعلق ہمارے حال سے قائم رہے گا۔ چنانچہ تصنیف اور اشاعت کی تاریخیں اس کتاب کے معاملے میں کوئی بنیادی

اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ کتاب ہماری قوم کی وہ تصویر دکھاتی ہے جو قوم نے ایک زمانے میں اپنے ذہن میں قائم کر رکھی تھی۔ پھر یہ کتاب ہمیں یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ اس زمانے میں ہم دنیا اور زندگی کے متعلق کیا سوچتے اور محسوس کرتے تھے۔ ممکن ہے اب ہم اس طرح نہ سوچتے ہوں، اور ہم نے اپنے ذہن میں اپنی جو تصویر بنائی ہے وہ بھی کسی اور طرح کی ہو لیکن ان بنیادوں ذہنی تصویروں کی المیہ اور طربیہ حقیقت یہی ہے کہ پرانی تصویریں کبھی پوری طرح مٹتی نہیں بلکہ بعض دفعہ تو اس بری طرح اُبھرتی چلی آتی ہیں کہ نئی تصویریں ان کے سامنے ماند پڑنے لگتی ہیں۔ ''طلسم ہوش ربا'' اسی قسم کا ایک نگار خانہ ہے اور اس لئے ہمارے حال کا لازمی جز ہے۔ اسی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے بھول جائیں کہ یہ کتاب کب لکھی گئی تھی۔ دوسری وجہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس انتخاب کو خالص ادب کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی یہ نثر کے ٹکڑے مصنفوں سے زیادہ اہم ہیں۔ یوں تو یہ جملہ ہر نثر یا ہر شعر کے بارے میں کہا جا سکتا ہے مگر ''طلسم ہوش ربا'' کے ضمن میں یہ بات خاص معنے رکھتی ہے۔ ویسے تو یہ داستانیں انیسویں صدی کے آخری حصے میں محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کے ذریعے ضبط تحریر میں آئیں۔ جاہ نے پہلی چار جلدیں لکھیں اور قمر نے باقی تین۔ پھر اوپر سے چند داستانوں کا اضافہ دو جلدوں میں ''ضمیمہ طلسم ہوش ربا'' کے نام سے کیا۔ مگر ان داستانوں کی اختراع اور اس مخصوص طرز بیان کی ایجاد کا سہرا ان دو آدمیوں کے سر نہیں۔ یہ دونوں تو داستان گوئی کی طویل اور عظیم روایت کا صرف ایک حصہ ہیں۔ مشہور ہے کہ امیر حمزہ کی داستان پہلی بار اکبر کے زمانے میں فیضی نے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ اولیت کا فخر جس کسی کو بھی حاصل ہو وہ الگ بات ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ مختلف داستان گوؤں کے ساتھ ساتھ یہ داستان پھیلتی اور بڑھتی رہی، یہاں تک کہ ایک مستقل روایت، بلکہ ایک تہذیبی ادارہ بن گئی۔ قمر کا تو خیر باقاعدہ دعویٰ ہے کہ میں نے امیر حمزہ کے قصے میں بالکل نئی داستانوں کا اضافہ کیا ہے، ممکن ہے کہ جاہ نے بھی بعض داستانیں خود تصنیف کی ہوں، لیکن اس قصے کی اصل روایت ان دونوں سے پہلے اور الگ قائم تھی۔ لوگوں نے جاہ اور قمر کو آزاد داستان نویسوں کی حیثیت سے نہیں پڑھا بلکہ ایک روایت کے نمائندوں کی حیثیت سے۔ چنانچہ حال یہ ہے کہ ''طلسم ہوش ربا'' کو جو زبردست مقبولیت حاصل رہی ہے اس کی مناسبت سے کتاب کے مصنفوں کے نام تک سے

واقفیت رکھنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔اسی طرح یہ خاص اسلوب بیان بھی جاہ اور قمر کی ایجاد نہیں تھا۔اس معاملے میں بھی وہ صرف ایک روایت کی پیروی کررہے تھے۔یہ بالکل ناممکن ہے کہ شاید یہ دونوں نثر گوئی کی اس روایت کے بہترین نمائندے نہ ہوں، بلکہ انہیں نول کشور پریس کی بدولت ان داستانوں کو کتابی شکل میں چھپوانے کا موقع مل گیا۔یہ ٹھیک ہے کہ جاہ اور قمر کی تحریروں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے اوران میں انفرادی خصوصیات موجود ہیں۔قمر کہانی کہنے کے فن میں ایسے ماہر نہیں ہیں جیسے جاہ، انہیں دلچسپ واقعات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔آپ کو سحر کے جیسے کرشمے آخری تین جلدوں میں ملیں گے ویسے پہلی چار جلدوں میں نہیں ملیں گے۔اس باب میں قمر کی قوت ایجاد (جس پر انہیں فخر بھی ہے) شاید اسی لئے زیادہ تیز ہے کہ سادہ واقعات کو فنی احساس کے ذریعے دلچسپ بنا دینا انہیں نہیں آتا......یعنی جاہ کے مقابلے میں نثر نگاری اور انشا کے معاملے میں تو وہ جاہ سے کافی پیچھے ہیں ان کے فقروں میں وہ لطیف ربط، وہ روانی اور سبک پن، وہ ستھرا پن اور نکھار موجود نہیں جو جاہ کی نثر میں ہے۔قمر کو شاید اس خامی کا احساس بھی ہے اوران میں خوداعتمادی کی ایسی کمی ہے کہ وہ بار بار جاہ پر اپنی فوقیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔یوں تو جاہ نے بھی بعض اوقات اپنے انداز بیان اور ''بوستان خیال'' کے اسلوب کا مقابلہ کیا ہے، مگر وہ دراصل اپنی تعریف نہیں کرتے، بلکہ یہ بتاتے ہیں کہ فن داستان گوئی کی ضروریات کیا ہیں اور داستان کے لئے کونسا انداز بیاں موزوں ہے۔اس کے برخلاف قمر کو اپنی برتری منوانے کی فکر پڑی رہتی ہے۔ اور بعض وقت جاہ کے متعلق ان کا لب و لہجہ تحقیر آمیز ہو جاتا ہے۔لیکن ان سب انفرادی خصوصیات اور اختلافات کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ یہ دونوں ایک مقررہ اور روایتی اسلوب اور انداز بیان کی پیروی کرتے ہیں۔چنانچہ ان دونوں مصنفوں پر ذاتی طور سے غور کرنا اتنا اہم نہیں ہے جتنا اس روایت کو سمجھنا جو ان دونوں کے ذریعے اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہے۔ویسے ان دونوں داستان نویسوں کے ذاتی حالات وغیرہ پر بھی تحقیق ہونی چاہئے۔مگر یہ تحقیقی کام وہ حضرات کریں گے جو مجھ سے زیادہ اس کے اہل ہیں۔مجھ میں تحقیق کی صلاحیت تو الگ رہی، علمی تحقیق کا جذبہ تک نہیں ہے۔میں تو کسی کتاب سے صرف ادبی اورفنی دلچسپی لے سکتا ہوں۔اوراپنی معذوریوں کے پیش نظر میں نے اپنے آپ کو یہیں تک محدود رکھا ہے۔

۴۔ میں نے اس انتخاب میں عبارت کی تدوین موجودہ زمانے کی ضرورتوں کے مطابق کی ہے۔ یہاں عبارت کی صحت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں طباعت میں جو خامیاں رہ جاتی تھیں ان کے علاوہ ''طلسم ہوش ربا'' میں ایک مشکل یہ ہے کہ اس میں بیسیوں الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جو صرف لکھنؤ کے اطراف و جوانب میں بولے جاتے ہیں اور دہلی کے قرب و جوار کے لوگوں کے لئے بالکل غیر مانوس ہیں۔ پھر ایسے الفاظ اور محاورے ہیں جو کہیں بھی نہیں بولے جاتے ہیں، ان کے علاوہ سینکڑوں ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو اس طرح استعمال سے خارج ہوئی ہیں کہ انہیں دیکھنا تو الگ رہا، عام طور سے لوگوں نے ان کا نام تک نہیں سنا۔ ایسے الفاظ کے پڑھنے اور نقل کرنے میں ہمیشہ غلطی کا احتمال رہتا ہے۔ جہاں تک مجھ سے ہوسکا ہے میں نے احتیاط برتی ہے اور ایسے لفظوں کی صحیح شکل معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ چاہتا تو میں یہ تھا کہ مسودہ مکمل کرنے کے بعد نظر ثانی کے لئے حضرت اثر لکھنوی اور حضرت نیاز فتحپوری کی خدمت میں پیش کروں، لیکن موجودہ حالات میں یہ ممکن نہ ہوا۔ البتہ دو حضرات نے میری درخواست پر مسودہ پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائی اور بہت سی غلطیوں کی اصلاح کی۔ میں ان کا شکر گذار ہوں۔ لیکن چونکہ موجودہ عبارت کی صحت یا عدم صحت کی ذمہ داری میں مَیں انہیں شریک نہیں کرنا چاہتا، اس لئے نام لئے بغیر ان کا شکریہ ادا کرنے پر ہی اکتفا کروں گا۔ اس احتیاط کے باوجود یہ بالکل ممکن ہے کہ بعض الفاظ ایسے نکل آئیں جن کی صحت مشکوک ہو، تو میں نے اپنی مشکلات آپ کے سامنے پیش کر ہی دی ہیں، خواہ یہ عذر آپ قبول کریں یا نہ کریں بہر صورت میرا مقصد تو ادب کی ایک کتاب پیش کرنا تھا، لغت نہیں۔ مگر اس انتخاب سے قطع نظر یہ ایک بڑا ضروری تحقیقی کام ہے کہ کوئی صاحب ''طلسم ہوش ربا'' کی لغت تیار کریں جس میں زیور کے نام کے سامنے ''ایک زیور'' اور برتن کے نام کے سامنے ''ایک برتن'' نہ لکھا ہو بلکہ ہر چیز کی صحیح نوعیت بیان کی جائے۔ ''ہوش ربا'' میں الفاظ اور محاورات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جو یونہی بے کار پڑا ہے۔ اُردو زبان اور ادب کو ترقی دینے کے لئے ہمیں ان تمام الفاظ اور محاوروں سے دوبارہ واقفیت پیدا کرنی پڑے گی جنہیں ہم نے اپنی بے اعتنائی اور بے نیازی میں بھلا دیا ہے۔ اس لئے ''طلسم ہوش ربا'' پر جو محنت ہوگی، اس کی حیثیت صرف تاریخی اور علمی تحقیق کی نہیں ہوگی، بلکہ اس کا اثر ہمارے ادب پر بھی پڑے گا۔

اس انتخاب کے بارے میں تو جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ عرض کر چکا، اب ایک ذرا سی بات ''طلسم ہوش ربا'' کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے۔ اُردو افسانہ نویسی پر جو مضامین یا کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ بات دھرائی گئی ہے کہ پہلے تو ہمارے یہاں صرف جادو اور طلسم کے قصے جاتے تھے۔ لکھنے والوں کو اپنی زندگی سے کوئی تخلیقی دلچسپی نہیں تھی، صرف خیالی باتوں میں پڑے رہتے تھے۔ البتہ جب غدر کا سانحہ پیش آیا تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں۔ دوسری طرف انگریزی ناولوں کا اثر پڑنا شروع ہوا۔ اور ان دو محرکات کے زیر اثر ہمارے لکھنے والوں نے اپنے زمانے کی معاشرتی زندگی کو افسانوں کا موضوع بنایا۔ یہ مفروضات ہماری تنقید میں اس طرح قائم ہو چکے ہیں کہ نہ تو کسی کو ثبوت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نہ دلیل کی۔ بس انہیں دو اور دو چار کی طرح درست سمجھا جاتا ہے۔ ''طلسم ہوش ربا'' کے اس انتخاب پر ایک نظر ڈالنے یا محض ورق اُلٹنے ہی سے آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اُردو افسانے کی نشوونما کا مذکورہ بالا تصور حقیقت سے کتنی دور ہے۔ غدر کے سانحے نے اور انگریزی ناولوں کے مطالعے نے ہمارے شعور کو وسعت دی ہوگی، ہمیں اپنی زندگی کو نئے طریقے سے یا ناقدانہ نظر سے دیکھنا سکھایا ہوگا۔ ہم نے ان دونوں تجربات سے نئے اسالیب بیان یا ہیئت کا نیا تصور حاصل کیا ہوگا۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن یہ کہنا سراسر غفلت شعاری ہے کہ ان دونوں تجربات نے ہمیں اپنی زندگی سے تخلیقی دلچسپی لینے پر مجبور کیا بلکہ ''طلسم ہوش ربا'' پڑھنے کے بعد تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ہمارے لکھنے والے اس کے بعد زندگی سے اتنی وسیع دلچسپی لے بھی سکے یا نہیں۔ اگر زندگی کے بعض مظاہر کو اچھا کہنے اور بعض مظاہر کو برا کہنے یا ان میں سے چند مظاہر کو بدلنے کی خواہش کا نام زندگی سے دلچسپی ہے تب تو بات دوسری ہے۔ لیکن اچھے، برے۔ خوشگوار، ناخوشگوار۔ ضروری، غیر ضروری۔ مفید، غیر مفید، صالح، غیر صالح ایسے تمام اعتبارات سے الگ ہٹ کر زندگی کے ہر مظہر کو بذات خود قابل اعتناء سمجھنا، توجہ اور دلچسپی سے دیکھنا، اس سے لطف لینا، یہ کوئی معمولی صفات نہیں ہیں اور یہ صفات کسی اور اُردو کتاب میں۔ اتنی فراوانی سے نظر نہیں آتیں جتنی ''طلسم ہوش ربا'' میں۔ زندگی سے اس دلچسپی کی مخصوص نوعیت اور کیفیت کی بحث تو چھوڑیئے۔ اس میں تو بات پھر بھی داخلی ہو جائے گی۔ خالی اعداد و شمار ہی کی بنا پر دیکھئے، ''طلسم ہوش ربا'' میں سماج کے جتنے مختلف طبقوں اور آدمیوں کی جتنی مختلف قسموں کا بیان آپ کو ملے گا وہ کہیں اور میسر نہیں آسکتا۔ ''فسانۂ آزاد'' اس معاملے میں تھوڑا بہت مقابلہ کر سکے تو کر

سکے۔ یہ لکھنؤ کی تہذیب کی خوش قسمتی تھی کہ اسے ایسے مصور مل گئے جو ایک نگار خانہ ترتیب دے رہے تھے۔ اس زمانے میں ایک عام آدمی کو اپنی زندگی میں جتنے بھی مختلف قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑسکتا تھا، تقریباً ان سبھی کی تصویر یہاں موجود ہے۔ اگر شررؔ لکھنؤ کے متعلق اپنی کتاب نہ بھی لکھتے، تب بھی ''طلسم ہوش ربا'' کی مدد سے پرانے لکھنؤ اور وہاں کی معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر مرتب ہوسکتی تھی۔

یہ تو ہوئی اس دلچسپی کی وسعت۔ اب زندگی سے اس دلچسپی کی مخصوص کیفیت یا ذائقہ دیکھئے۔ پرانے اُردو نثر نگاروں نے زندگی سے تین طرح دلچسپی لی ہے۔ رجب علی بیگ سرور بھی چیزوں سے دلچسپی لیتے ہیں، لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اس دلچسپی کے براہ راست اظہار کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ وہ چیزوں کو بھی اور ان سے اپنی دلچسپی کو بھی خیال یا تصور کی شکل میں تبدیل کردیتے ہیں۔ یہ لازمی نہیں کہ مقفیٰ نثر چیزوں کے براہ راست تاثر کا اظہار نہ کرسکے، لیکن چونکہ سرور تاثر نہیں بلکہ تصور پیش کرتے ہیں، اس لئے ان کی نثر میں زندگی کی کلبلاہٹ نہیں آنے پاتی۔ تصورات کا گٹھل پن پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ رنگ کہیں کہیں ''طلسم ہوش ربا'' کی مقفیٰ عبارتوں میں بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کتاب کی مقفیٰ نثر براہ راست تاثر کی نمائندگی بھی کرسکتی ہے، اور کرتی ہے۔

دوسری دلچسپی میراَمن والی ہے۔ چیزوں سے ان کا رشتہ مفاہمت، امن اور سکون کا ہے۔ یہ سکون کسی بڑے عرفان کا تو نتیجہ نہیں۔ شاید اسے سکون نہیں بلکہ اطمینان کہنا چاہئے۔ بہر صورت اتنا ضرور ہے کہ انہیں چیزوں ہی سے نہیں بلکہ چیزوں کی روح سے یک گونہ ہم آہنگی ضرور حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انفرادی طور سے ہر چیز پر زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ ان کے یہاں ہر چیز دوسری چیزوں سے بالکل الگ اور خود اپنی روشنی سے منور دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے بجائے ساری چیزیں ایک مجموعی ماحول یا فضا یا کیفیت کا حصہ ہیں۔ میراَمن ہر چیز کی الگ الگ نقاشی کرنے کی بجائے ایک فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس فضا میں ہر چیز، یہاں تک کہ نثر اور خود نثر نگار، سب اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کوئی آدمی نہیں بلکہ شروع رات کا دُھندلایا آسمان کہانی کہہ رہا ہے۔

''طلسم ہوش ربا'' کی نثر چیزوں کو تصورات میں نہیں بدلنا چاہتی۔ جہاں محض بھرتی کے لئے کوئی بیان لکھا گیا ہے وہاں کی بات اور ہے۔ اس نثر کو شاید چیزوں کی روح سے وہ

ہم آہنگی حاصل نہیں۔ اس کے برخلاف وہ ہر چیز سے الگ الگ اور زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیتی ہے۔ وہ کسی چیز کے جوہر تک تو نہیں پہنچتی، نہ اس کی کوشش کرتی ہے۔ مگر ظاہری ہیئت سے لطف اندوز ہونا اسے خوب آتا ہے۔ چیزوں سے اس نثر کا رشتہ سکون یا اطمینان کا نہیں بلکہ (اچھے معنوں میں) تفنن کا ہے۔ یہ نثر ہر چیز میں اس کا چٹ پٹا پن تلاش کرتی ہے۔ اس کے لئے مجموعی طور پر سب چیزیں نہیں بلکہ ہر چیز علیحدہ علیحدہ قابل توجہ ہے۔ اور ہر چیز سے الگ الگ مزا لیا جا سکتا ہے۔ یہ نثر چیزوں کی پیاسی ہے۔ اور ان سے لذت لینے کا موقع کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

خیر اس نثر کی کیفیت کچھ بھی ہو، اتنی بات یقینی ہے کہ انگریزی ناولوں کے آنے سے پہلے اُردو نثر صرف خیالی باتوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے زمانے کی زندگی کے اظہار اور عکاسی کی صلاحیت رکھتی تھی۔ جس طرح مغربی ممالک میں داستانیں نشو ونما پا کر معاشرتی اور نفسیاتی ناول بن گئیں، اسی طرح انگریزی ناولوں کے بغیر بھی فطری نشو ونما کے ذریعے ہمارے یہاں ناول پیدا ہو جاتا۔ معاشرتی ناول کی پیدائش کے لئے بڑی ضرورت تو اس بات کی ہوتی ہے کہ نثر اس کام کے لئے تیار ہو۔ ''طلسم ہوش ربا'' میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری نثر اس حد تک ترقی کر چکی تھی۔ معاشرتی مظاہر کے متعلق اس نثر کا جو رویہ تھا وہ ممکن ہے ہمیں پسند نہ ہو، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نثر معاشرتی مظاہر کے سامنے بے دست و پا نہیں ہو جاتی تھی۔ اگر یہ انتخاب اُردو نثر کی اس وسعت اور قوت کی طرف توجہ دلا سکے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

آخر میں مَیں اپنے دوست ابرار حسن صدیقی صاحب کا شکریہ ادا کروں گا جو اس انتخاب کے کام میں میرے شریک رہے اور کسی ٹکڑے کو شامل کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں جن کے حسن ذوق نے مجھے ہمیشہ مدد دی، اور لکھنوی زبان کے سلسلے میں جن سے مجھے بہت سے مفید مشورے ملے۔

محمد حسن عسکری

یکم اگست ۱۹۵۰ء

گئے تھے نماز بخشوانے روزے گلے پڑے

(۱)

بادشاہ نے دربار برخواست کیا۔ سردار اپنے اپنے خیموں میں بہر آسائش و آرام آئے۔ نور الدھر بھی آ کر اپنی بارگاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ ان کو اس ہمائے اوج عاشقی، ہجراں کشیدہ، رنجور، ملکہ مخمور نے دیکھا، دل بیتاب کو تاب نہ آئی، کنیزوں سے کہا: ''تم درہ کوہ میں جا کر ٹھہرو، میں آتی ہوں۔'' لونڈیاں حسب الارشاد اس طرف گئیں، اور یہ شاہین صید گاہ محبت و الفت اپنے طاؤس کو پھیر کر قریب بارگاہ شاہزادہ بلند قدر اتری اور سامنے آ کر پکاری کہ ''اے بے وفا! رسم و راہ الفت یہی ہے کہ ہم آوارۂ دشت و دیار پھریں اور تجھے خبر نہ ہو کہ بمقتضائے:

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست
کہ من خموشم و او درفغان و در غوغاست
مرا بکار جہاں ہر گز التفات نبود
رخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست''

یہ صدا سن کر شہزادے نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، ایک اختر آسمان دلربائی، گوہر دریائے آشنائی، گل گلزار نازکی بلبل شاخسار دلبری، یوسف جمال، زلیخا خصال، ماہ کی صورت، چکور کی سیرت، لیلیٰ کی سج، مجنوں کی دھج، شمع کا رنگ، پروانے کا ڈھنگ، بزم کی آرائش، پہلو کی زیبائش، نیند کی کھونے والی، لپٹ کر سونے والی کو ملاحظہ کیا۔ کہ سرگرم گفتار ہے ایسی حسین شوخ و چنچل کو دیکھا کہ بے صبر اور بیتاب ہو گیا، ہوش و حواس، عیش و راحت سب بھولا کہ:

بوٹا سا قد قیامت عالم — زلف چہرے پر آفت عالم
راستی قد کی اک قیامت تھی — کم سنی اس پر اور آفت تھی
حسن لاثانی ایک عالم میں — پھول سا تن عرق کے شبنم میں
ہائے رے وہ نچا کھچا مکھڑا — تمتمایا وہ چاند سا مکھڑا

صدقے آرائش اور نثار بناؤ اس بگڑنے میں بھی ہزار بناؤ
سربسر زلف کے وہ بال الجھے گیسوئے خم بہ خم کمال الجھے
قابل دید اس پری کا حال شکل معشوق جیسے صبح وصال
گو کہ سرمہ ہی تھا نہ غازہ تھا پر محبت کا یہ تقاضا تھا
دل سے ہو جایئے نثار اس پر غرض آتے تھے لاکھ پیار اس پر

شاہزادہ والا منزلت دلدادہ اور شیفتہ ہو کر قریب اس گل فام کے آیا۔ ملکہ نے مسکرا کر منہ پھیر کر کہا: ”چلو اب منہ دیکھی محبت نہ جتاؤ۔ میں ایسے بے مروت سے بات نہیں کرتی“ یہ فرما کر اور پھر کر روانہ ہوئی۔

یہ کشتۂ خنجر ناز و مجروح شمشیر انداز بیتاب و بے قرار ہو کر پکارا کہ ”اے مسکن گزین خاطر عاشق حزیں:

تڑپتا ہے مریض ہجر کیونکر دیکھتے جاؤ
اجی دم توڑنے کی سیر دم بھر دیکھتے جاؤ
دم رخصت ذرا حسرت کے تیور دیکھتے جاؤ
نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے پاس سے جاؤ تو مڑ کر دیکھتے جاؤ

اے دلدار و اے مایۂ ناز، یہ کیا مجھ ناشاد پر عتاب ہے کہ آپ ہی تو پری کی طرح سایہ ڈال کر دیوانہ بنایا اور پھر نظر پھیر لی۔“

شاہزادہ یہ کہتا ہوا اور شعر عاشقانہ پڑھتا اس کے پیچھے جاتا تھا، لیکن وہ بت پرفن کچھ جواب نہ دیتی تھی، یہاں تک کہ لشکر سے نکل کر ایک درۂ کوہ میں جب پہنچی وہاں ٹھہر گئی۔ شاہزادہ قریب پہنچا۔

مخمور نے تیوری چڑھا کر کہا: ”کہو صاحب، کیا ہے؟ کیوں مجھ کم بخت کا پیچھا پکڑا ہے؟ لو اچھا، میں ٹھہری ہوں۔ کیا کہتے ہو؟“

شاہزادے نے کہا: ” واللہ اے جان زار کی تسکین، میرا تو یہ حال ہے کہ:

گر نام عاشقی ترے نزدیک ننگ ہے
کر لے نہ قتل مجھ کو عبث پھر درنگ ہے

اس خانماں خراب کو لے جاؤں میں کدھر
دل پر تو یہ فضا ہے بیاباں بھی تنگ ہے
تیری درشتیوں کو سمجھتا رہوں آشتی
تجھ کو تو میرے ساتھ عبث عزم جنگ ہے
کرتا ہے اس قدر تو خفا درد کو عبث
ظالم وہ اپنی جان سے آبھی بتنگ ہے''

یہ کہہ کر اشک سے رخسار کو تر کیا۔ مخمور شاہزادے کے رونے سے بے چین ہوگئی، اور ہنس کر اپنے دست نازک سے آنسو پونچھنے لگی، اور کہا: ''مجھ خانماں آوارہ سے محبت کرنا، دل لگانا اچھا نہیں کہ شہنشاہ طلسم افراسیاب کے پھندے سے میرا نکلنا محال ہے۔ اس وقت ہمراہ ساحروں کے حیلہ کر کے تمہارے دیکھنے کو چلی آئی تھی۔''

شاہزادے نے کہا: ''کیا تم بھی ساحرہ ہو؟''

اس نے کہا: ''ہاں''

یہ سننا تھا کہ نورالدھر سُن ہو گئے۔ ان کے چپ ہونے سے مخمور سمجھ گئی کہ تجھے ساحرہ جو انہوں نے سنا ہے تو تیرے حسن و جمال کو عارضی بزور سحر بنا ہوا جان کر یہ خاموش ہوئے۔ یہ تصور کر کے ہنسی اور لب لعلین سے گہر افشاں ہوئی کہ ''اے دلبر دغاباز واے عاشق جاں نواز! میں مثل ان ساحرنیوں کے نہیں ہوں کہ جن کا سن وسال دو دو سو برس ہوتا ہے اور وہ سحر سے صورت اپنی جوانوں کی بناتی ہیں، میرا سن چودہ سال کا ہے۔''

شہزادہ اس تقریر کو سن کر دل میں شاد ہوا۔ لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ امیر کسی ساحرہ کے ساتھ اپنے بیٹوں اور پوتوں کے عقد کرنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں، پس اس سے وصال ہونا غیر ممکن ہے، اور تیری طبیعت اس پر آئی ہے، دیکھئے مقدر میں کیا لکھی رسوائی ہے۔ یہ سوچ کر یا تو چہرے پر سرخی آئی تھی یا پھر وہ غنچہ دہن مرجھا کر زرد ہو گیا۔

مخمور سوچی کہ شہزادے کو تیرے کم سن ہونے کا حال سن کر فرحت حاصل ہوئی تھی مگر اب پھر کچھ فکر لاحق ہوئی ہے۔ از بسکہ یہ عاشق ہے، شاہزادے کے خفا رہنے سے دل اس کا خفا ہوا اور ہاتھ گردن میں ڈال کر اپنا دوشالہ سر سے اتار کر فرش کیا اور شہزادے کو بٹھلایا۔ لگی منت اور خوشامد کرنے کہ ''کیوں صاحب ہم سے کیوں خفا ہوئے؟ کیا باعث ہے؟

دل بھرا آتا ہے خدا کی قسم — بہت اس وقت ضبط کرتے ہیں ہم
کچھ خفا ہو تو ہم سے فرماؤ — لو ہمیں پیٹو اب نہ شرماؤ
میں سنوں تو میرا قصور ہے کیا؟ — سبب رنجش حضور ہے کیا؟
رنج تکلیف ہم کناری ہے — یا خطا اور کچھ ہماری ہے
کون کہتا ہے تم گلہ نہ کرو — بے تکلف کہو، حیا نہ کرو
ہم کو قائل کرو، لڑو ہم سے — مثل گیسو اُلجھ پڑو ہم سے
خوش ہو رنج فراق دور ہوا — عذر کرتے ہیں لو قصور ہوا
خود مقر ہوتے ہیں خطا پر ہم — ناحق اس درجہ آپ ہیں برہم
ناز برداری پہ کرتے ہیں ناز — سب اٹھاتے ہیں عاشق جانباز
رنج فرقت کا ذکر زائد ہے — اس سے کیا جی، خدا تو شاہد ہے
ہم ہیں معشوق، تم کو زیب نہ تھا — ہم سے کرنا تمہیں فریب نہ تھا
روٹھنے کا سبب بھی ہم سمجھے — یہ رکھائی، یہ ضد، یہ دم سمجھے
آپ ہم کو اگر ستائیں گے — دیکھو پھر ہم بھی روٹھ جائیں گے"

اس طرح اپنے عاشق کو لپٹ کر منایا کہ شہزادے کو آئندہ کا خیال ماضی ہوا، سب رنج و غم بھولا، بے اختیار ہنس پڑا۔ ملکہ نے تیوری چڑھائی، روکھی صورت بنا کر، گلے سے باہیں نکال کر الگ سرکی۔ شہزادہ اس سے لپٹ گیا اور کہا: "اے آرام دل بے قرار! میں تجھ سے خفا نہ تھا، بلکہ یہ سوچتا تھا کہ دادا میرے امیر جب تجھ کو ساحرہ سنیں گے تو میرے ساتھ نکاح نہ کریں گے۔"

مخمور نے ہنس کر کہا: "چہ خوش! آپ نکاح کی فکر ابھی سے کرنے لگے! اے صاحب منہ بنواؤ، ہوش میں آؤ، عقل کے ناخن لو۔ کجا میں اور کجا تم! کیسا نکاح اور کہاں کا بیاہ۔ بس اک نظرے خوش گزرے ہم نے نہیں دیکھا، تم نے ہمیں دیکھ لیا اور آگے سب جھگڑا ہے۔ مجھے اور بات سے نفرت ہے۔"

شہزادے نے کہا: "دیکھیے اس کی سند نہیں، یہ انکار اچھا نہیں۔"

مخمور نے کہا: "اور تو میں کچھ جانتی نہیں، لیکن دل سے راغب بطرف دین اسلام ہوں۔ انشاء اللہ بعد فتح طلسم سحر ساحری سے توبہ کروں گی۔ آج کل طلسم میں مجھے مدد عمرو کی

کرنا ہے اور پنجۂ افراسیاب سے نکلنا ہے، نہیں تو ابھی مسلمان ہو جاتی۔''

شہزادے کو اطمینان ہوا کہ جب یہ مدد خواجہ کی کرے گی اور بدل مسلمان ہو گی تو امیر جلد وئے حسن خدمت اور رفاقت مسلمانان کی وجہ سے خوشنود ہو کر میرے ساتھ نکاح کرنے میں تامل نہ کریں گے۔ یہ سمجھ کر آغوش محبت کھول کر اس پروردۂ مہد ناز و کج ادائی کو سینے سے لپٹا لیا، دل کھول کر پیار کیا۔

مخمو. نے کہا: ''چلئے، چلئے، آپ وہی ہیں جو ابھی طوطے کی ایسی نگاہ پھیرتے تھے۔ منہ سے نہ بولتے تھے۔ ہمیں آٹھ آٹھ آنسو رلایا، اور آپ کے تیور پر میل نہ آیا۔ اب لگے جھوٹ موٹ کا عشق جتانے۔''

شہزادہ منتیں کرنے لگا، ہنگامۂ راز و نیاز گرم ہوا۔

(۲)

ملکہ نے شاہزادے سے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا: ''لیجئے خدا حافظ و ناصر۔ اب عرصہ بہت ہوا ہے، میری راہ شاہ طلسم دیکھتا ہوگا۔ جب اور ساحر پہنچیں گے اور میں نہ ہوں گی تو بہت خرابی ہوگی۔'' یہ کہہ کر اٹھی۔ شاہزادہ اس کے جانے سے آبدیدہ ہوا۔ پھر تو مخمور بھی رونے لگی، اور اس وقت عاشق اور معشوق کا عجب حال تھا کہ:

قہقہہ لب پہ بن گیا نالا　　خون بہا آنکھوں سے تو دھو ڈالا
دل کو سو پیچ و تاب ہونے لگے　　شدتوں سے عذاب ہونے لگے
دل تو اُمڈا مگر رہے خاموش　　تھم گئے اشک آ کے بر سر جوش

قصہ کوتاہ دونوں روتے، یہ ادھر، وہ طلسم کی طرف روانہ ہوئی۔ مخمور چلتے وقت کہتی گئی کہ:

''کرم مجھ پہ رکھنا ذرا میری جاں
میں دل چھوڑے جاتی ہوں اپنا یہاں''

(۳)

مخمور...... اندر باغ سیب کے گئی۔ اور شاہ طلسم کو مجرا کر کے دنگل پر بیٹھی۔ خمار نے اس کی بلائیں لیں، اور گلے سے لگایا، چہرا اُترا پایا۔ کہا: ''کیوں بہن، تمہارا جی کیسا ہے؟''

مخمور نے کہا: ''اچھی ہوں۔ تم جانو راہ کی تھکی ماندی آئی ہوں، اور میں سچ کہوں، مجھے راہ چلنے کی عادت بھی نہیں۔ تغیر حواس اور مزاج کی یہی وجہ ہے۔''

مخمور یہ کہہ ہی رہی تھی کہ نظار نے آ کر افراسیاب کو تسلیم کی اور کل سرگزشت عمرد کے رہا ہو جانے اور حضار کے مارے جانے اور لقا کے پیام دینے کی بیان کی۔

افراسیاب نے جواب دیا: ''مجھے سب خبر ہے۔'' یہ کہہ کر بہ غضب تمام پکارا: ''اے مخمور، ادھر آ۔''

مخمور گھبرا کر تھرائی ہوئی سامنے آئی۔ شاہ نے خطاب کیا کہ ''کیوں او بے حیا! تو جب خدمت خداوند میں گئی تھی تو پہلے ہر سمت اپنے یار کو ڈھونڈتی پھری۔ آخر جب مسلمانوں سے لڑائی شروع ہوئی تو علیحدہ جا کر کھڑی ہوئی، اور سحر کرتی تھی تاکہ مسلمانوں پر سحر تاثیر نہ کرے، اور انجام کار یہ ہے کہ چلتے وقت درۂ کوہ میں اپنے یار کو لگا کر لائی اور خوب رنگ رلیاں منائیں۔ سچ کہہ یہ کیا ماجرا تھا؟''

واضح ہو کہ جب مخمور طلسم سے واسطے لقا کے پاس جانے کے ہم شبیہ افراسیاب سے اجازت خواہ ہوئی تھی تو اس کو مظنہ یہ گزرا کہ ایک بار یہ لقا کے پاس ہو آئی ہے، دوبارہ آپ سے درخواست کر کے یہ کس لئے جاتی ہے۔ اس گمان کے آتے ہی شاہ جادواں نے مخفی ایک پتلا سحر کا اس کے ہمراہ کر دیا تاکہ جو کچھ وہاں یہ کرے اس سے وہ پتلا مجھے خبردار کرے۔ جس وقت مخمور شاہزادہ نورالدھر کو پہاڑ کے درے میں لے گئی اور باتیں کرنے لگی۔ پتلے نے سحر کے افراسیاب کو اس کے آنے سے پہلے آ کر خبر دی......

خلاصہ کلام، جب مخمور پر اس نے زجر و توبیخ کی تو وہ رونے لگی اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگی کہ ''کنیز نہ تو سحر مسلمانوں کے بچنے کے لئے کرتی تھی اور نہ کسی کی جویا تھی۔ ہاں، اتنی خطا مجھ سے بے شک ہوئی کہ جب میں وہاں سے پھری ہوں تو ایک جگہ لشکر حمزہ میں بہت سے آدمی کھڑے تھے۔ ان کو دیکھنے گئی۔ ان میں سے ایک جوان حسین مجھے

خوبصورت عورت دیکھ کر دوڑا۔ میں بھاگی اور درہ کوہ میں جا کر چھپی۔ وہ بھی پیچھے پیچھے وہاں آیا، اور میرے حال کا مستفسر ہوا۔ میں بہ غصہ اپنی کیفیت بیان کر کے آمادہ ہوئی کہ سحر سے اسے گرفتار کروں، وہ بھاگ کر لشکر میں چلا گیا۔ میں طلسم میں چلی آئی۔ اب عنایت بے غایت خسروانہ حضور سے امیدوار ہوں کہ اتنی خطا میری معاف فرمایئے۔''

افراسیاب گویا ہوا کہ ''دیکھ تیرا جھوٹ سچ ابھی ظاہر ہوا جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس کے بازو کی طرف بہ نگاہ قہر دیکھا۔ مخمور کے بازوؤں پر اک زمرد کے بند ھے تھے اور ان پر تصویریں تھیں، ایسی کہ جیسے نگینے پر نقش وغیرہ کندہ ہوتے ہیں۔ بس شاہ کے گھورنے سے دونوں بازوؤں کے اک کھل کر گر پڑے اور افراسیاب پکارا کہ ''اے پتلیو، تم بتاؤ کہ یہ کس سے باتیں کرتی تھی اور کس کا دم محبت بھرتی تھی۔''

دو پتلیاں گویا اس کے حق میں کراماً کاتبین تھیں کہ جو کچھ مخمور نے وہاں کیا تھا وہ سب بیان کرنے لگیں اور کہنے لگیں: ''اے شہنشاہ! یہ اس مردوئے کے سامنے اپنا عشق جتانے کو روئی تھیں۔''

افراسیاب ہنسا اور پکارا کہ ''اے قحبہ، سنا تو نے کہ پتلیوں نے کیا کہا؟''

مخمور نے عرض کیا کہ ''میں لاکھوں ساحر جو جنگ میں مارے گئے، ان کے لئے روتی تھی۔'' یہ کہہ کر قدم شاہ پر گر پڑی کہ خطا میری معاف فرمایئے۔

افراسیاب نے کہا: ''سو کوڑے ماروں گا جب معاف کروں گا۔'' یہ کہہ کر دستک دی کہ زمین سے دو ساحر بد ہیئت، کریہہ منظر، تازیانے لئے نکلے، اور طرۂ زلف محبوب پر مار پڑنے لگی، جسم نازنین سے فوارے خون کے چھوٹنے لگے، پیرہن سب تار تار ہوا، جینا دشوار ہوا، آخر غش کھا کر گر پڑی، دانت بیٹھ گئے۔

اس وقت خمار بڑی بہن اس کی سامنے شہنشاہ کے آئی، اور گویا ہوئی کہ ''اے شہنشاہ آپ کے جو مزاج میں آتا ہے وہ کرتے ہیں، ہماری کسی کی آبرو اور عزت کچھ نہیں سمجھتے۔''

افراسیاب نے کہا: ''پتلیاں سارا ماجرا بیان کرتی ہیں، اور تو مجھی کو الزام دیتی ہے۔''

خمار نے کہا: ''خدا جانے پتلیاں مال زادیاں کیا بکتی ہیں، آپ میری بچی کی جان لیجئے گا'' اور مخمور کے اوپر روتی ہوئی گری۔

شاہ طلسم نے تازیانے والوں کو منع کیا کہ اب زدوکوب نہ کرو۔ وہ حکم پاتے ہی

زمین میں سما گئے۔ افراسیاب نے کہا، ''اے خمار میں نے اس لئے اس کو سزا دی کہ اوروں کو عبرت ہو۔ ورنہ مجھے کیا؟ چاہے کوئی کسی پر عاشق ہو یا اس کا دشمن بنے، مگر میرے دشمنوں سے لطف و مدارنہ کرے۔''

خمار نے کہا: ''ہم کنیزوں کی مجال ہے جو خلاف حکم شہنشاہ کوئی امر کریں؟'' یہ کہہ کر مخمور کو گود میں اٹھا کر باہر باغ کے آئی، اور بزور سحر تخت تیار کر کے سوار ہو کر چلی۔ بعد لمحے کے اسی شہر اور عمارت اور باغ میں جہاں عمرو کنیز بنا ہوا موجود ہے، پہنچی۔

اسی وقت مخمور کو بھی ہوش آیا۔ خمار نے پوچھا کہ ''بہن، تمہیں سچ بتاؤ کیا کیا؟''

مخمور نے جواب دیا کہ ''افراسیاب بھڑوے کی شامت آئی ہے۔ جو ہمارا جی چاہا وہ ہم نے کیا! کیا میں کسی کی لونڈی باندی ہوں؟ وہ اپنا دیا ہوا ملک و مال دھر چھوڑے۔ میں اب شریک جان و دل سے عمرو کی ہوں۔''

خمار نے ایسے کلمات سن کر بہت سمجھایا کہ ''بہن، شہنشاہ سے بگاڑ کر ہم کہاں رہیں گے؟ مثل چلی آتی ہے کہ دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر۔''

مخمور نے کہا: ''بی اپنے کام سے لگو، یہ سمجھانا تہ کر رکھو۔ وہ مسخرا میرا کیا کرے گا؟ آج تک بہار کا اس نے کیا بنا لیا؟ کڑے سے سب دبتے ہیں۔ میں شہزادی ہوں، کوئی پاجی نہیں جو مار کھا کر چپکی ہو رہوں۔ اے تو میں اپنی ذات کی اشراف اور اپنے نام کی مخمور نہیں جو اس موئے کے اپنے شہزادے کے ہاتھ سے دھرے نہ اڑاؤں۔ ہاں جب تک میں یہاں ہوں اس وقت تک مجبور اور اس کے بس میں ہوں، چاہے اور زدوکوب کرے۔''

خمار نے کہا: ''تم جانو تمہارا کام جانے۔ تمہیں غصہ بے ڈھب سوار ہے۔'' یہ کہہ کر خمار رخصت ہو کر روانہ ہوئی۔

(۴)

(افراسیاب آ کر مخمور کے ایک دفعہ پھر کوڑے لگواتا ہے)

کنیزیں اور ہم رازیں، انیسیں وغیرہ مخمور کے پاس آئیں اور اس کا عالم دیکھ کر رونے لگیں۔ پلنگ پر مردے کی طرح لٹا دیا اور گرد اس ماہ سپہر عاشقی کے سب نے حلقہ کیا۔ کوئی پٹی سے سر ٹکرانے لگی، کوئی شور گریہ مچانے لگی۔ کسی نے چہرۂ بے نظیر کی چٹر چٹر

بلائیں لیں، کوئی بےقرار ہوئی۔ کسی نے گالیاں شاہ طلسم کو دیں کہ ''اس بھڑوے افراسیاب نے، ہے ہے! اس نازنین کی جوانی پر بھی رحم نہ کیا، اس جلاد سے کیونکر اس کا پٹنا دیکھا گیا۔'' کوئی ملکہ کا منہ پکڑ کر کہتی تھی کہ ''میں واری، کچھ منہ سے تو بولو۔ اے ملکہ اس تیری جنڈری کا صبر موئے افراسیاب کی جان پر پڑے، جس نے تجھے زخمی کیا، اور مرنے کے قریب پہنچایا، کھٹیا سے لگایا۔ افسوس نصیب نے تجھے کس قصائی کے پالے ڈالا!''

ایک نے کہا: ''اے لوگو! میں یہ حیران ہوں کہ اس جواناں مرگ افراسیاب کا ہماری ملکہ نے کیا ڈھالا بگاڑا تھا، یہی نہ کہ ایک شخص پر جی آ گیا، پھر اس میں، میری جان، اس کا کیا اجارہ؟ اور اس مقدمے میں وہ تو کیا، جن کی عرش پر جھولتی ہے، ہر وقت تلوار سے جن کی خون ٹپکتا ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتے تو بھلا یہ بھڑوا کیا کرے گا؟ وہ اپنی جرواکی تو خبر رکھے کہ ہر طرف ہنڈاتی پھرتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک مخمور نے دو ایک ہچکیاں لیں اور ہاتھ پاؤں پٹکنے لگی۔ جیسے کوئی دم توڑتا ہے۔ یہ کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت سارا محل تلے اوپر ہو گیا، اور ایک کہرام مچ گیا۔ سب چھوٹے بڑے پچھاڑیں کھانے لگے، اور گرد ملکہ کے پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ:

ہائے افسوس کیا یہ آہ ہوا — ہائے سب گھر کا گھر تباہ ہوا
کیا کیا ہائے درد کا چارا — بے اجل تو نے اے فلک مارا
کھائی تھی جس نے پھول کی نہ چھڑی — اس پہ یہ ضرب تازیانہ پڑی
کوڑے ایسے لگائے ہیں اس کے — پیٹھ پر پڑ گئے نشاں جس کے
ہائے کوڑوں کا درد مان گئی — ہائے افسوس اس کی جان گئی
کس سے اس ظلم کی کریں فریاد — سر بسر کر دیا ہمیں نا شاد

قصہ مختصر، کسی نے مرہم سحر ملکہ کے لگایا، اور کسی نے ٹانکے دیئے، کیوڑا اور فواکہات کا عرق حلق میں ٹپکایا کہ کچھ اس رنجور کو افاقہ ہوا۔

روتا ہے کیا؟

(۱)

مخمور پر ایک تو مار پڑی ہے، اور دوسرے یاد اپنے گل عذار کی ہی، دل سے لگی ہے۔ بیتاب اور بے قرار، مثل عندلیب زار بال شوق کھولے، نالہ وشیون کرتی چمنستان میں آئی اور چبوترہ بلوریں پر جو وسط باغ میں بنا تھا، فرش مکلف بچھا تھا، وہاں آ کر بیٹھی کہ خاطر مضطر تسلی یاب ہو لیکن سیر گلزار نے اور زیادہ ہوائے عشق بڑھائی، وہ گل بدن بے کلی سے گھبرائی۔ جب یاد قامت یار آئی، صورت سردار دکھائی۔ چشم نرگس کو دیدہ حیراں سمجھی، زلف سنبل کو گیسوے پریشاں سمجھی، نخل ماتم میں نظر آیا، گل کو اپنے لخت جگر سے مشابہ پایا۔ باد صبا کو صرصر حادثہ روزگار پایا، لالے نے داغ دل دکھایا، سبزہ رنگ آئینہ نہر تھا، جان بلبل پر صیاد کا قہر تھا، گھٹا غم واندوہ کی ہر طرف چھائی تھی، گلشن دہر کو تاریک جان کر وحشت تنہائی تھی، گھبرا کر کہتی تھی کہ:

"صرصر حادثہ اس باغ میں کیا چلتی ہے
شاخ میووں کے عوض آبلوں سے پھلتی ہے
آتش گل سے گلستاں کی ہوا جلتی ہے
برق آفت سر اشجار سے کیا ٹلتی ہے!
داغ سینے کے ہیں جو پھولوں کے پشارے ہیں
زخموں کی نہریں ہیں اور خون کے فوارے ہیں
گردِ خاطرِ گل چیں ہے ہر اک غنچۂ گل
باغبانوں کے لئے دام بلا ہے سنبل
رگ گل نیش ہے بہر رگ جان بلبل
راست بازوں سے اٹھی رسم محبت بالکل
رد آسیب خزاں میں عجب ایجاد کیا
سرو نے فاختہ کو صدقے میں آزاد کیا"

اے مخمور یہ گل خنداں نہیں ہیں، زخم خنداں ارغوان خون غلطاں ہے، سرو سرو چراغاں ہے، ہر شاخ خنجر عریاں ہے، موج بحر شمشیر براں ہے، جامۂ گل خون میں تر بتر ہے، طفل غنچہ بے شیر مادر ہے، نارنج تجنیس رنج سراسر ہے، شمشاد پر قمری رنجور ہے، یا دار پر منصور ہے، سوسن سیاہ پوش ہے، نرگس مخمور بادۂ الم سے بے ہوش ہے، قصہ مختصر وہ نسرین عذار، بادل خار خار و سینہ فگار یاد محبوب گل اندام میں اسی طرح بے قرار تھی آخر:

دل کے واشد سے بے توقع ہو　　ہر شجر کے تلے بہت سا رو
دیکھ گلشن کو نا امیدانہ　　رخ کیا اس نے جانب خانہ

یعنی وہاں سے اٹھ کر بارہ دری میں آ کر پلنگ پر گری، حرارت عشق کی تپ چڑھی، دین و دنیا کی خبر نہ رہی، سارا دن مثل مردے کے پڑی رہی۔ آخر اس کے دود آہ سے عالم میں تاریکی چھائی، اور شب ہجر کالی بلا سی چشم عاشقاں میں نظر آئی کہ:

شب فرقت اسی کو کہتے ہیں　　لوگ آفت اسی کو کہتے ہیں
جان لینا ہے کام اسی شب کا　　شام غربت ہے نام اسی شب کا
جان بچتی نہیں یہ ہے وہ شب　　شب بیمار ہے اسی کا لقب
ہے بلائے فراق یار یہی　　ہے شب اول مزار یہی
یہی ظالم بسر نہیں ہوتی　　اسی شب کی سحر نہیں ہوتی

چند کنیزوں نے سارے مکان میں روشنی کی اور رقاصوں کو بلوایا تا کہ ملکہ کا دل بہلے، رنج و غم بھولے، اور چند پرستاریں آ کر پاؤں ہاتھ دبانے لگیں، اور بمنت ملکہ کو جگانے لگیں کہ ''واری آج کیا صدمہ و ملال ہے، دشمنوں کا کیا حال ہے؟ ہم حضور کی بلا لے کر مر جائیں، ناشاد اور نامراد دنیا سے گزر جائیں۔ کچھ ہم سے تو ارشاد فرمایئے، دل پر جو گزرتی ہو بتایئے کہ اس کی تدبیر کریں۔ اگر کسی پر دل آیا ہو تو اس کو تسخیر کریں۔''

ان باتوں کی صدا جب کان میں اس جوہر کان خوبی کے پہنچی، چشم حیران وا کی۔ خواب وصل یار دیکھ رہی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی نہ وہ یار تھا، نہ وہ بوس و کنار تھا، بلکہ زمانہ شب تار تھا۔ گھبرا کر پکاری:

''سب عمر جاگ کر تیری حسرت میں کھوئی ہے
او موت کیا تو مرگئی، کس نیند سوئی ہے

مجھ سخت جاں کو موت نہ آئے گی حشر تک
آب حیات سے مری مٹی بھگوئی ہے
رو رو کے بھی کٹی نہ شب تار ہجر یار
بھاری ہوئی ہے جوں جوں لگی یہ بھگوئی ہے"

(۲)

مفارقت مطلوب سے سخت گھبرائی، جان لب پر آئی۔ ہزار طرح کا دل میں خیال آیا کہ شاہ طلسم جب عمرو کو چکی دینے کا حال سنے گا تو کیا کچھ ستم برپا ہوگا، تو گرفتار ہوگی، سارے طلسم میں رسوائی بڑھے گی، آفت میں جان پڑے گی۔ خیر، اے مخمور عشق کے کارن جو نہ ہو وہ تھوڑا ہے، پاؤں بھی خانۂ زنجیر میں جانے کے مشتاق ہیں، کان بیڑیوں کا غل سنا چاہتے ہیں، ہاتھوں کو شغل گریباں دری ہے، رسوائی تو اس کام میں دھری ہے، جتنی بے عزتی ہو عین عزت ہے، دیوانگی اور برہنہ پائی عاشق کے لئے مقام فخر اور سعادت ہے کہ:

غیر بدنامی ہمیں کیا چاہئے الفت میں نام
بے نشان ہو جایئے بس یہ نشاں درکار ہے
زیست بدتر مرگ سے ہے گر نہ ہووے وصل یار
ورنہ جی تن کو مرے نے تن کو جاں درکار ہے
ہووے شادابی گلشن کب بغیر از آب جو
سینۂ پُرداغ کو اشک رواں درکار ہے
سب طرح سے بہتر اپنے حق میں ہے دلبستگی
جوں دھان غم یہاں کس کو زباں درکار ہے

سوچ میں کبھی بارہ دری میں پلنگڑی پر مردے کی طرح پڑی رہتی، اور گاہے گلشن میں بے تابانہ جاتی، تڑپتی اور بلبلاتی، غم کو زبان پر لاتی، رو کر یہ سناتی:

"گر دل نہ یہ مبتلا کسی پر ہوتا
میں کاہے کو اس طرح سے مضطر ہوتا

کم بخت یہ دل تو میری چھاتی کا ہم جم
کاش اس کے عوض بغل میں پتھر ہوتا''

(جلد اول)

بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

(۱)

بیسران (ایک جادوگر جسے عمرو عیار کی گرفتاری کے لئے بھیجا گیا ہے) تلاش عمرو میں پیک نگاہ کو ہر طرف دوڑانے لگا۔ اتفاق روزگار سے کنیز ملکہ بہار جادو پر کہ نام اس کا محبوب پری چہرہ جادو ہے، یہ عاشق ہے اور جب بہار طلسم باطن میں رہتی تھی، شاہ کی مطیع تھی، اسی زمانے سے یہ عشق رکھتا ہے اور کنیز بھی اس پر فریفتہ ہے، مگر بوجہ خوف ملکہ بہار کے اس سے مل نہیں سکتی ہے، اور بیسران بھی بسبب اس شرم کے کہ کنیز کو ملکہ بہار سے مانگنا ننگ و عار ہے، کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ محبوب پری چہرہ جادو ستون بارگاہ کی آڑ میں کھڑی ہے۔ مگر مجھے دیکھ کر ہنستی ہے، بناؤ سنگار کئے ہے، مسّی لگائے لکھوٹا جمائے ہے، ہاتھوں میں پور پور چھلے ہیں، منہ پر زلفوں کے ساتھ پٹے چھوٹے، کنگھی چوٹی سے درست، بندی ماتھے پہ دیئے، چھاتیاں ابھارے دکھا رہی ہے، یہ عالم معلوم ہوتا ہے کہ:

رنگ بھبوکا، پیٹ ملائم اور کچوں میں سختی ہے
سینے سے لے کے ناف تلک اک صندل کی سی تختی ہے

اور اس وقت اپنے عاشق کو دیکھ کر اس نے اٹھلانا شروع کیا۔ کبھی چھپ جاتی ہے اور کبھی سامنے آکر، تیوری چڑھا کر، منہ بنا کر سر ہلاتی ہے۔ کبھی مٹک کر بیٹھ جاتی ہے اور کبھی چھلانگ مار کر ادھر سے ادھر پھرتی ہے۔ کبھی گریباں کھول دیتی ہے، اور سینے پر سے دوپٹہ ہٹاتی ہے، چھاتیاں دکھاتی اور گاہے آنچل الٹ کر سر پر ڈالتی ہے، اور منہ عاشق سے چھپاتی ہے۔ ان اداؤں کو دیکھ کر بیسران مر مر گیا، اور دل سے کہتا تھا:

رفتار میں یہ کسی کے انداز کہاں
باتوں میں کسی کے ایسی آواز کہاں
خوبی ہے تمہیں پہ ختم محبوبی کی
یہ عشوہ کہاں کسی میں، یہ ناز کہاں

ادھر تو یہ محو جمال کنیز تھا، اور کنیز بھی سمجھی کہ مدت کے بعد تیرا چاہنے والا آیا ہے، باہر بارگاہ کے چل کر دو دو باتیں کرے، یہاں ملکہ بہار کے روبرو دال نہ گلے گی۔ یہ سوچ کر، ٹالا بالا بتا، ادھر جا ادھر آ، شدہ شدہ در بارگاہ پر پہنچ کر، اس طرف اسے دیکھ کر پیچھے پھری کہ دیکھو مطلوب بھی آتا ہے یا نہیں۔ جب کسی کو آتے نہ دیکھا، کھنکاری اور آپ سے آپ ''اوئی'' کر کے بارگاہ سے نکل گئی۔ بیسران نے جو آواز اس کی سنی، سمجھا کہ تجھے در پردہ بلاتی ہے۔ یہ بھی نکل آیا، اور پاس کنیز کے پہنچ کر گویا ہوا کہ ''کیوں صاحب! مزاج اچھا ہے؟''

اس نے جواب دیا کہ ''دعا کرتی ہوں۔ تم اچھے رہے۔ کیوں کر آئے؟''

اس نے کہا ''آیا تو میں عمرو کے گرفتار کرنے کو ہوں، مگر تمہارے فراق میں بھی بے چین تھا، اور خواہش دیدار رکھتا تھا کہ:

واللہ ہم اے صنم نہ بھولیں گے تمہیں
جب تک یہ ہے دم میں دم نہ بھولیں گے تمہیں
یاد آپ کی ایک دم فراموش نہیں
تم بھولو تو بھولو ہم نہ بھولیں گے تمہیں

اے محبوب عاشق نواز، جب بہار شہنشاہ سے منحرف ہوئی تھی، اس وقت تم میرے پاس چلی آئی ہوتیں، اور تمہاری بی بی کو کیا ضرور تھا کہ عمرو کی شریک ہوئیں؟''

محبوب نے کہا: ''میرے سامنے کچھ ان کو کہنا نہیں کہ وہ میری مالک ہیں۔ اور میں کیا مستانی تھی جو تمہاری ہو رہتی، اپنی بی بی کو چھوڑ دیتی؟ مردوں کی بات کا اعتبار کیا؟ تجھے میری محبت ذرا بھی ہوتی تو آج تک میرے پاس نہ آتا! اب لگا باتیں بنانے۔''

بیسران بولا کہ ''جان من! جیسے تم پرائی تابعدار تھیں ویسے ہی میں بھی تھا۔ غیر لشکر میں کیوں کر آتا؟ مگر فرقت میں میرا یہ حال تھا کہ:

بے چین جو درد دل سے ہم ہوتے ہیں
سر اپنا پٹک پٹک کے جی کھوتے ہیں
لے شام تا سحر ترے بن گھر میں
سب سوتے ہیں اور ہم پڑے روتے ہیں

اے یار بے وفا، اب شکوہ و شکایت موقوف کر کے ذرا سامنے درۂ کوہ میں چل کر صحبت آرا ہو کہ دل مضطر میرا تسلی یاب ہو۔''

محبوب نے تیوری چڑھا کر کہا کہ ''مجھ کو اکیلے میں جانے سے کیا مطلب ہے؟ تو مسٹنڈا، مستی میں بھرا ہوا ہے، میری عزت میں خلل آ جائے گا۔ بس میں نے تجھ کو دیکھا، تو نے مجھے، زیادہ ہوس نہ کر۔''

بیسران بولا کہ ''اے غم گسار سیم اندام! میرا آنا یہاں پھر کاہے کو ہوگا؟ آج کا ملنا غنیمت جان کر میری مراد برلا۔ گھڑی بھر شراب و کباب کا تنہائی میں شغل ہو، بوس و کنار کی لذت ملے پیاری، آج تو اپنا یہ جی چاہتا ہے کہ:

بوسے سے جو منہ موڑو تو موڑو اپنا
ٹک پاؤں تو دابنے ہمیں دو اپنا
گر نام سے عاشق کے ننگ آتا ہے
نوکر چاکر غلام سمجھو اپنا''

محبوب بولی: ''چل باتیں نہ بنا۔ مجھے مردوئے، دم دھاگے، جھانسے نہ بتا۔ میں کم بخت سرکار کے کام کو باہر آئی تھی، یہاں جان غضب میں پڑ گئی۔''

یہ کہہ کر آگے بڑھی، بیسران ساتھ ہوا، پیچھے پھر کر مسکرا کر اس سے کہا: ''ارے میں بدنام ہو جاؤں گی۔ تو میرے ساتھ نہ آ۔''

غرضکہ اسی طرح باتیں بناتی ہوئی درۂ پہاڑ میں آئی عاشق اس کے ساتھ آیا۔ باہم اختلاط کرنے لگے۔......

(۲)

(برق عیار عورت بن کے ناقوس جادو کو مارنے آیا)

برق نے ...... بارگاہ میں تخلیہ کرا کے پہلے تو بہت ناز و انداز کیے کہ ''صاحب تم جو اکیلے میں مجھ کو لے کر بیٹھے ہو، آخر تمہارے دل میں کیا ہے؟ سامری کی قسم، میں جانتی ہوں جو تیرا ارادہ ہے۔ تو بندی ایسی اُدماتی نہیں کہ غیر مردوئے پر پھسل پڑے۔ سنو صاحب، میرا بھی دل، میں سچ کہوں، تم پر آیا تھا۔ لیکن میں نے اپنے دل کو روکا کہ اورے جی ایسے چیونٹیوں کے بھرے کباب سے دل لگانا گیا!''

ناقوس نے ان باتوں کے جواب میں بمنت کہا کہ ''اے جانِ من! تیرے سوا میں کبھی کسی پر نہ مروں گا، دمِ الفت کا نہ بھروں گا۔''

اس ماہ پیکر نے ہنس کر کہا کہ ''تیری جرو اتو پانچ ہاتھ کی موجود ہے! ارے، یہ سب تیری منہ دیکھے کی محبت ہے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ تو بے مروت ہے۔''

ناقوس نے کہا: ''جانی! جب میں تیرا محل کروں گا تو اپنی بی بی سے تعلق بالکل نہ رکھوں گا۔''

یہ سن کر اس مہر جبین نے ماتھا کوٹ لیا اور کہا! ''اوئی، سامری، ڈریئے تیرے دیدے سے! ...... مردوئے حواس میں آ۔''

ناقوس نے رکھائی دیکھ کر قدم پر سر رکھ دیا اور منت کرنے لگا۔

اس زہرہ جمال نے کہا: ''اچھا پہلے ایک سحر میں تیار کرلوں، پھر تیری مرادیں پوری کروں گی۔''

(غرض سحر تیار کرنے کے بہانے برق اسے سیسہ گرم کر کے پلا دیتا ہے)

(جلد دوم)

(۴)

(شاہ افراسیاب ملکہ بہار سے وصل کا طالب ہے۔ تنگ کر رہا ہے۔ برق عیار عورت کی شکل میں مدد کو پہنچتا ہے)

برق آئینہ سامنے رکھ کر ایک ایسی نازنین عورت کی شکل بنا کہ بہار سے ہزار درجے حسن میں بہتر تھا، رخ روشن اس کا روئے آفتاب محشر تھا۔ چہرے میں نمک حسن و ادا بھرا، گرمی میں خاطر مشتاقاں کے لئے سوز و ساز دینے والا، زلف شکن در شکن کے حلقے نافہائے آہوئے چین کا دل خون کرتے، آب و تاب سے ہر ایک عاشق کو دیوانہ بنا کر نیا جنون کرتے، زیر گیسوئے معنبر پیشانی انور، ابر تیرہ میں جیسے آفتاب سحر کا نور ظاہر۔ طبیعت خود بینیوں سے بھری، ستواں ناک مابین رخسار یا دیوار چمن حسن رنگین بنی۔ چشم سرمہ آگیں، جادو تمکیں، شاہ جادواں کو فریب دینے چلیں، اسی سے چکر مکر پھرتیں۔ رخ پر غازۂ صباحت حقیقت میں کان ملاحت۔ لب گل رنگ پر مرجان صدقے، شرم سے لعل بدخشانی ہیرا کھائے، دانتوں کے روبرو بے آبرو موتی ہو جائے۔ آواز اس کی شیریں، انداز نظر پُر تمکیں، باتیں سب بھولی بھولی، دہن تنگ دیکھ کر خضر کو راہ بھولی، سینۂ صاف پر چھاتیوں کی کچیں نمود سر، کمسنی اظہار۔ شکم رشک موج قلزم۔ نور کمر چشم تصور سے بہت دور، لطیفہ گوئی میں طاق، بذلہ سنجی میں شہرہ آفاق، زیور جواہریں سے جسم مزین، اٹھتا ہوا اس کا جوبن......

اس صورت سے درست ہو کر ایک اور کنیز ملکہ سے تخت سحر تیار کرا کر سوار ہوا اور کوٹھے پر وہ تخت آ کر اترا۔ صدائے پا سے نظر بادشاہ و ملکہ کی اس پر پڑی۔ ملکہ سمجھی کہ یہ کوئی شہزادی طلسم کی ہے، بادشاہ کو یہاں آیا ہوا سُن کر ملاقات کو آئی ہے۔ یہ سمجھ کر بغل گیر ہونے اٹھی۔ برق نے پہلے بادشاہ کو تسلیم کی، پھر بہار کے گلے ملا، اور گویا ہوا کہ ”بہن مدت سے تم کہاں گئی تھیں۔ اللہ! یہ بے مروتی کہ مدتوں صورت بھی نہیں دکھاتی۔“

بہار یہ کلمات سن کر حیران تھی کہ میں اس کو پہچانتی نہیں، اور یہ ایسی باتیں کرتی ہے جیسے بڑی اس سے دوستی ہے، لیکن شرط مروت صاف جواب دینے کی مقتضی نہ ہوئی۔ یہ تو نہ کہہ سکی کہ میں تمہیں جانتی نہیں ہوں، اس کی شکایت کے جواب میں کچھ عذر و حیلہ کر کے اپنے برابر بٹھایا۔ شاہ جادواں اس کی ادا کو دیکھ کر فریفتہ ہوا۔ عشق بہار بھولا، اس لئے کہ بہار حسن اصلی

رکھتی ہے اور یہ بناوٹ ہے۔ پھر ملکہ مذکورہ کو وہ چھل بل اور شوخی کہاں آتی ہے جو یہ عیار جانتے ہیں، شاہ بیتاب ہو کر مستفسر حال ہوا کہ ''اے ملکۂ حسینانِ جہاں تمہارا نام کیا ہے؟''

اس کافر ادا مست نے اس طرح مسکرا کر آنکھوں کے لال لال ڈورے دکھا کر نظر کو پھرا کر بہ شیریں زبانی جواب دیا کہ ''مجھ کو ارمان جادو کہتے ہیں۔ قریب ان کے مکان کے رہتی ہوں۔ ان سے یعنی بی بہار سے محبت ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی دیکھنے آتی ہوں۔''

شاہ نے فرمایا کہ ''پھر آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔''

اس نے کہا، ''چہ خوش! مجھے آپ کے پاس بیٹھنے سے واسطہ؟ میرے کنوار چھل میں جو بٹا لگ گیا تو کیا ہوگا؟ آپ ہزاروں محل کرتے ہیں۔ ایک رات کا اخلاص، تمام عمر کا جلاپا بندی کو نہیں گوارا۔''

شاہ نے کہ کلمہ سن کر ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ اس مہ پارہ نے ''ہاں ہاں'' کر کے قریب کھسک کر کہا، ''دیکھو، سامری قسم، میری چوڑیاں بھی ٹوٹ گئیں اور کلائی میں بھی موچ آ گئی!''

یہ کہہ کر ایسا منہ بنایا کہ بادشاہ بے قرار ہو گیا۔ چاہا کہ بوسہ لے لوں۔ لیکن اس نے ہاتھ سے منہ ہٹا دیا کہ ''لو صاحب یہ بے عزتی دیکھو! جمشید جانے، مجھے یہ دل لگی اچھی نہیں لگتی بھری محفل میں میری آبرو اتار لی!''

بادشاہ نے گلے سے لگا لیا۔ اس نے ڈھیلے ہاتھ سے ایک طمانچہ ہنس کر مارا کہ ''خوب تم تو مزے میں آئے! کسی کی آبرو پر پانی پھر جائے تمہاری بلا سے! اے صاحب، ذرا نچلے بیٹھو۔''

بادشاہ نے بموجب:

گلے مل کر کہا اس سے کہ ''جانی
ہمیں بھی امید مہربانی''

اس نے بھی گردن شاہ میں ہاتھ ڈال دیئے، اور جھجک کر الگ ہو گئی۔ کہا ''اوئی۔ اس زور سے مجھے کھینچا کہ شانوں پر ہاتھ نہ ٹیکتی تو منہ کے بل گر پڑتی۔''

بادشاہ ساحراں نے ہر چند وہ نہیں نہیں کیا کی، مگر کھینچ کو گود میں بٹھا لیا۔ پھر تو یہ حال ہوا کہ:

ہزاروں اس کی اس نے منتیں کی نئے انداز کی قسمیں بھی کچھ دیں

ہوائے شوق سے تھا وہ جو مضطر — نہ مانا لے لئے بوسے مکرر
ہوئی ہر چند وہ برہم مگر ہاں — نکالے اس نے اپنے دل کے ارماں
لگا شلوار پر جب ہاتھ دھرنے — تو وہ گل رو لگی اس دم بپھرنے
کہا ''اب شامتوں نے تجھ کو گھیرا — کوئی کسبی مگر مجھ کو ہے سمجھا
ذرا دم لے کہ دل ٹھیرے ہمارا — نہیں گستاخیاں تیری گوارا
بشر کرتے نہیں حیوان کا کام — ندامت سے نہیں خالی یہ انجام''

بادشاہ ان باتوں سے سمجھا کہ یہ بالکل راضی ہے۔ یہ سمجھ کر ملکہ بہار سے کہا کہ ''یہاں بالکل تخلیہ کرو۔''

ملکہ نے ہر ایک کو اشارہ کیا، اور آپ بھی اٹھی۔ اس حور وش نے گود سے بادشاہ کے اٹھ کر آنچل ملکہ کا پکڑ لیا کہ ''بہن کہاں جاتی ہو؟ میں ہی رخصت ہوتی ہوں۔''

ملکہ نے ہر چند حیلہ کر کے پیچھا چھڑایا، مگر اس نے آنچل نہ چھوڑا...... بادشاہ...... پھر اختلاط کرنے لگا۔ اس مہ پارہ نے موتیوں کا ہار پکڑ کر گردن شاہ سے کھینچا کہ یہ تو میں لونگی۔ بادشاہ نے ہار اتار، اس کو پہنایا، اور ہاتھ پستان پر لایا، اس نے ہاتھ جھٹک کر کہا، ''نہ صاحب، میں تو ایسے ہار سے درگزری جس میں یہ نوچا کھونچی ہوتی ہے۔''

...... بادشاہ...... اختلاط کرتے کرتے گود میں اس مہ جبین کو لے کر استادہ ہوا۔ برق بھی...... سمجھا کہ اب مجھے یہ جانب تخلیہ لے چلا۔ یہ سمجھ کر گود میں بادشاہ کی تڑپا، کہا ''دیکھو میرے کان میں عطر کی روئی رکھی تھی۔ کہیں گر نہ جائے۔''

چنانچہ اس حیلے سے کان میں سے روئی عطر بے ہوشی کی نکال کر بادشاہ کی ناک میں لگا دی۔ شاہ کو چھینک آئی اور چکر کھا کر زمین پر گرا۔

(جلد دوم)

دیاشہ نے ترتیب اک خانہ باغ

(۱)

ملکہ حیرت...... بھی اسی وقت سوار ہو کر معہ تمام ساحرنیوں کے روانہ ہوئی اور قبل پہنچنے شاہ جادواں کے پہنچی اول خود حمام کیا، اور پوشاک نفیس و پرزر پہن کر مسّی لگائی۔ لکھوٹا جمایا، کمال زینت سے آراستہ ہو کر حکم دیا کہ آتش بازی بنا کر سامنے باغ کے نصب کرو، اور باغ کے درخت بادلے سے منڈھے جائیں اور تھیلیاں زربفت کی خوشوں پر چڑھائی جائیں، خلاصہ یہ کہ جملہ طرح کی تیاری جس کا بیان آئندہ کیا جائے گا، اور اسی انتظام میں وہ دن تمام ہوا۔ اور شاہ طلسم فلک اول با جماعت کواکب گلشن سپہر میں واسطے جشن کے آیا ہے، اور ناہید فلک کو حکم رقاصی و خوش آہنگی دیا...... شام ہوتے ہی حیرت نے سحر پڑھ کر دستک دی۔ ایک ساحر زمین کے اندر سے پیدا ہوا، اور اس نے بھی افسوں پڑھا کہ باغ کی گھاس جو لگی تھی ہر نوک گیاہ پر پھول یاقوت رنگ کھل گئے، اور مثل گوہر شب چراغ کے تابندہ اور روشن ہوئے، اور حصار باغ کا آئینہ نظر آنے لگا کہ جو چیز بیرون باغ تھی سب دکھائی دیتی تھی۔ چار سمت درختوں میں قندیلیں اور فانوسیں جواہر کی آویزاں ہو کر ضیا بخش بخش گلزار بہار ہو گئیں۔ باغ کی عمارت کے اندر شیشہ آلات روشن ہوئے۔ روشنی ہو رہی تھی کہ سواری افراسیاب کی آ کر پہنچی۔ حیرت نے تعظیم کے مراسم ادا کیے۔ لیکن شہنشاہ باغ کے باہر اترا، اور ایک ناریل سحر کا سمت باغ پھینکا کہ در باغ یا تو ظاہر نہ تھا، مگر اب دکھائی دیا۔ اور پردہ زنبوری لٹکتا نظر آیا۔ چار پتلیاں مثل پریوں کے زمین سے نکلیں اور پردہ در کو اٹھا کر کھڑی ہوئیں۔ شاہ جادواں نے کچھ پڑھا کہ ہزار پھول ستاروں کی طرح فلک کی طرف سے گرنے لگے، اور آپ داخل باغ ہوا۔ حیرت کا ہاتھ پکڑ لیا، اور سیر کرتا ہوا چلا۔ جس قدر ساحر کہ ہمراہ آئے تھے ان میں سے معززین تو ساتھ رہے، اور باقی باغ کے باہر ٹھیرے۔ یہ گلشن طلسمی کہ جس کا مذکور پہلے بھی ہو چکا ہے کئی کوس کے گرد بنا ہے، آج بوجہ جشن ہونے کے کمال مزین و آراستہ کیا گیا ہے، ہر روش پر جواہر چھڑکا ہوا ہے اور زمانے کے پھول جواہر کے لگے ہیں، کاسہ ہائے چینی و

بلوریں دھرے ہیں، بعض ان میں نرگس دان، الماس تراش ہے، تاک انگور پر ایسا جوش ہے کہ مے کشوں کو اس کی تلاش ہے۔ خوشوں پر تمامی کی تھیلیاں چڑھی ہیں۔ کلابتوؤں کی ڈوریاں کسی ہیں۔ درختان اصلی کے مقابل شجر جواہر کے لگے ہیں، پالو ہرن چمنستان میں کودتے ہیں، سینگ ان کے چاندی سونے سے منڈھے ہیں۔ جھولیں زردوزی کی اور تمامی کی پڑی ہیں اور درخت تمام بادلے سے منڈھے ہیں اور درخت کے نیچے چبوترے بلور کے بنے ہیں اور نہریں اور حوض آب صاف وشفاف سے لبریز ہیں۔ ان میں مچھلیاں رنگ برنگ کی تیرتی ہیں۔ تماشہ خیز ہیں۔ مہندی کی ٹٹیوں پر عشق پیچاں لپٹا ہے۔ مقیش کترا ہوا روشوں پر پڑا ہے، گیند مقیشی اور سلمے درختوں میں لٹکے ہیں۔ سرو کے درخت قامت رعنائے معشوق کو شرماتے ہیں، ہر سرو کی چوٹی پر طاؤس ناچتے ہیں۔ اٹھارہ سو باغبانیاں کمسن، جواہر میں غرق، زربفت کے لہنگے پہنے، گاتیاں باندھے، بیلچے سنہرے روپہلے لئے روش پٹری بنارہی ہیں، گہنا گوندھتی ہیں، ڈالیاں لگاتی ہیں۔ جابجا رقاصان زہرہ جبیں ناچتی ہیں اور بنگلے چار طرف کو تعمیر ہیں۔ صدہا گل رخ، یاسمین پیکر کنیزیں حاضر ہیں۔ مردنگ، جھاڑ فرشی، کنول رکھے ہیں، دیواروں میں دیوارگیریاں اور آئینے نصب ہیں، پردے مخملی اور باناتی کار چوبی کام کے بندے ہیں۔ چلمنیں عمدہ چاندی اور سونے کی تھلیوں پر پڑی ہیں، تخت جواہر نگار بچھے ہیں، محمودی کی چاندنیاں کھنچی ہیں، ہزارہا سقنیاں جوان، گلاب، کیوڑہ، بیدمشک، مشکوں میں بھرے چھڑکاؤ کرتی ہیں۔ بیچ باغ میں چبوترہ جواہر کا بنا ہے، نمگیرہ روپہلی تمامی کی جھالر کا استادہ ہے، آٹھ سو استادے الماس نگار پر ٹھیرا ہوا ہے ہر ایک استادے پر طاؤس جواہر کا ناچتا ہے، سونے چاندی کی میخیں، طنابیں، ریسمان وغیرہ کلابتوؤں کی ہیں، مثل کرن آفتاب کے جھالر شعاع بیز ہے۔ نیچے اس کے تخت شاہی لگا ہے، مگر جواہر آمیز ہے۔ نو سو کرسی الماس کی گرد تخت کے گستردہ ہیں۔ مسندیں روپہلی پر تکلف لگی ہیں جن پر خوبان طلسم پافشردہ ہیں۔ سفید سفید گلابیاں الماس تراش شراب انگوری سے مملو، سرخ وسبز کشتیوں میں چنی ہیں۔ منقلوں میں عود وعنبر کا بخور رہور ہا ہے، شمع ہائے مومی کافوری جلتی ہیں۔

شہنشاہ طلسم ملکہ کا ہاتھ پکڑے تخت پر آکر بیٹھا، اور حکم دیا کہ کوئی سامان عشرت وکار عیش اُٹھ نہ رہے، جملہ تماشے میرے روبرو کئے جائیں۔ پھر تو ہنڈولوں اور جھولوں پر اتنی

ہزار پریزاد جا بیٹھیں، اور بینگ بڑھنے لگا، اور ملار لہک کے گانے لگیں، جھولے کے پیڑوں میں جو گھنگرو نصب تھے ان سے آواز چھم چھم کی بلند ہوئی، اور شاہ کے روبرو بھی رقاصان قمر پیکر بصد تزئین و آرائش ناچنے لگیں۔ باغ میں مقیش اڑنے لگا، پریاں ایک دوسرے پر قمقمے تاک تاک کر لگانے لگیں، پچکاریاں رنگ کی چلنے لگیں، دف، دائرہ، انگوجا، قانون بین، چنگ، جلترنگ سب طرح کے ساز اور باجے تمام باغ میں بجنے لگے۔...... شراب کا دور شروع ہوا۔ عبیر گلال اڑنے لگا۔ سرو چراغاں کی بہار اور چاندنی دیکھنے کی کیفیت نہایت لطف سے آغاز ہوئی۔ باہر باغ کے منزلوں تک ساحر عیش میں مصروف ہو گئے اور داد عیش و نشاط دینے لگے، اور حکم ہوا آتش بازی چھوٹے، مجوب ارشاد چرخیوں میں آگ لگائی، عقل پیر چرخ کی چرخ میں آئی، اناروں کے پھول گلنار و سنہری گلزار طلائی کا رنگ دکھلانے لگے۔ سبحان اللہ کیا جلسۂ انبساط تھا......

جلسے اور جم گھٹے جم گئے، بادہ خوار ڈٹ گئے، خنیاگران ناہید سرا نے تانیں مارنا شروع کیں، اور مبارک باد گانے لگیں......

شہنشاہ ساحراں...... حیرت سے بیٹھا اختلاط کر رہا تھا، چھیڑ رہا تھا اور بوسے لیتا تھا۔ حیرت بگڑ رہی تھی کہ ''شہنشاہ، آپ سب کے سامنے نہ ستایا کیجئے، صاحب، میرے کپڑے سب کے روبرو کھلے جاتے ہیں، نگوڑی میں پسینے پسینے ہوئی جاتی ہوں، اور تمہیں اپنے کام سے کام۔ آنی بانی سے نہیں چوکتے۔''

(جلد اول)

(۲)

سب درستی جلد جلد ہونے لگی۔ آئینے قد آدم نصب ہوئے، چھتیں مکلّف لگائی گئیں، دیوارگیریاں صاف و شفاف درست ہوئیں۔ شیشے، آلات، ہانڈیاں، جھاڑ، کنول وغیرہ مزین و مزیب طور سے ترتیب کیے۔ مردنگیوں کی دوہری باڑھ سامنے مسند کے لگائی، چنگیر، چوگھڑے، گلدستے چنے گئے۔ مکان کے کونوں پر گھڑیاں جڑ دیں۔ تصاویر آئینے کے اندر شاہان دہر کی درست کیں، باغ کے درخت شبنم و بادلے اور زربفت سے منڈھوائے، نہروں میں گلاب و کیوڑہ اور بید مشک بھروایا، ہزارے کا فوارہ ہر جگہ چڑھوایا۔ اوٹ

پھولوں کے مناسب جگہ پر کھڑے کیئے۔ نازنیناں مہرو جمال و ماہ تمثال بہر خدمت گذاری مقرر کیں کہ وہ باغ میں ہر طرف کو کاروبار کرتی پھرتی تھیں۔ کوئی سامان اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اس جگہ موجود نہ ہو۔

(جلد اول)

(۳)

یہ صحرا نزہت آگیں، نمونہ بہشت بریں ہے...... کنویں جا بجا پختہ بنے جن کی چاہ میں یہ باؤلی و دانی ہوشیار ڈانواں ڈول پھرے، پٹریاں جگت کی ایسی تحفہ کہ انگور کی تاک جو انہیں جھانک لے تو شرمائے۔ ہر طرف نہریں اور چشمے جاری، لب گردانوں پر ان کے گل کاری۔ درخت گل دار، بیلا، موتیا، نسترن، جوہی، شبو، چنبیلی، نرگس، یاسمین۔ کسی جگہ لالے کے پیالے یاقوت رنگ، کسی طرف گل فرنگ، کہیں نیبو نارنگی، ترشادے کی میٹھی میٹھی اور بھینی بھینی خوشبو۔ کہیں سنبل بازلف پریشاں، کہیں سوسن سوزبان سے باغبان قدرت کا مدح خواں، ہر تختے میں باد بہاری مستانہ وار لڑکھڑاتی پھولوں کے پھولنے سے اتراتی ...... جھیلیں لہراتیں، رفتار معشوق کی ادا دکھاتیں۔ گھاس کوسوں تک ہری ہری اگی ہوئی، تازگی اور سرسبزی بھری ہوئی۔ ہرن، پاڑھے، چیتل پھرتے، دریائی جانور کلیلیں کرتے و مادان کوکلا، ہریل، پاءکوئل و ہیر شاما درختوں پر جھولا جھولتے، نہال نہال ہو کر جھومتے۔ نہروں کے کنارے قاز، بط، مرغابی، قرقرے پانی میں منقاریں ڈال کر پروں کو بگھوتے اور صاف کرتے، پھریریاں لیتے، پروں کو اپنے چھرچھراتے۔

(جلد اول)

تواپرات

ظلمات (ایک جادوگر) نے حکم دیا کہ خاصہ حاضر کرو تا کہ اکل و شرب سے فارغ ہو کر سحر خوانی میں مصروف ہوں۔ حسب ارشاد بکاؤلوں نے طعام لذیذ انواع و اقسام کا موجود کیا، اور دسترخوان اطلس رومی کا بچھایا۔ اس پر گردہائے نان کہ مثل قرص قمر کے افق

منور تنور سے طالع ہوئی تھیں رکھیں، اور قفلیاں شیر برنج کی جو ماھتاب کی قفلی کو اپنے روبرو سرد بناتی تھیں چن دیں، نان آفتابی گرما گرم پنجۂ آفتاب سے گرتی تھیں اور نان ہوائی خاطر کوفتگان ہواؤ ہوس بڑھتیں......

بعد ترتیب سفرہ گستری ظلمات مع رفقا کے کھانا کھانے لگا۔ اس وقت عمرو نے خوان کھانے کے اندر قصر کے جاتے دیکھ کر تجویز کیا کہ اس وقت ظلمات کھانا کھائے گا۔ یہ معلوم کر کے اپنی صورت مثل ایک رکابدار کے گوشے میں ٹھیر کر بنائی، یعنی سر اپنا مونڈ کر ٹوپی چوگوشیہ پہنی، اور لنگی زانو تک کی باندھی۔ پاؤں میں بڑی نوک کا جوتا پہن کر دوہر کمر سے لپیٹی، اور تھال ہاتھ پر رکھا، مرزائی کمر تک کی زیب قامت فرمائی۔ تھال میں سموسے اور مٹھائی کے جانور بنے ہوئے لگائے۔ ایک ایک سموسے کی سو سو پرتیں اس طرح بنائیں کہ ایک پرت اٹھاؤ سو پرت الگ الگ ہو جائیں اور پھر مل رہیں۔ تکلف یہ کہ ایک پرت سلونی دوسری چاشنی دار، تیسری میٹھی، چوتھی بالکل ترش، اسی طرح سو پرت کا الگ الگ مزا اور ذائقہ ولذت ہے۔ اور کھجلے اس ترکیب سے ایک سو پرت کے بنائے کہ ہر پرت میں شیرہ انگور کا بھرا تھا نہایت عمدہ کہ ذائقہ ان سے ٹپکتا تھا، لوازمات اور شاخیں پنجہ نگاریں لعبتان چین و چگل کو شرماتی تھیں، اچار و مربہ وہ لذیذ کہ پھانکیں اس کی چشم عشوہ گران نمکین کو اپنے اوپر لبھاتی تھیں۔ در بہشت آب وتاب میں حقیقتاً دریائے بہشت کے جواہرات...... ٹھپے کا کھجلے اور سموسوں وغیرہ پر نقش تھا کہ:

رقم اس کی اگر کروں میں صفات — بنے ہر ایک سطر شاخ نبات
ایسا خوش رنگ تھال ہاتھ میں تھا — طشت مہر فلک سے اچھا تھا
لوزیں برفی کی خوش نام ایسی — بے خریدے نہ چین آئے کبھی
در بہشت اس طرح کی عمدہ تھی — آنکھ پڑتی تھی جس پہ حوروں کی
ایسا پیڑا کہ ٹوٹے ہونٹوں سے — دانت میں بھی ذرا نہ وہ چپکے
نکلتیاں تھیں ورق کی یا تارے — زہرہ و مشتری شکر پارے

غرضکہ اس طرح کے پکوان اور مٹھائی آراستہ کر کے سب کو زہر آلود کیا...... یہ تدبیر کر کے تھال ہاتھ پر رکھے اندر قصر کے آیا، اور ظلمات کو سلام کر کے تھال سامنے رکھ دیا۔ اس نے دیکھا کہ جانور سبز و سرخ تھال میں رکھے ہیں، اور خوشے انگور کے ایسے ہیں کہ ابھی گویا ڈالی سے ٹوٹے ہیں، کھجلے کی پرتیں الماس کی ظاہر ہوتی ہیں، ایسی آب وتاب رکھتی

ہیں۔ یہ دیکھ کر سب ساحر تعریف کرنے لگے، اور ظلمات نے پوچھا کہ ''اے رکاب دار، تو کیا ملکہ حیرت کا ملازم ہے؟''

رکاب دار نے عرض کیا کہ ''میں دھین دھوکڑ اللہ میاں کا نوکر ہوں اور کسی کا نوکر چاکر نہیں۔ اور مجھے نوکر کون رکھ سکتا ہے؟ میرا سودا غریب کھاتے ہیں، اور غریبوں ہی سے ایک دو روپے مجھ کو مل جاتے ہیں۔ امیر کا تو نام ہی نام سن لو۔ بموجب مثل اونچی دکان پھیکا پکوان، اور بمقتضائے:

نا فہم امیروں سے پڑا ہے پالا
ہر دم کی خوشامد نے غضب میں ڈالا
وہ آپ تو کھا لیں تمہیں کیا دیں گے سحر
رزاق کوئی اور ہے دینے والا

آج آپ ایسے قدر دان کی بخشش کا شہرہ سن کر اپنی جورو کا گہنا گروی گانٹھ کر کے مٹھائی وغیرہ بنالایا۔ اب قدر شناسی حضور کے اختیار میں ہے۔''

ظلمات اس تقریر کو سن کر ہنسا، اور کہا ''تو بڑا صاف گو ہے، کیوں نہ ہو، اپنے فن میں تو کامل ہے اور کاملین نازک مزاج، عالی دماغ ہوا کرتے ہیں'' یہ کہہ کر کئی اشرفیاں انعام میں دیں۔

اس نے باقی شیرینی دستر خوان پر جو لوگ بیٹھے تھے ان کو بھی دی، اور آپ بھی کھائی ہر طرف سے شور تحسین و آفرین، نسبت رکابدار کے بلند ہوا، اور رکابدار جھک جھک کر سب کو سلام کرنے لگا اس میں ایک شخص نے کہا ''میاں رکابدار تمہارا نام کیا ہے؟''

رکابدار نے کہا ''فدوی کو استاد چرب دست کہتے ہیں، اور پکارنے کا نام خورد برد ہے۔''

لوگوں نے کہا ''دونوں نام اسم بامسمہ ہیں۔ کیا کہنا!''

ایک نے کہا ''دیکھئے، یہ مٹھائی کے طائر کیا عمدہ بنائے ہیں۔''

دوسرا بولا کہ ''کیوں میاں چرب دست، ایسا جانور بھی بنا سکتے ہو جو اڑ سکے۔''

رکابدار نے کہا، ''جناب آپ کو وہ مرغا بنا کر دکھلاؤں جو گھر تک اڑتا ساتھ جائے۔''

اس کلام پر سب نے قہقہہ لگایا کہ میاں چرب دست بڑے ظریف معلوم ہوتے ہیں۔ ظلمات نے کہا، ''جواہر میں تولنے کا آدمی ہے، لیکن ایسا شخص اور مفلوک

رہے۔ افسوس! سچ ہے۔

اگر بہ ہر سرمویت ہنر دو صد باشد
ہنر بکار نیاید چو بخت بد باشد"

غرضکہ ایسی ہی باتیں بنا بنا کر وہ سب پکوان اور مٹھائی کھا گئے۔ بعد فراغ دستر خوان اٹھا، ہاتھ منہ دھو کر سب نے گلوریاں کھائیں۔ پیچوان پینے لگے۔

(جلد اول)

بندی ایسی ہوئی ہے اُدماتی

(۱)

شہزادے (قاسم) نے دنیا کو فانی سمجھ کر تہیہ کیا کہ آج سامان عشرت ہر طرح کا مہیا کر کے خوب عیش ونشاط میں بسر کیجئے کہ:

بر لب جوئے نشین و گزر عمر بہ بیں
ایں اشارت زجہاں گزراں مارا بس

اس کیفیت کو دل سے تجویز فرما کر سیارہ بن عمر و اپنے عیار کو بلا کر ارشاد کیا کہ "لشکر اسلام جہاں تک اترا ہوا ہے اس کی حد سے پانچ کوس بڑھ کر لب دریا خیمہ زربفتی ہمارے لئے نصب کیا جائے، اور صحرا کے درختوں کو بادلے سے منڈھوا دو، کوسوں تک روشنی کرا دو، ارباب نشاط حاضر ہو کر مجرا کریں۔ آج جنگل میں ہم سیر شب ماہ دیکھیں گے۔ خاطر حزیں کو شاد و خرم کریں گے۔"

اس حکم کو سنتے ہی سیارہ نے انتظام کیا، ہزار ہا آدمی دوڑ پڑا۔ لشکر کی حد سے دور ہٹ کر دامن کوہ میں جنگل کو خار و خاشاک سے صاف کر دیا، اور ایک کوہ پر شکوہ کا دامن جو نہایت وسیع اور فرح افزا تھا تجویز کر کے خیمہ استادہ کیا...... ایسے مقام دلکش میں آرام گاہ شہزادۂ عشرت پناہ آراستہ کی، اسباب شاہانہ سیارہ نے مہیا کیا...... نہروں میں کنول بلور کے روشن کر کے چھوڑ دیئے، اور درختوں کو بادلے سے منڈھا، جھاڑ فرشی قد آدم استادہ کئے، فرش شاہانہ لب نہر بچھایا۔ کنارے ہر جوئبار کے سرو چراغاں کیا۔ مے خانہ ایک جانب سجایا، اور ایک سمت پلنگ جواہر کار شہزادے کا لگایا۔ مہ وشان گل اندام آ کر جمع

ہوئے، اور دشت میں گاتیاں دوپٹے کی باندھ کر چھلی چھلیا کھیلتے تھے۔ مور پنکھیاں اور بجرے چشموں میں پڑ گئے۔ جل ترنگ ان پر بجنے لگا۔ اور مانجھوں نے کہ جو لہنگے جواہر کار پہنے تھیں، اور کڑے مگر دھان ہاتھوں میں رکھتی تھیں بجروں کو کھینا شروع کیا، اور ہر سمت ناچ کنارے کنارے ہونے لگا، مقیش کترا ہوا اڑایا جاتا تھا، ستارے فلک سے ٹوٹ کر گویا زمیں پر گرتے تھے، قمقمے اور رنگ کی پچکاریاں چلتی تھیں......

جب یہ جلسۂ عشرت پیرا جمع ہو چکا تو شہزادے کو اطلاع دی۔ قاسم لباس رنگین پہن کر اور آرائش اپنی زر و گوہر سے فرما کر زینت بخش انجمن ہوا، مسند جواہرین پر لب نہر آ کر بیٹھا۔ سامنے رقاصان زہرہ صفت ناچنے لگے، اور اشعار عاشقانہ گانے لگے۔ ہوا کے بندھ جانے سے کیا سماں بندھا۔ وہ سناٹے کا عالم اور صحرا کی فضا فرش زمردیں، سبزۂ زنگاری پر چاندنی کا چھٹکنا اور کھیت کرنا عجب لطف دکھاتا تھا۔ زمین فرط صفا سے اور عکس ستارگاں سے فلک اطلس بن گئی تھی۔ پھولوں کی خوشبو سے زمانہ مہکتا تھا۔ ایسے وقت میں مہ رخوں نے اونچے سروں میں لہک کر جو پھاگ گایا تو ناہید فلک کو دیوانہ بنایا......

ساقی رنگین لباس نے پیانۂ شراب ہوش ربا، برباد کن اساس توبہ دینا شروع کیا۔ دماغ بادۂ ناب سے شہزادے کا گرم ہوا۔ خیال آیا کہ اس وقت کوئی معشوق مہر دیدار اگر پہلو میں ہوتا تو بہتر تھا کہ:

چمن ہے، ابر ہے، ٹھنڈی ہوا چلتی ہے، دریا ہے
فقط اک تیری جا اے ساقی گلفام باقی ہے

اس تصور کے آتے ہی عجب اتفاق ہوا۔ یعنی یہاں سے کچھ دور پر قریب سرحد طلسم ہوش ربا ایک پہاڑ ہے کہ نام اس کا نرگس کوہ ہے۔ اور حوائی کوہ میں ایک شہر آباد ہے، اور قلعہ مستحکم بنا ہے، حاکم شہر کا زنار بلا افگن جادو نام مصاحب خاص افراسیاب شاہ جادواں ہے اور ہمیشہ دربار افراسیاب میں اندر طلسم ہوش ربا کے رہتا ہے...... اس لئے زوجہ اس کی ملکہ حنظل جادو سریر جہاں بانی پر بیٹھی ہے، اور انتظام سلطنت کرتی ہے اور ایک دختر اس کی ہے کہ حسینان جہاں کو حسن اس کا غیرت دلاتا ہے۔ اور یوسف مصری کو غلام بناتا ہے۔ یاد میں اس کی لعبتان روزگار، زلیخا کردار، سودے کا خلل سر بازار خریدتے ہیں۔ اور مجنوں و لیلیٰ وار اِدھر اُدھر صحرا بصحرا پھرتے ہیں۔ نام اس رشک گلزار کا ملکہ نرگسی چشم ہے۔ مثل ماہ

سپہر کے سریع السیر رہتی ہے یعنی کوہ دشت و بحر کی سیر کرتی ہے آج کی شب مع کنیزان خورشید اور وزیر زادی سوگند جادو سے تخت سحر تیار کرا کر سیر کناں اپنے باغ سے روانہ ہوئی اتفاق سے اس طرف پہنچی کہ جہاں قاسم نے جلسہ کیا ہے، سامان عشرت مہیا ہے۔ صدائے ارغنون اور صوت قانون اور حسن بتاں اور مشعل چراغاں کی کیفیت دیکھ کر چاہا کہ اس جلسے میں جا کر بہ تفصیل جملہ سامان مشاہدہ کروں۔

لیکن سوگند نے منع کیا کہ ''اے ملکہ، غیر صحبت میں جانا اچھا نہیں لازم ہے کہ سامنے اس جشن کے آپ بھی اتر کر ٹھیریے اور میں بزور سحر فرش شاہانہ اور اسباب ملوکانہ حاضر کروں۔ ناچ دیکھیے، انجمن آرائے انبساط ہوجیے۔ جو کوئی اس محفل خلد مشاکل کا بانی ہوگا وہ یقین ہے کہ آپ کا حال دریافت کرے، اور حضور کے جلسے کی طرف آئے، پھر اس وقت پیام وسلام ہو کر سارا حال منکشف ہو جائے گا، اور جہاں آپ جاتی ہیں وہ خود آئے گا۔''

ملکہ نے یہ کلام سن کر وزیر زادی کی رائے کو پسند کیا، اور سوگند نے تخت زمین پر اتار کر ایک مقام پاکیزہ و مصفا پسند کر کے ایسا سحر پڑھا کہ وہ مقام پر خار رشک لالہ زار بنا، اور گلستان عشرت پیرا تیار ہوا...... جب اس سامان عشرت انتما اور جائے فرحت افزا کی درستی اور انتظام ہو چکا، لب نہر وہ سرو خراماں مسند پُر زر پر جلوہ کناں ہوئی، اور کنیزیں ساز لے کر بجانے لگیں، غزلہائے عاشقانہ گانے لگیں کہ:

وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی میرے غمگساروں میں
رہا ایک دل سو وہ بھی ہے تمہارے جان نثاروں میں
ترا ابھرا ہوا جوبن یہ ان کو گدگداتا ہے
کہ لوٹے جاتے ہیں مارے ہنسی کے پھول ہاروں میں
نظر ہے آئینے پر مانگتے ہیں عکس سے بوسے
وہ خود اپنے در دولت پہ ہیں امیدواروں میں
رہے ہم زخمیوں کی قبر میں یا رب کوئی روزن
مزے مر کر بھی اٹھیں چاندنی آئے مزاروں میں
اسیران سے نہ بچتی دختِ رز آنکھوں میں پی جاتے
جوانی کا گزر شاید نہیں پرہیز گاروں میں

قاسم کے سمع ہمایوں میں گانے کی صدا آئی۔مسند سے اٹھ کر میدان میں آئے۔ ازبسکہ چاندنی پھیلی ہوئی تھی، دور ایک جلسہ مہ جبینوں کا نظر آیا۔عقل حیران ہوئی کہ الٰہی یہ پریاں ہیں یا حوراں جناں ہیں، یہ کیسا عشرت کا سامان ہے۔آخر دل نے کہا اس جلسے کو قریب سے دیکھئے۔ یہ سوچ کر اسی سمت کا راستہ لیا۔جب نزدیک اس انجمن رشک دہ انجم کے پہنچا یہ عالم نظر آیا کہ:

سامنے ایک نگار کو پایا بوستان میں بہار کو پایا
بلور کا اک چبوترہ خوب اک حوض بھی اس کے آگے محبوب
اس پہ تخت اور تخت پہ حور یعنی اک نازنین مغرور
گرد حلقہ کئے کنیزیں سب چاند کے گرد جس طرح کوکب
باغ کی سیر کوئی کرتی ہے کوئی انگیا میں پھول دھرتی ہے
کوئی گل رو ہے محو گل بازی کوئی دکھلا رہی ہے طنازی
گل بدن اک کھڑی ہے زیر شجر ہے لب نہر اک پری پیکر
کوئی جھولے پہ بیٹھی گاتی ہے کوئی طناز سر لگاتی ہے
کہیں کوئی بجا رہی ہے ستار خوش گلو کوئی گا رہی ہے ملار
ذائقہ دل میں سب کی سب ہم سن جھانکنے تاکنے کے ان کے دن
بے جھجکت بات وہ نہ کرتی تھیں اپنی چالاکیوں پہ مرتی تھیں
ان کا مارا نہ مانگتا پانی سچ تو یوں ہے جوانی دیوانی
بیچ میں ان کے ہے وہ ماہ لقا حور پریاں ہوں جس پہ دل سے فدا
نازنین، نوجوان، حسین، کم سن مار رکھنے کے عاشقوں کے دن
فتنۂ دہر قامت رعنا چال دم بھر میں حشر کردے بپا

الالحق اس صنم زیبا صورت کی شکل کو دیکھ کر کیوں کر کسی دل کو قرار رہے کہ جس کے عکس رخسار نے روشنی طلیعہ سحر کردی ہو، اور جس کے رنگ زلف تاب دار نے غالیہ فروش شام کی ظلام سے مدد کی ہو۔ سپہر مینائی نے نظیر اس کا سوائے آئینہ مہر کے اور کہیں نہ دیکھا تھا اور نقش بند خیال نے تمثال بینظیر کو اس کے سوائے عالم خواب کے اور کہیں نہ پایا تھا......

قاسم بیک نگاہ اس رشک ماہ پر شیفتہ ہوا، اور بآواز بلند پکار کر اس رباعی کو پڑھا کہ:

ہم کیونکر نہ آہ و نالے کرتے ہی رہیں
دکھ پر دکھ کس طرح نہ بھرتے ہی رہیں
اتنے ہی لئے جہاں میں جرأت ہم تو
جیتے ہیں کہ تا کسی پہ مرتے ہی رہیں

اس صدا کو چند کنیزان ملکہ نے سنا، اور آئینہ رخسار شہزادہ عالی تبار کو دیکھ کر اپنے تئیں حیران کار بنایا، لیکن براہ ناز انداز ان شوخ چشموں نے دوپٹے سے منہ چھپایا اور ''اوئی اوئی'' کر کے سامنے سے بھاگیں، اور اپنی ہجولیوں سے اٹھلا اٹھلا کر ہاتھ ماتھے پر رکھ کر، انگلی دانتوں میں داب کر گویا ہوئیں کہ:

ملک قاسم کی اس جاپا کے آہٹ
لگیں دکھلانے سب واں چلبلاہٹ
خجالت کے پسینے میں کوئی غرق
جھجک کر بن گئی آنکھوں سے جوں برق
کوئی بولی، ''بھلا لازم یہ کب ہے؟
یہ کیسا دن دہاڑے لو غضب ہے!
نہ جس سے واسطہ نہ جان پہچان
وہ آیا بن بلائے گھر میں مہمان
ڈھٹائی دیکھ کر اس نوجواں کی
میں اپنے دل میں یہ حیراں ہوں باجی
یہ ہے کون، اپنے دل میں کیا ہے سمجھا؟
جو اس جنگل میں تنہا اس طرف آ
کھڑا ہے گھورتا ایسا نڈر ہو
ذرا اس کے کلیجے کو تو دیکھو!''
کوئی بولی، ''ہوئی ہے عقل کچھ گم
زنانے میں نہ گھس آنا کہیں تم!

اجی نخرے کی خوبی، واہ جی واہ!
قیامت گرم ہو، اللہ اللہ؟''

اس گفتگو کو سوگند وزیر زادی نے سن کر کنیزوں کو گھر کا کہ ''اے مستانیو یہ کس سے ایسی باتیں کرتی ہو؟''

لونڈیوں نے عرض کیا: ''دیکھئے یہ سامنے کون کھڑا ہے۔ اوئی مردوا کیسا ڈھیٹ ہے کہ کہے سے بھی نہیں ہٹتا۔''

قاسم یہ باتیں سن کر ہنس کر گویا ہوا کہ:

''ہم چاہیں تو در توڑ کے درانہ در آئیں
پردہ لئے بیٹھی رہے دیوار تمہارا''

سوگند نے کہا ''کیا کہنا، آپ ایسے ہی ہیں۔ مگر یہاں کوئی ادماتی نہیں ہے۔ یہ باتیں کسی اور جگہ جا کر کیجئے۔ ہم پر مہربانی رکھئے۔''

خلاصہ کلام اس تکرار کے ہونے سے ملکہ نے بھی آواز سنی، اور بولی کہ ''ارے یہ کیا ہے جو سب ایک جگہ غول باندھے کھڑی ہو، اور چیختی ہو۔''

ایک کنیز نے جواب دیا کہ ''حضور یہاں مردوا گھس آیا ہے۔''

ملکہ بھی اٹھی کہ میں تو چل کر دیکھوں، اور وہاں آئی کہ جہاں شہزادہ کھڑا تھا۔ ملکہ کی نظر اس کے جمال حور تمثال پر جو پڑی اک تیر کمان خانہ عشق کا کھایا، اور اس شہسوار حسن کے ناوک مژگاں کا اپنے دل وحشی کو نشانہ بنایا، خنجر جانستان ابروان پرخم نے حلال کیا، اور تیغ ادا و ناز نے ایک ہی وار میں تسمہ بھی لگا نہ رکھا، عقل و ہوش کا فیصلہ کر دیا۔ دیکھا کہ ایک محبوب لاثانی جس کی اٹھتی جوانی ہے، آفتاب رخسار ہے، گلشن خوبی کا گل پر بہار ہے۔ اگر مردم چشم شب تاریک میں رخسار روشن اس کے دیکھیں تو یقین کریں کہ صبح صادق تحت اُفق مشرق سے طالع ہوئی ہے، اور اگر دیدہ روزگار پردۂ شب دیجور میں اس پر نظر کرے تو بے شک جانے کہ آفتاب جہاں تاب کی روشنی پھیلی ہے۔ عارض گلگوں مثل گل سیراب، اور خط رخسار مثل سنبل کے پر پیچ و تاب یہ معلوم ہوتا تھا کہ نقاش حکمت نے دائرۂ عنبر پر کار قدرت سے صفحہ عذار پر کھینچا ہے، یا کشت کاری دہقان فطرت سے سبزہ کنارے آب حیات کے اُگا ہے......

ملکہ تھرا کر گری، غش کر گئی اور شہزادے کا بھی یہی نقشہ ہوا۔ سوگند نے دونوں کو

گلاب و کیوڑہ چھڑک کر ہوشیار کیا۔ جب آنکھ شہزادے کی کھلی ملکہ بھی ہوشیار ہو کر پاس کھڑی تھی۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا۔ ملکہ نے شرما کر سر جھکا لیا آخر دونوں خراماں خراماں آ کر مسند پر بیٹھے۔

لیکن وہاں جب سیارہ نے دیکھا کی سارا جلسہ جمع ہے، لیکن شہزادہ نہیں ہے ہر سمت نگراں ہوا۔ کچھ دور پر چند پریوں کو صحبت آرا دیکھ کر یہ بھی اسی سمت چلا۔ قریب پہنچ کر شہزادے کو پاس ایک مہ جبین کے بیٹھے پایا، اور وزیر زادی کو اس پری کی مصروف انتظام دیکھا۔ سیارہ اس پر عاشق ہوا۔ اور پاس اپنے شہزادے کے آ کر پہنچا۔

سوگند نے جو اس کی صورت کو دیکھا از بسکہ یہ بیٹا عمرو کا ہے اور خواجہ کا حلیہ اکثر بیان کیا گیا ہے، اس وجہ سے اس کی بھی صورت ویسی ہی دبلی اور لاغر مثل موش وصحرائی کے ہے، سوگند نے قہقہہ مارا اور خوب ہنسی۔ ملکہ سے کہا ''حضور ذرا بچئے آپ کے سر پر بن مانس آ کر کھڑا ہوا ہے۔''

سیارہ نے کہا: ''مجھے تو سب پیپل اور جنگل کے درختوں پر سے بھتنیاں اتر کر بیٹھی نظر آتی ہیں۔''

اس کلمے پر سب نے قہقہہ لگایا، اور شہزادے نے سیارہ کو بٹھلایا۔ شریک بزم کیا۔

الحاصل ملکہ نے سوگند کے اشارے سے شہزادے کو جام مئے ارغوانی بھر کر دیا۔ شہزادے نے ارشاد فرمایا کہ ''گل بوستان خوبی واختر سپہر محبوبی تم شمع کس انجمن دل افروز کی ہو؟ اپنا نام نامی ظاہر کرو۔ اور اپنے دین وآئین کا پتہ بتاؤ۔ اگر مذہب اسلام رکھتی ہو گی تو ہم یہ شراب پئیں گی۔ اور نہیں تو ہم کہاں اور تم کہاں!''

ملکہ نے یہ کلام شہزادہ عالی مقام سن کر کہا: ''آپ اپنا نام بتایئے مجھے تو تمام عالم جانتا ہے کہ ملکہ نرگسی چشم ہوں۔'' اور تمام کیفیت اپنی بیان کی۔

شہزادے نے جب سارا حال سنا فرمایا کہ ''مجھے قاسم بن علم شاہ بن حمزہ صاحب قراں کہتے ہیں، اور ہم لوگ غیر ملت و مذہب والے انسان سے محبت نہیں کرتے۔ اگر ہماری دوستی درکار ہے تو سحر سے توبہ کرو اور لقا و دیگر خداوندان باطل پر لعنت بھیجو، کیونکہ یہ سب مخلوق ہیں اور خالق وہی ایک وحدۂ لاشریک ہے......''

حمد الٰہی کو شہزادے نے اس طرح بدستیاری خامہ زباں لوح سینہ ملکہ پر ترقیم فرمایا کہ

سیاہی باطل پرستی کی ورق خاطر سے دھوگئی ۔ نام معبود حقیقی سن کر مسرور ہوگئی۔شہزادے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر بولی کہ ''صاحب تم خفا نہ ہو۔ میں سحر تو بالکل نہیں جانتی ہوں۔لیکن لقا اور جمشید وغیرہ کو مانتی ہوں۔آج سے ان مونڈی کاٹوں پر بھی لعنت بھیجوں گی۔'' ......

شہزادے نے جب اس کو راضی پایا،کلمہ طیبہ بتایا۔ملکہ کلمہ پڑھ کر مع کنیزوں اور سوگند کے مسلمان ہوئی۔ پھر تو شہزادے نے جام بادہ احمر ملکہ کے ہاتھ سے لے کر پیا......

دور جام دمادم، پے در پے چلنے لگا،اور سوگند کو سیارہ نے چھیڑنا شروع کیا،اور کہنے لگا کہ ''اے ملکہ،آپ کی وزیرزادی مجھ کو اشارے سے بلاتی ہے کہ پہاڑ کے درے میں چل کر ہم تم ہم آغوش ہوں۔''

سوگند نے جو یہ کلام سنے سیارہ پر ایک دوہتڑ مارا کہ ''موئے مرجیا،جن،خدا تجھے غارت کرے،جھوٹے! لوصاحب، بھلا ایسی میری کیا کھاٹ کٹی تھی جو اس سے اشارے کرتی۔ میں تو اس سے لوٹا بھی نہ اٹھواؤں۔موا اپنے حوصلے نکالتا ہے۔ارمان پورے کرتا ہے۔جوانا مرگ تو اسی ہوس میں رہے گا، میں کبھی تھوکوں گی بھی نہیں۔''

سیارہ نے کہا: ''منہ سے یہ باتیں سب کے سنانے کو کرتی ہو اور اپنے ہاتھ سینے سے لپٹا کر اشارہ کرتی ہو کہ یوں گلے سے لگاؤں گی۔''

اتفاق سے اس وقت سوگند کے ہاتھ سینے سے لپٹے تھے اس کے کہنے سے اس نے ہاتھ ہٹائے۔ساری محفل اس حرکت پر مارے ہنسی کے لوٹ گئی،اور سیارہ نے سب کی آنکھ بچا کر چٹکی لے لی۔سوگند پھر کوسنے لگی۔

سیارہ نے کہا: ''دیکھئے میں بولتا چالتا نہیں ہوں۔یہ رنڈی بڑی مستانی ہے میں جو اس کے اشاروں کو نہیں مانتا ہوں،اور اس کو پسند نہیں کرتا تو یہ مجھے کوستی ہے۔''

خلاصہ کلام ایسا اس کو ستایا کہ رودی اور کھسیانی ہو کر ماتھا کوٹ لیا کہ ''ہائے اللہ میں کیا کروں!'' اور ملکہ سے کہا: ''حضور اللہ کی قسم منع کیجئے،نہیں ہزاروں بھوگ سنا کر ایسے تیسے کو رکھ دوں گی۔یہ دل لگی اپنی ماں بہن سے کرے۔اپنے دل میں سمجھا کیا ہے؟''

شہزادے نے سیارہ کو منع کیا،جب وہ چپ ہو رہا،سوگند اس کی طرف دیکھ کر ہنسی، اور منہ چڑا کر دوپٹے کی آڑ کر لی۔

سیارے نے ملکہ سے کہا: ''حضور آپ نے دیکھا؟''

ملکہ نے کہا: ''سچ تو ہے رنڈی، تو آپ اشارے کرتی ہے، اور کھلی جاتی ہے۔ اس بچارے کا نام بدنام کرتی ہے۔''

غرضکہ اس مذاق میں رات تھوڑی رہی، اور ہر ایک مست و مخمور ہو گیا۔ شہزادے نے سیارہ سے کہا: ''آج تم کچھ گاؤ، دل بہلاؤ۔''

سیارہ نے ساز لے کر ایسا بجایا اور ایسا گایا کہ اہل انجمن کو دیوانہ بنایا۔ وہ پچھلی رات کا سماں، چاندنی شبنم کے گرنے سے خوب صاف ہو گئی تھی، روشنی جھلملا کر گل ہو گئی تھی۔ کہیں کہیں جو چراغ جلتا تھا وہ بھی بارخ زرد لہرا رہا تھا۔ چکور چاند پر دوڑتے تھے۔ پہاڑ پر طاؤس رنگیں ناچتے تھے، تدرد کہساری کے قہقہے بلند تھے۔ نازنینوں کے جسم میں پھولوں کی مہک آتی تھی۔ رات بھر کے نشے کا خمار تھا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے نشے کے پڑے تھے، نیند کا خمار تھا۔ جمائیاں لیتے تھے۔ پروانوں کے پر لگن میں شمعدانوں کے ڈھیر تھے۔ فرش میں جھول پڑ گیا تھا۔ اس وقت ملکہ اور شہزادے میں باہم بوس و کنار شروع ہوا، اور سوگند سے سیارہ مختلط تھا، کنیزیں روبرو سے ہٹ گئی تھیں۔ شیدائے یک دگر باہم لپٹے تھے......

ماتھے کی افشاں اور لبوں کی مسّی چھوٹ گئی، چولیاں مسک گئیں، پائجامے میں چرسیں پڑ گئیں، سوائے وصل ہونے کے کوئی دقیقہ اٹھ نہ رہا۔ پھر ذرا ہر ایک کو ہوش آیا۔ سیارہ کو سامنے طلب فرمایا۔ سوگند بھی خلوت سے سامنے ملکہ کے آئی۔ دیکھا تو بال سر کے کھلے ہیں، رخسار پر نشان بوسوں کے ہیں، کرتی اوپر چڑھ گئی ہے۔ پائچے چھوٹے ہوئے پیچھے زمین پر گھسٹے چلے آتے ہیں، آنکھیں ندامت سے نیچی ہیں۔ غرضکہ اسی طرح جب یہ دونوں روبرو آئے شہزادے نے فرمایا کہ ''ہاں اے سیارہ!''

اس نے پھر گانا شروع کیا...... آخر اس ہنگامہ عشرت میں اور جلسہ مسرت میں وہ رات تمام ہوئی...... عاشق و معشوق کی جدائی کا زمانہ آیا......

وہ نور کا تڑکا، جانوروں کا آشیانوں سے اترنا، اور سورج کی کرن کا پہاڑوں سے پھوٹنا، درختوں کے سبز سبز پتوں پر سنہرا پن آنا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید بہار نے طلائی زیور زیب قامت فرمایا ہے۔ چشموں کے کنارے مرغابی و سرخاب و بوتیمار و قاز و کلنگ ہوا سے ٹوٹ کر گرتے تھے، غوطہ بازی و کلیل کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے طائر اشجار پر بہار میں بیٹھ کر زمزمہ سرائی کرتے تھے۔ بلبلان شوریدہ کا شور تھا...... ایسے وقت پر بہار میں اور سامان

فرحت انتہا میں معشوق کا جدا ہونا ہائے کیا غضب کا سامنا تھا کہ:

ہم کو نہ کوئی سنائے اس کا جانا ہے اپنی تو موت ہائے اس کا جانا
آمد ہی پہ جس کے جی چلا جاتا تھا اب دیکھئے کیا دکھائے اس کا جانا

ملکہ اور شہزادہ دونوں مل کر رونے لگے۔ قاسم نے کہا: ''اے ملکہ کبھی کبھی مزار پر ہم غریبوں کے بھی آنا، اور دو پھول چڑھا کر غنچہ دل کھلا جانا۔''

ملکہ نے کہا: ''اے مونس جاں نواز، میں آج رات کو پھر اسی مقام پر آؤں گی۔ پھر سنگ مفارقت سینے پر رکھ کر ہم دونوں بسر کریں، شام مواصلت کی راہ دیکھیں۔'' ......

ملکہ روتی ہوئی تخت پر بیٹھ کر مع کنیزوں کے روانہ ہوئی۔ لیکن جاتے وقت بچشم اشکبار وہ بے قرار یہ کہتی تھی کہ:

''آتش سے جو غم کی دل جلا خاک ہوا اور جل کے جگر بھی اب مرا خاک ہوا
جوں شمع ملا نہ کچھ بجز سوز فراق حاصل ہمیں عاشقی میں کیا خاک ہوا''

قاسم نے بمنت کہا ''اے شمع محفل خوبی واے رونق بزم محبوبی، آج کی شب ضرور اپنے جمال نورانی سے چشم تیرہ عاشق زار کو منور کرنا، اور اگر آنے میں ذرا بھی تغافل ہوگا تو بمقتضائے:

گر شکل نہ اپنی تو دکھا جاوے گا تو مجھ کو غم فراق کھا جاوے گا
ایسا ہی ہجوم غم ہے تو تن سے مرے گھبرا گھبرا کے جی چلا جاوے گا''

(۲)

(لقا کو شکست دینے کے بعد قاسم شام کو محفل جماتا ہے اور ملکہ کے انتظار میں بے چین ادھر سے ادھر ٹہلتا ہے)

وہ جو...... یاد خنجر ابروئے دلدار دل میں لے کر روانہ ہوئی کچھ عرصے میں اپنے باغ میں کہ جو بیرون قلعہ نرگس کوہ ہے پہنچی، لیکن کئی روز سے اپنی ماں کے پاس نہ گئی تھی۔ اس باعث سے حنظل جادو اس کے دیکھنے کو باغ میں رات سے آئی ہوئی تھی۔ اس وقت ملکہ کو جو اس نے آتے دیکھا، ملکہ نے بہ ادب تمام سلام کیا۔ ماں نے اس کی بہ غضب عتاب و خطاب کیا کہ ''افوہ! چھوکری خوب اب تو ہوائی دیدہ ہوئی ہے، رات رات بھر غائب رہتی

ہے۔ نہ گھر کا خیال نہ کچھ دین و دنیا کی فکر۔ دس دس روز باغ میں اکیلے رہنا، اور ہر جگہ مارے مارے پھرنا۔ سچ بتا تو کہاں گئی تھی۔"

ملکہ نے یہ کلمات نصیحت آگیں سن کر جواب دیا کہ "امی جان کے سر کی قسم، میں کوئی کوس بھر پر ایک صحرا میں چاندنی کی بہار دیکھتے دیکھتے سوگئی، آنکھ صبح کو کھلی، نہیں تو رات ہی کو چلی آتی۔"

حنظل اس عذر کو سن کو خاموش تو ہو رہی۔ لیکن طور لڑکی کے بے ڈھب دیکھے کہ رنگ چہرے کا فق ہے، بچی کھچی معلوم ہوتی ہے، پیر کہیں ڈالتی ہے پڑتا کہیں ہے۔ رات ہی بھر میں چھاتیاں ابھر آئی ہیں جیسے کسی مرد کا ہاتھ لگا ہے، دیدہ ہوائی ہے، آنکھ کا پانی مر گیا ہے، چار طرف آنکھیں چکر مکر چلتی جاتیں ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کو ڈھونڈتی ہیں۔ یہ کیفیت سمجھ بوجھ کے کنیزوں سے علیحدہ جا کر، دھمکا کر ڈرا کر، دم دلاسا دے کر پوچھا کہ "سچ بتاؤ ملکہ کہاں گئی تھی؟"

کنیزیں سب رفیق ملکہ کی تھیں۔ وہ لگیں قسمیں کھانے کہ "ہمیں اپنے دیدوں کی قسم، شہزادی سوائے جنگل کی سیر دیکھنے کے اور کہیں نہیں گئیں۔"

حنظل سمجھی کہ یہ سب چربانک ہیں، ایسی باتیں نہ بتائیں گی، لیکن دال میں کچھ کالا ہے۔ آج سے اپنی لڑکی کو کہیں جانے نہ دینا چاہئے۔ ایسا کچھ سوچ کر بیٹی کو گلے سے لگایا اور کہا "بابا میں تمہارے بھلے کو کہتی ہوں۔ منگنی تمہاری ہوگئی ہے۔ اب تم پرائے گھر کی ہو۔ دولہا تمہارا جو سنے گا تو کیا کہے گا؟ گھر سے کہیں اور نہ جایا کرو۔ یہیں سیر تماشا کیا کم ہے۔ جو چاہو وہ سب سامری کی عنایت سے موجود ہو جائے۔ بیٹا میں نے تو کبھی تجھ پر تانس کی نہیں۔ ڈھیلی رہتی چھوڑے رکاب پر اب دنیا کی باتیں سن سن کر ہول آتی ہے، دیکھو نا! مہ جبیں نے کیسا نام شہنشاہ ساحراں کا روشن کیا ہے! اسد پر عاشق ہو کر اپنے تئیں ستیاناس کیا، سلطنت چھوڑی، چین عیش تجا، دین و ایمان برباد کیا، مجھے دھڑکا ہے کہ لشکر مسلمانوں کا یہاں سے قریب اترا ہوا ہے اور وہ لوگ نگوڑے خوبصورت بہت ہیں، پھر تم جانو جوانی تو دیوانی، ایسا نہ ہو پاؤں کہیں اونچ نیچ پڑے تو میری رسوائی کیسی ہو۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ جب تک یہ موئے مسلمان یہاں سے دفان نہ ہولیں تم کہیں جایا نہ کرو۔ بیٹا تم کو کرنا کیا؟ نام خدا تم خود سمجھدار ہو، ان باتوں کو گرہ میں باندھو۔"

ملکہ یہ کلام سن کر رونے لگی۔اور کہا ''خوب مگھم مگھم میں آپ نے مجھے بدکار بنایا۔میرے جانے کی جلن تو سب کو تھی، یہی ہر ایک کو ملال تھا کہ ہے ہے ملکہ اس طرح براجتی پھرتی ہے آخر دشمنوں کی مراد پوری ہوئی۔اب تو وہ گھی کے چراغ جلائیں کہ میرے مدعی قید ہوئے۔یا سامری، جو میرا برا چاہتے ہوں ان کا دونوں جہان میں منہ کالا ہو اور جو میری لگائی بجھائی کرے وہ اپنی جوان جوانی سے جائے۔دیدے گھٹنوں کے آگے آئے۔اپنی اولاد سے پائے۔وہ بھی قید ہو۔موئے کے پاؤں میں ہتھکڑیاں پڑیں۔دنیا سے کلپتا جائے، اس کے گھر میں مری کے جھا جھنکوا جمشید کرے، اس کی بھتی پکے، جو مجھے بدنام کرے، بدکار بتائے۔ایک اس کا نام لیوا اور پانی کا دیوانہ رہے۔''

غرض جب ملکہ نے دوپٹہ اٹھا کر، گود پھیلا کر کوسنا شروع کیا۔حنظل نے اس کو گھر کا کہ ''چل چپ، ٹرٹر چلی جاتی ہے۔خبردار، اب کہیں قدم نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔''

ملکہ اس کے غصے کی آنکھ دیکھ کر چپ ہوگئی، اور دیدار معشوق کے دیکھنے سے ناامید ہوئی۔دریا آنکھ سے اشکوں کا اُمڈا، سرشک غم نے طوفان برپا کیا۔وہ رات کا مزا جو دل میں سمایا تھا اور پہلے پہل دل لگایا تھا، عنان توسن صبر وقرار ہاتھ سے چھوٹ گئی کہ:

سماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا — مزا دل میں سارا سمایا ہوا
اٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب — نہ ہو وصل تو دل کو ہوا اضطراب
نئی بات کا لطف پانا غضب — وہ پہلے پہل دل لگانا غضب

ماں سے کہا، ''چاہے میری جان چلی جائے یا رہے، مجھے تو سیر کا لپکا ہے، گھر میں گھٹ کر تو نہ بیٹھوں گی۔سیر کو ضرور جاؤں گی۔یہی نہ ایک جان ہے، چاہے خدا لے چاہے بندہ۔آپ مجھے کاٹ بھی ڈالئے تو میں بغیر جائے نہ رہوں گی۔اور جن لوگوں نے آپ کو بھڑکایا ہے انہیں میں خوب جانتی ہوں۔پھر اچھا، کیا ہوگا؟ میں انہیں دن رات پھر کر جلاؤں گی۔لو صاحب، یکا یک جو میں بیٹھوں تو لوگ کہیں گے کہ نرگسی چشم کہیں کسی کے ساتھ پکڑی گئی، ماں نے دبوں دبوں کر کے عیب چھپایا، مگر بیٹی کو نکلنے نہیں دیتی ہے۔''

یہ کہہ کر رونے لگی، اشکوں سے منہ دھونے لگی، ماں کی محبت، آخر رحم آ گیا، اور ایک آدھ بڑی بوڑھی انیس بول اٹھی کہ ''ہاں بی سچ تو ہے۔اب لڑکی کا لہو پانی ایک کرنا بے کار ہے پہلے تو اس کو چسکا اکیلے دکیلے رہنے کا، ہر کہیں پھرنے کا ڈال دیا۔آج روکے سے کیا

ہوگا؟ یہی نہ کہ کوئی آزار دشمنوں کو لگ جائے گا، اور کوئی مرض اٹھ کھڑا ہوگا۔ مثل مشہور ہے، گربہ کشتن روز اول۔''

یہ تقریر سن کر حنظل بولی کہ ''اچھا یہ سیر کو جب جایا کرے تو ملکہ حسامہ جادو اپنی دایہ کو ساتھ لے لیا کرے'' اور حسامہ کو بلا کر حکم دیا کہ ''آج سے لڑکی تمہارے سپرد ہے جہاں کہیں جائے سائے کی طرح اس کے ساتھ رہنا۔ خبردار اکیلا نہ چھوڑنا نہیں میں بری طرح پیش آوں گی۔''

یہ جو ملکہ نے سنا اپنا حال تباہ کیا، اور جواب دیا کہ ''مجھ سے یہ قید فرنگ نہ اٹھی ہے اور نہ اٹھےگی۔ لو صاحب، دائی مجھ پر گرد راہ ہوں گی، میں تو ماں کا دباؤ سہتی نہیں، دائی جو میرے ساتھ رہیں گے اور ہر بات میں پٹ پٹ بولیں گی، پھر مجھے کہاں تاب ہوگی، میں بھی کچھ کہوں گی تو نگوڑ ماری بدنام ہوں گی۔ اس سے میں درگزری، پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔ ایسی بے اعتبار میں ہوں کہ دائی کو لئے لئے پھروں، بھاڑ میں جائے سیر چولھے میں جائے تماشہ، میں اپنی جان دے دوں گی، کہیں نہ جاؤں گی، اور جاؤں گی تو اس بڑھیا نگوڑی کو نہ لے جاؤں گی۔''

ماں نے جو باتیں سنیں تو کہا: ''اگر تو اکیلی جائے گی تو مار مار کر تیرا کچومر نکالوں گی۔ لو، موئی مجھ سے بھی نخرے بگھارنے لگی۔ ایسی خود مختار ٹھیری کہ کوئی بڑا بوڑھا واقف کار اس کے ساتھ نہ رہے۔ خواہ تیرے لئے کچھ ہی کیوں نہ ہو، تو جئے یا مرے، مگر دایہ ضرور ساتھ رہے گی۔''

قصہ کوتاہ، ملکہ نے لاکھ لاکھ زور مارا کہ اکیلے جانا ملے، مگر ممکن نہ ہوا۔ اور دایہ کے لئے ایک صحنچی میں اس کی ماں نے پلنگ بچھوا دیا۔ وہ حفاظت کے لئے وہاں فروکش ہوئی، اور حنظل وہاں سے قلعے میں چلی گئی۔

اب ملکہ کو بالکل ملنے سے محبوب کے یاس ہوگئی، اور وہ باغ اس کو زندان خانے سے بدتر ہوگیا۔ بے قرار ہوکر چمن میں سب سے الگ جاکر ٹہلنے لگی...... یہی اندوہ والم سوگند پر مفارقت سیارہ میں طاری تھا...... اسی بے تابی میں ملکہ کے پاس آئی، اور اس کو رنجیدہ دل، کبیدہ دیکھ کر گرد پھری، تصدق ہوئی، اور عرض کیا کہ ''حضور، دن تھوڑا باقی ہے۔ حمام کیجئے، پوشاک بدلئے، اپنی آرائش وزیبائش میں مصروف ہو جئے۔''

ملکہ نے سرد آہ بھر کر فرمایا کہ:

"صورت اخگر ہمیں جز سوختن کیا چاہیۓ
تن پہ غیر از خاک اپنے پیرہن کیا چاہیۓ
رنج ہے راحت سے بہتر درد ہے درماں سے خوب
ہم ہیں عاشق ہم کو جز رنج و محن کیا چاہیۓ"

سوگند نے کہا: "حضور، آپ چلنے کی تیاری تو فرمایئے۔ خداوند کریم کوئی صورت معشوق سے ملنے کی بھی پیدا کرے گا۔ میں آپ کو جس طرح بنے گا لے چلوں گی۔"

ملکہ اس کلام سے مثل گل کے شگفتہ خاطر ہوئی، جان تازہ قالب میں آئی اور گویا ہوئی کہ:

"خرم آں روز گزیں منزل ویراں بردم
راحت جان طلبم و زپئے جانان بردم"

سوگند نے کہا: "اے ملکہ، اس دائی کو قریب شام شراب میں بے ہوشی پلا دیجیے اور غافل کر کے چلیۓ۔ صبح نہ ہونے پائے کہ پھر آیئے، کوئی کانوں کان واقف نہ ہوگا۔ ہمارا، آپ کا مقصد بر آئے گا۔"

ملکہ یہ تدبیر معلوم کر کے پھڑک گئی، اور کہا: "واہ واہ، صد آفرین! کیا خوب تدبیر سوچی۔" پس اسی وقت حمام گرم کرا کے نہا دھو کر باہر آئی......

جب خوب آراستہ ہو چکی، کنیزوں سے فرمایا "آج ہم کہیں نہ جائیں گے، یہیں جلسہ جمائیں گے۔ شراب و کباب لاؤ، ارباب نشاط کو بلاؤ، اور دایہ اماں سے کہو یہاں آ کر بیٹھیں میرا پہرا دیں، ایسا نہ ہو میں کسی یار کو بلا لوں۔"

حسب ارشاد جملہ سامان مہیا ہو گیا۔ اور دایہ بھی پاس آ کر بیٹھی۔ سوگند نے شراب میں خوب بے ہوشی ملا دی اور جام بھر کر ملکہ کو دیا۔ ملکہ نے کہا "دایہ اماں، پہلے تم پیو۔ دائی نے اس کے اصرار کرنے سے شراب پی۔ ملکہ نے متواتر کئی ساغر پلا دیئے کہ ٹانگوں میں سر ڈال کر اسی جگہ پڑ رہی، بے ہوش گئی......

تخت سحر سوگند نے تیار کیا، مع چند کنیزوں کے سوار ہو کر راہ خانۂ محبوب کی لی...... بعد کچھ عرصے کے اپنے مشتاق کے پاس بخت رسا نے پہنچایا۔ وہی صحرا نظر آیا جہاں غزال بادیۂ محبت مسکن گزیں تھا۔ تخت سے اتر کر اٹھلاتی، پاؤں کی چھاگل سے مژدۂ آمد سناتی آگے بڑھی۔

شہزادہ قاسم تو دیر سے اس کا منتظر ہر سمت ٹہلتا پھرتا تھا۔ اس سراپا ناز کو آتے دیکھ کر مضطربانہ دوڑا، اور یہ زبان پر لایا:

"کسے ایسے قیامت زا چلن بھاتے ہیں صاحب کے
نرالی آفتیں ناز و ادا ڈھاتے ہیں صاحب کے
خلاف وضع ہے، پامال چلاتے ہیں صاحب کے —
قدم انداز سے باہر ہوئے جاتے ہیں صاحب کے
ستم رفتار میں کرتی ہے ٹھوکر دیکھتے جاؤ"

غرضکہ جب قریب اس سرو رواں کے پہنچا گود میں اٹھالیا۔ ملکہ نے بھی رخسار پر رخسار رکھ دیا۔ آخرالامر مسند پر لب نہر بٹھایا۔ ادھر سیارہ نے اپنے مطلوب کو گلے لگایا، اور شکرانہ معبود حقیقی کا ادا کیا۔ ملکہ نے سب حال رو رو کر اپنا بیان کیا کہ "آج تم سے ملنے کی کسی طرح امید نہ تھی خدا سوگند کا بھلا کرے جس نے دایہ کے بے ہوش کرنے کی تدبیر نکالی، اور اللہ نے پھر تمہاری صورت دکھائی۔"

قاسم نے کہا: "اے جان جاں، اب تم یہاں سے نہ جانا۔ میں تمہارے والدین سے سمجھ لوں گا۔"

سوگند نے کہا: "جیسا موقع ہوگا دیکھ لیا جائے گا۔ اب داد عیش و خرمی دو۔ رات تھوڑی ہے، دو باتیں ہنسی خوشی کی کرلو۔"

قاسم نے ارباب نشاط کو حکم دیا، گانا ہونے لگا، جام شراب گردش میں آیا۔ ٹانگوں کی قینچیاں بندھ گئیں، بوس و کنار شروع ہوا۔ دونوں مست ولایعقل ہو کر جام محبت سے سرشار لڑکھڑاتے پلنگ پر آ کر گرے، اور سیارہ اپنی معشوقہ کو علیحدہ لے گیا۔ شیدائے یک دیگر باہم عشرت پذیر ہوئے۔ مرادیں بر آئیں، آرزوئیں پوری ہوئیں۔

بہم ملکے بیٹھے ہیں وہ رشک مہ قران مہ و مہر ہے اک جگہ
پسینہ پسینہ ہوا سب بدن کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
لبوں سے ملے لب، دہن سے دہن دلوں سے ملے دل بدن سے بدن
لگی آنکھ سے آنکھ خوش حال ہو گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو
لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ چلے ناز و غمزے کے آپس میں ہاتھ

آخر بعد لذت بوس و کنار گلے میں باہیں ڈال کر وہ سرشار ہو گئے۔ لیکن بمصداق:

ہزار افسوس پھر یہ چرخ پر زور
کرے گا مشتری کو ماہ سے دور

حنظل، ملکہ کی ماں، بدگمان ہو کر تو گئی تھی، دایہ کے چھوڑ جانے پر اکتفا پذیر نہ ہوئی۔ وہ پہر رات گئے قلعہ نرگس کوہ سے ملکہ کے باغ میں آئی، کچھ ترکنیں، قلماقنیاں، اردہ بیگنیاں پہرے چوکی کے لئے حاضر تھیں۔ باقی باغ میں سناٹا تھا۔ اس نے پہرے کے لوگوں سے استفسار کیا کہ ''ملکہ کہاں ہے؟''

انہوں نے عرض کیا کہ ''وہ شام سے کہیں تشریف لے گئی ہیں۔'' اس نے کہا ''دائی ساتھ ہے یا نہیں۔''

انہوں نے کہا کہ ''وہ بارہ دری میں سوتی ہیں۔''

حنظل نے بارہ دری میں آکر ہر چند دایہ کو جھنجوڑا کہ یہ بیدار ہو، مگر وہ نہ اٹھی۔ اس وقت تو اس نے ملازموں سے کہا: ''ارے روشنی تو لاؤ، کہیں دائی کو زہر دے کر تو نہیں سلا دیا ہے۔''

لوگ شمع جلا کر لائے۔ حنظل نے دیکھا کہ سانس تو دایہ لیتی ہے۔ لیکن بے ہوش ہے۔ کپڑا پانی میں تر کر کے اس کے دماغ پر رکھا کہ چھینک آئی، اور ہوشیار ہوئی۔

حنظل نے غصے سے کہا: ''خوب تو حفاظت چھوکری کی کرتی ہے؟''

دائی نے کہا: ''بی بیٹھو، حواس میں آؤ۔ تمہاری چھوکری ہی ایسی ہو تو کوئی کیا کرے۔ دل کی لگی بری ہوتی ہے۔ وہ مجھے سنکھیا دے کر جاتی تو عجب نہ تھا۔ میں ایسی نگہبانی سے باز آئی۔ تم اپنی لڑکی کی خبر لو۔''

حنظل یہ باتیں سن کر بغیظ وغضب تمام ڈھونڈنے چلی۔ اور بزور سحر اس قدر بلند ہوئی کہ تمام دنیا پیش نگاہ تھی۔ آخر ایک طرف کثرت سے مشعل و چراغاں روشن دیکھے، یقین واثق ہوا کہ وہ شوخ دیدہ بھی یہیں ہوگی۔ یہ تجویز کر کے اس جگہ اپنے تئیں پہنچایا، عجیب معاملہ نظر آیا کہ بیچ جنگل اوٹ پھولوں کے کھڑے ہیں، اور ملازم کسی شخص کے پہرے پر ہیں۔ اوٹ کے اس طرف چھپر کھٹ مرصع بچھا ہے، گرداگرد اس کے قرابے گلاب کیوڑے کے منہ کھلے رکھے ہیں، لخلخے ہوا کے رخ پر دھرے ہیں، اور ملکہ سر بازو پر ایک مہ پارہ نوجوان کے رکھے پیاری بغل میں منہ ڈالے، اس کا ہاتھ اس کے سینے پر، اس کا ہاتھ اس کی چھاتی پر پڑے سو رہے ہیں، اور ملکہ کے پائنچے چڑھ گئے ہیں، رانیں کھلیں ہیں۔ پنڈلی سے پنڈلی گتھی ہوئی ہے کہ:

دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب　　گل تکئے تھے آفتاب و مہتاب
بند اس کی وہ چشم نرگسی تھی　　چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی
سمٹی تھی جو محرم اس قمر کی　　برجوں پہ سے چاندنی تھی سر کی
لپٹے تھی جو بال کروٹوں میں　　بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں

یہ کیفیت دیکھتے ہی شعلۂ غضب اور زیادہ بھڑکا اور ایسا سحر پڑھا کہ ہوا ٹھنڈی چلی، جس قدر کہ پاسبان تھے بیہوش ہو گئے، اور یہ تفرقہ انداز طالب و مطلوب کے پلنگ کے آئی۔ ملکہ کو صورت بو اُس گل بدن سے جدا کیا۔ ایک نعرہ مارا کہ ''اور گیسو بریدہ، ننگ خاندان، یہ کیا غضب تو نے کیا کہ قفل عصمت کلید فاجری سے وا کیا؟'' ......

حنظل ...... کمر میں ملکہ کے پنجہ دے کر اڑی ...... سوگند پہلوئے سیارہ سے اٹھ کر دوڑی۔ حنظل نے جو اس کو آتے دیکھا۔ کچھ بال اپنے سر کے نوچ کر اس کی جانب پھینکے کہ وہ زنجیر آتش بن کر اس اسیر دام زلف کے دست و پا وغیرہ میں لپٹے۔ حنظل اس کو بھی کھینچ کر اڑاتی ہوئی چلی، اور سوگند لٹکتی جاتی تھی، مگر سیارہ سے کہتی جاتی تھی کہ ''دیدار ما وشما بقیامت افتاد'' ادھر ملکہ قاسم کو پکار کر سناتی تھی کہ ''اے شہریار، خدا حافظ و ناصر! اپنے دل نازک پر میرے مرنے کی خبر سن کر کچھ صدمہ و ملال نہ کرنا۔ تمہیں حفظ و حمایت میں پروردگار کی دیا۔ اللہ نگہبان۔ ہم آغوش قبر میں سونے جاتے ہیں۔ اور حسرت تمہارے دیدار کی دم نزع دل میں رکھتے ہیں کہ:

دکھا دو ذرا پھر رخ اپنا ہمیں　　مری جان اللہ کو سونپا تمہیں
چلے ہم تو دنیا سے ناشاد ہائے　　نہ کچھ رنج اس کا ترے دل پہ آئے

ملکۂ دل گیر کو جب حنظل گرفتار کر کے لائی، قلعے میں اس لئے نہ گئی کہ اس آوارگی سے خورد و بزرگ آگاہ ہوگا۔ منگنی ہوئی ہے، لڑکی بدنام ہو جائے گی۔ غرض باغ میں لا کر پہنچایا اور ملکہ کو کئی طمانچے زور زور لگائے۔ بغصہ پکاری:

بیٹی کی طرف کیا نظارہ　　جھلا کے کہا کہ اے ''خام پارہ!
حرمت میں لگایا داغ تو نے　　لٹوائی بہار باغ تو نے
تھمتا نہیں غصہ تھامنے سے　　چل دور ہو میرے سامنے سے''

سوگند کو بھی مارا، اور کہا، ''مالزادی، تو نے میری لڑکی کو خراب کیا!''

سوگند اور ملکہ اس وقت تو خاموش ہو رہیں۔ لیکن کچھ دیر کے بعد حنظل نے ملکہ کو سمجھانا شروع کیا کہ ''خیر آج تو میں طرح دیتی ہوں، درگزر کرتی ہوں۔ اب اگر تجھے کہیں جاتے سنوں گی حلال ہی کر ڈالوں گی، خبردار کبھی بھولے سے بھی ایسی حرکت نہ کرنا۔''

یہ کلام ترحم کے سن کر سوگند کو جواب دینے کی جسارت ہوئی۔ اور رو کر حنظل کے پاؤں پر گری، عرض کیا کہ ''پہلے حضور دو باتیں میری سن لیں۔ پھر جو چاہیں وہ کریں۔ ہم آپ کے بس میں ہیں۔''

حنظل بولی کہ ''کہہ، کیا کہتی ہے؟''

اس نے کہا: ''ہونے والی بات، بدنامی تقدیر میں لکھی ہو تو کوئی کیا کرے اور میں کم بخت ناشاد ملکہ سے کہتی تھی کہ حضور نہ جایئے۔ میرا کہنا نہ مانا، اپنے ساتھ مجھے بھی رسوا کیا۔ سنئے حضور اصل بات یہ ہے کہ ملکہ جو سیر کو گئیں۔ قاسم پوتا حمزہ کا صحرا میں صحبت آرا تھا۔ اس نے ملکہ کو اپنا برابر والا سمجھ کر بہ منت شریک بزم کیا، اور کہا اس میں عیب کچھ نہیں، کیا ایسا ہوتا نہیں ہے کہ شاہ وشہریار باہم تپاک کریں، اور ایک جگہ مل کر بیٹھیں۔ یہ کلام اس کا ملکہ نے پسند فرمایا، اور جا کر مسند پر بیٹھیں۔ اس نے شراب اپنے ہاتھ سے شہزادی سمجھ کر پلائی، ناچ ملکر دیکھا کیں۔ اس وقت ملکہ کے سر میں درد ہوا۔ فرمایا کہ میں اب جا کر آرام کروں گی۔ قاسم نے پھر براہ عجز کہا کہ یہیں میرے پلنگ پر لیٹے لیٹے ناچ دیکھئے، پھر چلی جایئے گا...... جا کر...... لیٹیں اور لیٹتے ہی سو گئیں۔ میں نامراد بھی پڑی رہی، جگانا مناسب نہ جانا۔ ادھر قاسم بھی ملکہ کے پاس جا لیٹا، اور سو گیا۔ اس وقت آپ جا کر پہنچیں، اور گرفتار کر لائیں۔ اور ننگے کھلے ہونے کو میں خود حامی ہوں، جوانی کی نیند، سویا مویا برابر۔ ملکہ کا اس میں کچھ قصور نہیں...... اگر رونے پیٹنے کو دونوں کے کہو تو ملکہ کا ابھی سن کیا ہے، رو کر روٹی مانگتی ہیں۔ سمجھیں کہ ماں نے مجھے غیر مرد پاس دیکھا ہے، اب مار ڈالیں گی مارے ڈر کے اسی کی منتیں کرنے لگیں کہ شاید یہ بچا لے، اور ادھر وہ یہ سمجھا کہ ملکہ کو نہیں معلوم کون پکڑے لئے جاتا ہے، اور یہ میری مہمان عزیز ہے۔ اپنے دل میں کیا کہے گی کہ اس سے کچھ نہ ہو سکا، اس سبب سے وہ بھی جزع و نزع کرنے لگا۔ اور اگر آپ کو میری باتوں کا اور کہنے کا یقین نہ ہو تو ملاحظہ فرمالیجئے کہ ملکہ کا شیشۂ عصمت سنگ شرارت سے قاسم کے شکست نہیں ہوا!! اور مسلمان حرام نہیں کرتے اسی سے ان کو خدا نے نوازا ہے۔''

یہ تقریر جب خنظل نے سنی، تو ملکہ کو ہر طرح سے دیکھا، بخوبی محفوظ پایا۔ سوگند کے کہنے کا یقین آیا کہ بے شک جو اس نے بیان کیا ہے یہی کیفیت واقع میں گزری ہے، ورنہ آگ اور خس یک جا ہو تو ممکن نہیں کہ نہ جلے۔ اس وقت بظاہر تو غصے کی نگاہ رکھی۔ مگر ملکہ کو عتاب کرنے سے باز رہی، اور چند عورتیں اپنے جانب سے بہر حفاظت تعین کر کے چاہا کہ آپ قلعے میں جائے۔ پھر سوچی کہ کل جاؤں گی، آج کے دن رہ کر اس کا رنگ ڈھنگ دیکھ لوں۔ غرض کہ یہ بھی وہیں فروکش ہوئی اور ملکہ اپنی جگہ کھنچی ہیں۔ ماں سے علیحدہ پلنگ پر جا کر لیٹی، لیکن نیند کیسی اور سونا کہاں کا، دل پہلو میں دلدار کو ڈھونڈتا تھا، تنہائی میں کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ مانند ماہیٔ بے آب کے وہ گوہر غلطاں قلزم محبت میں تڑپتی، آہ سرد بھر کر یہ پڑھتی تھی کہ:

دم ترّی الفت پوشیدہ کے بھرنے والے
دل جلے، سینہ جلے، اف نہیں کرنے والے
آخری وقت تھا پورا نہ کیا وعدۂ وصل
آپ آتے ہی رہے، مر گئے مرنے والے
آب خنجر کو بھی قاتل نے مجھے ترسایا
نہ دیئے حلق سے دو گھونٹ اترنے والے
پھر بہار آئی ہے پھر ہم کو جنوں ہوتا ہے
کیا دن آئے ہیں فراغت. سے گزرنے والے
آسماں پر جو ستارے نکل آئے تو امیر
یاد آئے مجھے داغ اپنے ابھرنے. والے

(۳)

(سیارہ سے قاسم کی بے قراری نہیں دیکھی جاتی، اور وہ کسی نہ کسی ڈھب سے نرگسی چشم کو چرا لانے کے ارادے سے روانہ ہوتا ہے۔ راستے میں ایک ساحر ملتا ہے)

سیارہ آپ بھی صورت ساحر کی بنا تھا۔ اس سے بڑھ کر صاحب سلامت کی اور پوچھا کہ ''بھائی کہاں چلے؟''

اس نے کہا: ''ملکہ خنظل کے پاس جاتا ہوں، اس لئے کہ نہ وہ اپنی لڑکی کی شادی

کرتی ہے نہ جواب دیتی ہے۔ اور لڑکی کو سنا ہے کہ وہ سیریں کرتی پھرتی ہے۔ میں نے اپنے لڑکے کو بھی منگنی کر کے پھنسایا ہے۔ آج فیصلہ کرلوں گا۔"

(ساحر اڑتا ہوا قلعے کی طرف جاتا ہے اور سیارہ زمین پر چلتا ہوا)

وہ ساحر کہ نام اس کا ظالم جادو ہے..... جب نزدیک باغ پہنچا بزورِ سحر ایک طائرِ سحر کو حنظل کے پاس بھیجا کہ میرے آنے سے اس کو مطلع کرے۔ طائر نے جا کر خبر دی۔ حنظل سمدھی کی آمد سن کر گھبرائی، کس لئے کہ اگر وہ یہاں آئے گا، دختر میری اسی جگہ ہے، محل خانے کا واسطہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کچھ حال اس کی بدچلنی کا سن لے۔ اس باعث سے خود برسم تعظیم بیرونِ باغ آئی اور اثنائے راہ میں ظالم سے ملی باتیں کرتی ہوئی اس کو اندر قلعے کے لے گئی، مقام بہتر پر بٹھایا، شراب و کباب کی صلاح کی، ناچ ہونے کا حکم دیا۔ جلسہ جمایا۔ بعد امورات کے سبب آنے کا سبب پوچھا۔

اس نے کہا: "بیٹی تمہاری نوجوان گلی گلی ماری ماری پھرتی ہے، اور تم شادی نہیں کرتیں۔ آج ہاں نہیں کا مجھے جواب دو۔"

حنظل یہ تقریر سن کر سمجھی کہ اس کو شاید ملکہ کی آوارگی کی خبر ہوگئی۔ پس تڑق کر بولی کہ "جو کوئی اس کو بد کہتا ہے وہ جھک مارتا ہے..... بچی میری سیدھی بات تو کرنا جانتی نہیں وہ نگوڑی آشنائی کیا جانے! اور سنو، صاحب، جو تمہیں شادی کرنا ہے تو وہ خرابوں کی خراب ہے۔ گون ہو تو کرو، نہیں میں گلے تو لگاتی نہیں۔ کچھ مچھلیاں تو ہیں نہیں جو سڑی جاتی ہیں۔ جب تم لوگوں نے میری دہلیز کی خاک لے ڈالی تب میں نے منگنی کی۔ اور اب یہ باتیں ہیں مگر اب بھی کچھ بندی کو ایسی پرواہ نہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میری لڑکی کو کوئی نہ پوچھے گا، اور نہ پوچھے تو بلا سے نہ پوچھے۔ اس کو کسی بات کی کمی ہے۔" یہ کہہ کر کوسنا شروع کیا کہ "یا سامری جس طرح میری بچی کو لوگوں نے بدنام کیا ہے ان کی کنواریوں کے آگے آئے۔ ان کی بھی بڑی یونہی بکھانی جائیں۔"

غرضکہ ایسا کچھ اس کو آڑے ہاتھوں لیا کہ کچھ کہتے بن نہ پڑا۔ اتنا تو کہا کہ "میں کب کہتا ہوں کہ ملکہ خراب ہے۔ لیکن شادی کب کرو گی؟"

اس نے کہا "کروں گی کیوں نہیں؟ اس کا باپ شاہ افراسیاب کے پاس سے آئے تو تیاری کروں۔ بیٹی میری دو ہاجو تو ہے نہیں، سبھی ارمان نکالنا ہے۔ کنوار چھل اتارنا ہے۔ گھبراؤ نہیں، میں خط اس کے باپ کو لکھتی ہوں، اور جلدی سامان کرتی ہوں۔"

یہ گفتگو سن کر ظالم رخصت ہوا۔لیکن اس نے روکا کہ ''آج کہاں جاؤ گے؟ کل چلے جانا''اور سامان دعوت مہیا کیا گیا۔مگر ملکہ کی حفاظت کے لئے ایک ساحرہ کو مخفی جانب باغ بھیجا کہ ''رات کو تحفظ بخوبی کرنا، کہیں جانے نہ دینا۔میں اُلجھی ہوں، مہمان کی خاطر داری میں ہوں، نہیں خود چلتی ۔تو یہاں سے جا، اور خاصدان میرا لے جا۔اگر ملکہ پوچھیں کہ کیوں آئی ہو تو کہنا آپ کی ماں نے گلوریاں بھیجی ہیں۔یہ ثابت اس کو نہ ہو کہ میرا پہرہ دینے یہ آئی ہیں۔''

(راستے میں ساحرہ کو سیارہ بے ہوش کر دیتا ہے، اور اس کی سی صورت بنا کے باغ میں جا پہنچتا ہے)

کنیزیں......سیارہ کو دیکھ کر بولیں کہ ''اے زینت بزم جادو کہاں آئیں؟''

اس نے کہا: ''بیبیو میں پان لے کر آئی ہوں۔''اور پاس جا کر چپکے سے کہا: ''ملکہ نے تو خوب گل کھلایا ہے۔اڑی اڑی طاق بیٹھی۔ان کا سسرا یہ خبر سن کر آیا ہے۔مجھے ان کی ماں نے یہیں ٹھیرنے کو بھیجا ہے۔صاحب زادی ہیں کہاں؟ ذرا میں تو دیکھوں کہ اپنا کیا حال بنایا ہے۔اور مجھے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میرے پہرے سے نہ نکل جائے جو میری ناک چوٹی کٹے۔سامری آبرو رکھیں۔''

یہ تقریر سن کر سب عورتوں نے کہا: ''ملکہ وہ سامنے بارہ دری میں پلنگ پر مردہ سی پڑی ہیں۔بہن، خوب ہوا جو تم آئیں۔ہم بھی ڈر رہے تھے کہ ایسا نہ ہو کہیں جائے تو ہم پر آفت آئے۔اب تم جانو تمہارا کام جانے۔ہم وہاں جائیں گے بھی نہیں۔''

یہ کہہ کر سب کنارے ہوئیں، اور سیارہ اندر بارہ دری کے آیا اور آہستہ، در کی آڑ میں ٹھیر کر۔چاہا کہ سنوں ملکہ کیا کہتی ہے۔دیکھا کہ سوگند پلنگ کی پٹی کے نیچے لیٹی ہے، اور ملکہ اس سے چپکے چپکے کہہ رہی ہے کہ ''کیوں سوگند، اس وقت قاسم کیا کرتے ہوں گے؟''

اس نے جواب دیا کہ ''آپ کی محبت کا دم بھرتے ہوں گے۔''

ملکہ نے کہا: ''نہیں معلوم میرے پکڑ آنے کے بعد ان کے دل پر کیا گذری ہوگی۔ہائے کوئی انہیں تسکین دینے والا بھی نہ ہوگا۔کہیں ایسا تو نہ ہو اپنی جان دے دیں۔افسوس، کس کو ان تک بھیجوں، اور ان کی خیر و عافیت منگواؤں۔''یہ کہہ کر زار زار روئی......

سیارہ اس حال کو ملکہ کے دیکھ کر کڑھا، اور پاؤں کی آہٹ دی۔ملکہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، اور اس کو آتے جان کر چپ ہو رہی۔اور سوگند نے بھی ادھر نظر کی۔اس سے اشارے

سے کہا کہ میرے پاس آؤ۔ سوگند گھبرائی کہ دیکھئے کہ یہ کیا کہے گی، مگر بناچاری اٹھ آئی۔
سیارہ اس کو بارہ دری کے ایک کونے میں ہاتھ پکڑ کر لایا۔ پہلے تو تمسخر کی راہ سے اس کو بوکھلایا کہ ''کیوں ری، تو نے خوب ملکہ کو بدراہ کیا۔ یاروں کی بغل میں لے جا کر سلایا۔''
سوگند یہ بات سن کر ڈر گئی، اور لگی کانپنے اور قسمیں کھائیں کہ ''میں نہیں جانتی۔ کیسے یار؟ تم کیا کہتی ہو؟''
اس نے کہا: ''میں سب جانتی ہوں۔ پہلی رات کو تیغۂ سحر دے ساحروں کو قتل کرایا، دوسری رات کو ساتھ سوئی۔''
سوگند یہ باتیں سن کر بہت خائف ولرزاں ہوئی۔ سیارہ نے کہا: ''اگر تو میرے گلے سے لگ جائے تو میں تجھے قاسم پاس لے چلوں۔''
سوگند اس کے گلے سے عورت جان کر لپٹی۔ اس نے خوب لپٹایا، پیار کیا۔ سوگند نے کہا: ''بتاؤ! کیوں کر ہمیں لے چلو گی؟''
اس وقت اس نے کہا: ''میں سیارہ ہوں۔''
سوگند جھجک کر تیوریاں چڑھا کر، برا بھلا کہتی آغوش سے تڑپ کر نکلی، اور جا کر ملکہ پاس چپکی بیٹھ رہی۔
شہزادی نے پوچھا کہ ''کیا تھا؟ کہاں گئی تھی؟''
اس نے کہا: ''میری بلا جانے! موئے آسیب کی خاصیت رکھتے ہیں۔ جہاں دیکھو وہاں موجود۔''
شہزادی نے کہا: ''اری کون ہے؟ کیا بکتی ہے؟''
سوگند بولی: ''وہی موا تانتیا عیار ہے قاسم کا، اور کون ہے۔''
(سیارہ ملکہ کو بے ہوش کر کے کندھے پر لاد لیتا ہے، سوگند جادو سے کنیزوں کو سلا دیتی ہے۔ اس طرح یہ تینوں قاسم سے پھر آملتے ہیں، اور وہی رنگ رلیاں شروع ہو جاتی ہیں)
(دوسری طرف کنیزیں جا کر حنظل کو ملکہ کے غائب ہونے کی خبر دیتی ہیں)
حنظل سمدھی کے سامنے اس خبر کو سن کر چپ ہو گئی، رنگ چہرے کا زرد ہو گیا۔ کاٹو تو خون نہیں، ہزاروں گھڑے پانی پڑ گیا۔ مگر کرتی کیا، سر جھکا کر رونے لگی۔
ظالم نے کہا: ''انہیں دنوں میں چھینکتا تھا، کیوں؟ دیکھا! خیر اب تمہیں کیا کہوں،

اس گیسو بریدہ کو سزا دینے جاتا ہوں۔''

(ظالم اڑتا ہوا جاتا ہے، اور قاسم کی محفل سے نرگسی جادو کو اٹھا لاتا ہے)

ظالم نے اس اسیر سلاسل الفت ملکۂ پرحسرت کو قلعے میں پہنچایا۔ حنظل شرمندہ، ندامت زدہ، برج قلعہ پر کھڑی چشم براہ انتظار تھی۔ جب ظالم آیا، اسے اور کچھ بن نہ پڑا، دوڑ کر سیدھی پاؤں پر گری اور کہا: ''بھائی! تم نے میری آبرو رکھ لی۔ اب اپنے دامن میں مجھے چھپا لو۔ تمہاری امانت ہے، اسی وقت اس نامراد کا گلا گھونٹ دو۔ سامری کی قسم، میں اُف نہ کروں گی۔ مجھے آہ نہ آئے گی۔'' یہ کہہ کر ملکہ کو دو تین تھپڑ مار کر، ایک زنجیر طلائی منگا کر پاؤں میں پہنائی، اور بغصہ وعتاب خطاب کیا کہ ''اے مردار، جو تو پرائے گھر کی نہ ہوتی اور میرا اختیار ہوتا تو پیپے پر رکھ کر بوٹیاں کاٹتی، اور چیل کوؤں کو بانٹتی۔''

یہ کہہ کر حکم کیا کہ ایوان شاہی میں جو پائیں باغ ہے وہاں لے جا کر اس کو قید کرو۔ ملازم ملکہ کو لے گئے، اور کئی جادوگرنیاں واسطے نگہبانی کے مقرر ہوئیں......

رات کو حنظل نے آ کر جو بیٹی کا حال دیکھا، محبت مادری سے کلیجہ منہ کو آیا۔

سمجھانے لگی کہ ''مرتی ہے کیوں — ترک خورد خواب کرتی ہے کیوں
ثابت کچھ اثر ستارے کا ہے — اس چاند کو کیا گہن لگا ہے
صورت تری زار ہو گئی ہے — گل ہو کے تو خار ہو گئی ہے
رحم اپنی جوانی پر ذرا کر — منہ دیکھ تو آئینہ منگا کر
ہے ہے تری عقل کس نے کھوئی؟ — ناجنس کو چاہتا ہے کوئی؟
محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند — توبہ کا در کیا نہیں بند
بھولے سے بھی کر نہ یاد قاسم — پھر گھر وہی، تو وہی، وہی ہم
سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار — اب مان نہ مان تو ہے مختار
تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں؟ — تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں؟
غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے — دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے''
جھنجلائی وہ خستہ دل کہ ''بس بس — تم ایک کہو گی تو میں دس
رنجور جو ہوں تو میں، تمہیں کیا؟ — مجبور جو ہوں تو میں، تمہیں کیا؟
مانا مری حالت اب ردی ہے — بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے

بلبل اسی رشکِ گل کی ہوں میں — تم کیا ہو، ہزار میں کہوں میں'
سوچی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی — ہے بلکہ برنگِ زلف الجھتی
کچھ روگ جو درپے خلش ہو — درماں کے لئے دوا دوش ہو
بیماری عشق لا دوا ہے — اس باغ کی اور ہی ہوا ہے

حنظل ناچار برج پر چلی گئی۔

(ظالم ملکہ کو اٹھا کر لے گیا تو قاسم بے ہوش ہو کر گر پڑا)

سیارہ نے گلاب کیوڑہ چھڑک کر ہوشیار کیا۔ جب آنکھ کھلی تو وہی بلبلانا، شور مچانا، اور نعرۂ وآہ مارنا، بار بار اضطرابِ دل سے یہ لب پہ لانا کہ:

''غم اب تو ملا بجائے آرام ہمیں — اک لحظہ نہیں ہے ہائے آرام ہمیں
آتے نہیں خواب میں بھی وہ لوگ نظر — دیکھے سے جنہوں کے آئے آرام ہمیں''

سیارہ شہزادے کا گو کہ عیار ہے مگر لنگوٹیا یار ہے، جس شہزادی سے ان کے باپ پیدا ہوئے ہیں، اس کی یہ وزیرزادی سے پیدا ہوا ہے۔ جس طرح عمرو امیر سے ہنستا ہے، برا بھلا کہہ لیتا ہے، اسی طرح یہ بھی شہزادے سے کیا بلکہ ان کے باپ سے گستاخ ہے۔ اس وقت بے کسی پر ملکہ اور شہزادے کے دل تو اس کا جلا، مگر غفلت پر ان کی اس کو غصہ آیا گویا ہوا کہ ''بس دیکھی بہادری آپ کی! یہی دعوئے شجاعت تھا! تیغہ لیتے ہی رہے، اٹھایا نہ گیا، بہت بھاری تھا۔ اس وقت رانڈوں کی طرح ٹسوے گھلانا، اوئی اللہ کہہ کر، سر پر ہاتھ دھر کر رونا آتا ہے۔ اس سے وہ بیچاری عورت اچھی تھی جو جان بیچ کر تین بار چلی آئی۔ جاؤ میاں، تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ ظالم جادو اس کا سسرا ہے، جاتے ہی ملکہ کو اپنے بیٹے کے پاس لے جائے گا۔ کچھ عشق بازی دل لگی نہیں کہ:

عشق بازی نام سربازی کا ہے'

قاسم کو اس کی باتوں سے غضب طاری ہوا، اور فرمایا: ''انشاء اللہ! نرگس کوہ میں گھس کر ایسی تلواریں ماروں کہ یہ ساحرانِ غدار یاد ہی تو کریں گے۔ دریائے خون بہا دوں گا۔ گھوڑا میرا جلدی حاضر کر۔''

سیارہ طعنے دینے کو تو آندھی تھا، اب بربادی کو جو شہزادے کی خیال آیا، عرض رسا ہوا کہ ''آپ ٹھہریئے۔ میں جاتا ہوں۔''

قاسم نے کہا، ’’اب ٹھیرنا کجا کہ:

عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل
وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو‘‘۔

(قاسم حنظل کے قلعے پر فوج کشی کرتا ہے۔ ظالم جادو اور ملکہ کی دایہ حسامہ جادو مارے جاتے ہیں۔ حنظل اپنی فوج کو قلعے کے اندر بلا لیتی ہے)

قاسم نے جب میدان صاف دیکھا، فرمایا: ’’آج تو دن تمام ہو چکا ہے، کل قلعے پر حملہ کروں گا۔‘‘ یہ فرما کر اسی جگہ خیمہ استادہ کرا کر، قلعے کو محصور کر کے اترا۔ مگر دل سے خیال کیا، سب کشت و خون وغیرہ ہوا لیکن دلدار کا کہیں پتہ نہ ملا۔ یہ سوچ کر بے قراریاں کرنے لگا...... اسی بے تابی میں سیارہ کو بلا کر ارشاد کیا کہ ’’اب کام ہمارا تمام ہے۔‘‘

اس نے عرض کیا: ’’عشق کا یہی انجام ہے۔ مر جایئے گا تو نام عشق میں کر جایئے گا۔‘‘

قاسم نے کہا: ’’یار بھی ہم سے جدا ہے، اور اجل بھی ہم سے خفا ہے۔ اب شب فراق ڈرانے کو آتی ہے، چشم سیارگاں سے آنکھیں دکھاتی ہے۔‘‘

سیارہ نے حال ابتر شہزادے کا دیکھ کر رحم کھایا، اور جتنا دن باقی تھا بیٹھا سمجھایا کیا۔

(رات کو سیارہ ایک محل دار کو بے ہوش کر کے اور اس کی سی شکل بنا کے قلعے کے اندر جا پہنچتا ہے)

راہ میں سوچا کہ حنظل برج قلعہ پر آج کل رہتی ہے، وہیں ملکہ بھی ہو گی۔ یہ سوچ کر اسی جانب چلا۔ جب قریب برج کے پہنچا، ایک کہاری ادھر سے آتی تھی۔ اس نے سلام کر کے کہا: ’’بی محل دار! کہاں تھیں؟ حضور کئی بار یاد کر چکیں۔‘‘

سیارہ نے جواب دیا کہ ’’بی! کیا کہوں؟ خوب ہوا جو میں یہاں نہ تھی، نہیں کٹنا پے میں پکڑی جاتی۔ بھلا سناؤ تو، کیا ماجرا گزرا؟ کچھ حال تو کہو۔‘‘

کہاری نے کہا: ’’بس زبان نہ کھلواؤ۔ وہی مثل ہے، کیا اور کر نہ جانا، میں ہوتی تو کر دکھاتی۔ اے بی! کیا تم ننھی ہو؟ لشکر لئے یار تو گھر گھیرے پڑا ہے، اور پھر تم مجھ سے پوچھتی ہو کہ کیا ہوا؟‘‘

سیارہ نے کہا: ’’میرے سر کی قسم ہم کو ہے ہے کرے جو نہ بتائے۔ سچ کہو کیا معاملہ ہے۔‘‘

کہاری نے کہا: ’’حاشا اللہ، بی بی، میں کانوں پر ہاتھ دھرتی ہوں۔ جس کا پاپ اس کا

پاپ ! میں نہیں جانتی کہ ملکہ نے کیا کیا۔ ہاں ہاں، اتنا تو سنا کہ کہیں دھگڑے پاس پکڑی گئیں۔ لو، بی بی، یہ شہزادیاں ہیں جن کو محل کیا، کوئی کونا، آڑ بھی نصیب نہ تھا! بیچ میدان میں!''

محل دار نے کہا: ''بچی ہے نادان، وہ کیا جانے اور وہ مردوا بھی ایسا کچھ داریہ نہ ہوگا، کسی کا نھالاڈلا ہوگا۔ پھر میدان نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟''

کہاری تڑق کر بولی کہ ''بی، بیٹھو! ایسی ننھی ہیں کہ روٹی کو لوٹی، پانی کو مم کہتی ہیں، منہ سے دودھ کی بو آتی ہے! نو جائے، دس کھلائے۔ شادی ہو جاتی تو چار بچوں کی ماں ہوتیں۔ اتنا جانتی نہیں کہ آشنائی یوں کرتے ہیں! یہ نہ جانتی تھیں کہ بیچ میدان میں جو ہم لے کر بیٹھتے ہیں، اس کا انجام کیا ہوگا! آدمی اپنا آگم اندیشہ تو سوچ لیتا ہے۔ اب اچھا ہوا کہ دوبار پکڑآئیں؟ اکیلے گھر میں تھکاری پہنے پڑی رہتی ہیں۔''

سیارہ نے کہا ''حنظل نے اپنے پاس قید کیا ہوگا؟''

کہاری نے جواب دیا: ''نہیں، ایوان شاہی میں جو پائیں باغ بنا ہے۔ وہاں قید ہیں۔ حنظل آپ ان کا پہرہ دیتیں یا لڑائی کا بندوبست کرتیں۔ شابش کہو عورت ذات کو جو سب طرف کی تاک رکھتی ہے۔''

سیارہ نے کہا: ''خیر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں حضور پاس تو ہو آؤں۔''

یہ کہہ کر آگے چلا...... اندر قصر کے گیا۔ ہر سمت دروازے لگے تھے، بیچ ایوان میں تخت شاہی بچھا تھا، کرسیاں دنگل قرینے سے سجے تھے۔ ایک طرف زنانی ڈیوڑھی پر پردہ زنبوری پڑا تھا۔ ہزار ہا حاجب کھڑا تھا۔ لیکن یہ پردہ اٹھا کر اندر چلا۔ دربان نے پوچھا: ''کہاں جاؤ گی؟''

اس نے پھر کر کہا: ''مونڈی کاٹے اپنے بیگانے کو نہیں پہچانتے۔ محل دار! میں مدت کی آنے جانے والی، آج مجھے بھول گیا!''

سپاہی بولا کہ ''محل دار، آج تو تم ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو۔''

ایک شخص بولا: ''آج جوبن بھی زیادہ ہے!''

محل دار نے کہا: ''شامتیں آئی ہیں، موئے زبان کا مزا نکالتے ہیں!'' یہ کہہ کر اندر پردے کے جا کر ہاتھ نکال کر انگوٹھا دکھایا کہ ''ناشدنیو، تم ارمان میں رہو گے اور میں ہتے نہ چڑھوں گی۔''

غرضکہ آگے بڑھا۔ اندر محل کے ایک آدھ نے پوچھا کہ "بی محل دار، کیا ہے؟"
کہا: "موئے سپاہی ایسا ہنساتے ہیں۔ کہ پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ زیر ناف درد ہونے لگا۔"

خلاصہ کلام، آگے چل کر قلماقنیوں، ترکنوں، حبشنوں کے عملے کو طے کر کے باورچی خانے سے گذر کر دو دو منہ ہر ایک سے ہنستی، باتیں بناتی پائیں باغ میں آئی...... سیارہ ہر سمت دیکھتا، صحنچیوں میں کنیزوں، انیسوں، جلیسوں کی باتیں سنتا جاتا تھا۔ کوئی کہتی تھی "دیکھئے اس عشق کا انجام کیا ہوتا ہے؟"

دوسری جواب دہ تھی کہ "دو میں ایک کی جان جائے گی، سر کٹے گا، اور کیا ہوگا!"
کوئی انگشت بدنداں تھی، ہاہا کرتی تھی۔ کوئی ناک بھوں چڑھائے کہتی تھی کہ "اتنے سے بت پر اس چھوکری نے یہ آفت ڈھائی کہ مردوا ساتھ لگا لائی۔ اماں باوا کی ناک کٹوائی۔ یہ معرکہ ڈال دیا۔"

اسی طرح کوئی پاندان کھولے پان کھاتی تھی، کوئی مسّی لگاتی تھی، کوئی کہانی کہتی تھی کہ "ایک تھا بادشاہ۔ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ۔ کہانی ایسی جھوٹی نہیں، بات ایسی میٹھی نہیں۔"

یہی کیفیت سیارہ دیکھتا سنتا بارہ دری تک پہنچا، یہاں تلنگنوں کا پہرہ کھڑا تھا۔ ایک تلنگن پکاری، "ہو کس ویئر؟"

سیارہ نے کہا: "محل دار۔"
تلنگن بولی کہ "اندر نہ جانا۔"

محل دار نے کہا: "نہ جاؤں گی۔ مجھے کیا پڑی ہے؟ جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ پہرے والیوں کا تو راج ہے، اپنا پرایا کچھ پہچانتی نہیں۔ صاحب! ماں کی مامتا، اس نے تو خیر صلا کو بھیجا، گلوریاں بھیجیں۔ ہم ہر وقت کے پاس رہنے والے لے کر آئے ہیں۔ یہ کہتی ہیں۔ اندر نہ جانا، میں سچ کہوں۔ جمشید قسم، مجھے آج تک کسی نے روکا نہیں۔ میں جوتی کی نوک پر ایسی نوکری مارتی ہوں۔ کیا مجھے ناک کاٹیوں نے کٹنی مشاطہ مقرر کیا ہے جو جانے کی مناہی کرتی ہیں؟ ملکہ اتنے پہرے میں جو آ گئی ہے، جانتی ہیں اب ماں بیٹی میں ملاپ نہ ہوگا۔ وہی مثل ہے۔ ماں بیٹیوں میں لڑائی ہوئی، لوگوں نے جانا بیر پڑی۔"

یہ کہہ کر پھر سیارہ چلا۔ دوسری پہرے والی نے جو پہرے پر تھی اس سے کہا: "اری

جانے دے، سچ ہے، یہ لوگ ناک کا بال ہیں۔ دو دن میں ایک ہو جائیں گے، اور اس وقت معلوم نہیں یہ کیا کیا جا کر لگائے گی۔ ہم تم پہرے کے لئے ہیں، کبھی سامنے جانا نصیب نہیں ہوتا، پھر ہماری کون سنے گا؟''

یہ کلام تلنگنی نے سن کر محل دار کو پکارا کہ ''بی محل دار، خفا نہ ہو۔ جاؤ، جاؤ، ہم بھی تو حکم کے تابع ہیں، اگر نہ روکتے، ابھی تم الزام دیتیں کہ تم کیسا پہرے پر کھڑی تھیں کہ میں چلی گئی اور کسی نے نہ روکا۔''

محل دار نے کہا: ''بی بی، سچ کہتی ہو، مگر اجنبی کو روکتے ہیں۔''

یہ کہتا ہوا سیارہ اندر بارہ دری کے گیا...... ایک طرف پلنگڑی پر ملکہ زنجیر پہنے پڑی کراہتی ہے، اور چار ساحرہ معزز کھٹولی بچھائے پہرہ دینے ملکہ کا بیٹھی ہیں...... سیارہ جب آگے بڑھا جادوگرنیوں نے پوچھا، ''بی محل دار، کہاں آئیں؟''

محل دار نے سلام کیا اور کہا: ''بی بی، حکم حاکم سے ناچاری ہے، نہیں تو یہاں آتے بوٹی کانپتی ہے۔ لو یہ گلوریاں حضور نے شہزادی کے لئے بھیجی ہیں، اور فرمایا ہے کہ سمجھا کر ان کو کھلانا کہ بچپنے سے ملکہ کو پان پر پان کھانے کی عادت ہے۔ ایسا نہ ہو تو ترک عادت سے بیمار ہو جائے۔'' یہ کہہ کر خاص دان سے چاروں کو گلوریاں نکال کر دیں کہ ''تم بھی کھاؤ، ملکہ سب تھوڑی کھائیں گی۔ رئیس کے یہاں سارا مال نوکر چکھتے ہیں، آدھے کا تیہا سرکار کو ملتا ہے۔ سونے کا خاص دان بھی اپنے پاس رکھو۔''

(جادوگرنیوں کو بے ہوش کر کے سیارہ ملکہ کو اٹھا لے جاتا ہے۔ اتنے میں حنظل آکے اسے گرفتار کر لیتی ہے۔ بہر حال وہ پھر چھوٹ نکلتا ہے۔ قاسم قلعے پر حملہ کرتا ہے اور ملکہ کے منگیتر طولان کو مار ڈالتا ہے)

حنظل...... روتی ہوئی: ''ہائے میرے مرادوں والے دولہا، افسوس! تو ناشاد دنیا سے گیا'' کہتی ہوئی لاش پر آئی، خوب روئی اور پیٹی۔ چلائی کہ:

''جو گل نہ کھلنے پائے تھے پھول ان کے ہو گئے
مسند سے دولہا اٹھتے ہی تکئے میں سو گئے

ہائے، آئی برات، میرے نوشا کدھر گئے؟ اے میرے غیرت والے! اب میری بیٹی کا راج اور سہاگ کون کرے گا! ہائے وہ جنم کی رنڈیا ہو گئی، ہائے اس کی مانگ اجڑ

گئی۔ تم کیسی میٹھی نیند رات بھر کے جاگے پاؤں پھیلائے سو رہے ہو۔ آج عروس مرگ سے ہم کنار ہوئے، آغوش لحد میں جا کر لیٹے۔''

(اب آفت جادو قاسم کے مقابلے پر آتی ہے، اور اسے پکڑ لے جاتی ہے۔ سیارہ بھی پیچھے پیچھے باغ میں پہنچتا ہے)

فی الفور صورت اپنی مالن کی ایسی بنائی۔ پاؤں میں کڑے، انوٹ، بچھوے پہنے، چنری سرخ اوڑھی، لہنگے پر سوائی لگائی، زلف غالیہ بیز عنبر آگیں کو رخسارۂ رنگین پر چھوڑا، اور چشم غزالیں کو سرمہ آگیں کیا...... پھولوں کی ٹوکری ہاتھ پر رکھ کر چھم چھم کرتی در باغ پر آئی......

جب آگے بڑھی، باغبانوں نے پوچھا کہ ''تم کون ہو؟''

اس نے کہا کہ ''سرکار کی مالن۔ جتنے حنظل کے ملازم ہیں سب کے پاس ہمیشہ سے آتی جاتی ہوں۔ آج یہاں مالک آئے ہیں، میرا بھی جی چاہا کہ اس باغ کو دیکھ آؤں؟''

باغبان بولے کہ ''تم اکیلے میں آیا کرو۔ اس وقت تو جاؤ، مگر یاروں کو نہ بھولنا۔ ہم تو تمہاری ادا کے دوانے ہیں۔''

ایک نے کہا: ''ذرا منہ پھیر کر ہنس تو دو۔''

دوسرا بولا کہ ''ہنسی اور پھنسی۔''

غرض یہ تو سب آوازے کسنے لگے، مگر باغبانوں کے چودھری کا لڑکا تو مالن کے سرو قامت کو دیکھ کر قمری کی طرح شوق و محبت در گلو ہوا، اور سیب ذقن پر جان شیریں کھونے لگا۔ اٹھ کر ساتھ چلا، اور کہتا جاتا تھا کہ ''اے جان جہاں، مجھے اپنے گل رخسار کا بلبل سمجھ کہ:

دکھا دیں ہم دل پر داغ، دل اے یار دیکھو گے؟
عجب ہی سیر سوجھے گی جو یہ گلزار دیکھو گے
لگی ہے آگ سینے میں جگر جل جائے گا غم سے
بہیں گے اشک آنکھوں سے مژدہ خونبار دیکھو گے''

یہ کہہ کر نزدیک جا کر ہاتھ پکڑ لیا کہ ''میری جان ہی جاتی ہے۔ ذرا میرے ساتھ آؤ۔''

مالن نے مسکرا کر کہا کہ ''اپنی بھینا کو بلاؤ! آگ لگاؤں تیری باتوں کو کیا جلد مزے میں آ گیا۔''

باغبان ایسا بے تاب تھا کہ اس کی باتوں کو غمزہ و ناز جان کر آغوش میں اٹھا کر جس

کوٹھڑی میں کہ آپ رہتا تھا لایا۔ یہاں ایک کونے میں امرود رکھے تھے، ایک میں شریفوں کی پال پڑی تھی، کہیں بیج رکھے تھے، میٹھے کدو ڈھیر تھے، بیچ میں کھتری بچھی تھی، اس پر مالن کو بٹھایا۔

(سیارہ اور قاسم مل کر آفت جادو کو مار ڈالتے ہیں۔ اب ملکہ کا باپ زنار جادو مقابلے پر آتا ہے۔ وہ جادو کے زور سے قاسم اور سیارہ کو پکڑ لے جاتا ہے۔ اور زمین پر جادو کے دو پتلے ان دونوں کے ہم شکل ڈال دیتا ہے۔ مسلمانوں کی فوج سمجھتی ہے کہ یہ دونوں کام آئے)

امیر آ کر جنازے کے ہمراہ ہوئے، اور آنسوؤں سے رونے لگے۔ مگر جو سردار اور تھے انہوں نے شور واویلا فلک کو پہنچایا۔ جس قدر لشکر کے دکان دار، اہل حرفہ تھے وہ سب روتے تھے اور علم شاہ باپ کو قاسم کے غش پہ غش آتے تھے۔ ایرج نوجوان فرزند قاسم لاش پدر سے لپٹا تھا، اور کہتا تھا: ''اے والد! مجھ خستہ جگر کے سر پر کون دست شفقت رکھے گا؟''

آخر وہ دونوں لاشیں بارگاہ میں آ کر رکھی گئیں، صف ماتم بچھ گئی۔ یہ خبر محلات امیر میں پہنچی۔ ملکہ خورشید خاوری مادر قاسم یہ کہہ کر کہ ''ہائے میری کوکھ اجڑ گئی!'' فرش خاک پر گری۔ اور زوجۂ قاسم ملکہ گیتی افروز، دختر لقا نے چوڑیاں توڑیں، نتھ اتاری، پچھاڑیں کھانے لگی کہ ''ہے ہے، میرا راج سہاگ لٹ گیا!'' پھر تو ملکہ رابعہ زربفت اطلس پوش اور علم شاہ کے بین کسی سے سنے نہ جاتے تھے۔ جب وہ کہتی تھی کہ ''اے میرے کڑیل جوان، بیٹا، تمہاری برات نرگس کوہ سے پھر آئی۔ چاندی بنو بیاہ کر نہ لائے۔ اے میرے گیسوؤں والے، میرے نازوں کے پالے، تجھے کیسے نیند آ گئی؟ کون سی نظر کھا گئی؟'' اس وقت بائیس ہزار عورت گرد حلقہ باندھے، دو ہتڑ سرد سینے پر لگاتی تھیں، کہرام برپا تھا، پٹس پڑی تھی، در و دیوار، زمین و زمان روتا تھا ایک ہنگامۂ ماتم برپا تھا۔

ایک بولی کہ ''ہائے اے بیٹا — اپنی آواز پھر سنا دے ذرا''
اک کھڑی آہ سرد بھرتی تھی — روتی تھی اور بین کرتی تھی
نخل شاداب نوجوانی ہائے — اختر برج کامرانی ہائے
گر پڑا خاک پر قلم ہو کر — چل بسا راہی عدم ہو کر

(جلد اول)

بکٹ کہانی

گرد بارگاہ کے بکٹ کھڑا تھا۔ گوروں کا گارد اترا ہوا تھا۔ کرچیں اُپی ہوئی ننگی ہاتھوں میں گورے لئے ہر سمت ٹہلتے تھے۔ بر گیڈیر کرسی پر بیٹھا تھا۔ کوٹ ہتیاروں کا بندھا تھا۔ سیارۂ رومی غول عیاروں کا ساتھ لئے، بانے عیاری کے جسم پر لگائے، بارگاہ کے چارطرف پھرتا تھا۔ اور علاوہ اس کے لشکر میں جس سردار کا طلایہ تھا وہ ساٹھ ہزار سوار اپنے ساتھ مسلح و مکمل لئے روند پھرتا، نرسنگا پھونکتا۔ دیئے کی چوکیاں مقرر، چور مشعلیں اور سن مہتابیں روشن، ''بیدار باش و ناظر باش'' کی صدا بلند، ہوشیار ہر سردار ارجمند۔ ہر خیمے میں ہنگامۂ عشرت برپا۔ کوئی سپاہی بستر پر اپنی رنڈی سے جگت بولتا۔ کوئی گلہ و شکوہ کرتے کرتے لڑنے لگتا۔ کوئی اختلاط میں سرگرم، کہیں گانے بجانے کا چرچا۔ آرا ستگئی بزم، کہیں چوسر ہوتی، گنجفے میں خلال دینے کی شدت، قہقہے پڑتے ہیں۔ داستاں ہوتی، کوئی شاہنامہ پڑھ رہا، کوئی اپنے گھر کا ذکر کرتا، کوئی آگے کی فکر کرتا کہ مجھ کو ایسا کچھ کرنا ہے۔

(جلد سوم)

ہٹو بچو

خواجہ (عمرو) سوار ہوئے۔ طبل و نقارے بجے۔ صدائے طرقوا پیدا ہوئی، باغ سے سواری آگے بڑھی۔ باد بہاری جلو میں چلی۔ نقارچی زری پوش نقاروں کا بجاتے، اس کے پیچھے شتر سوار سانڈنیاں اڑاتے، پھر خاص غول باندھے، پلٹنیں اور رسالے باجے جنگی بجاتے چلے۔ بعد ان کے طفلان قمر پیکر لوٹے تخلخوں کے منقلہائے عود و عنبر لئے، عود برکی کا بکٹا ڈالتے، دشت کو رشک دشت تتار بناتے گزرتے۔ پھر تخت عمرو کا برآمد ہوا۔ چارسو پریزادیں طلسم کی چنور بال ہما کا لئے، مگس رانی کرتی ہوئی، اور کئی ہزار خواص آنچل پلو کے دوپٹے اوڑھے حسن میں یگانۂ دہر، جواہر کار زیور پہنے، چنگیر دان و عطردان و اُگال دان وغیرہ عہدے ہاتھوں میں لئے، کہار قدم با قدم تخت اٹھائے اس طرح سے کہ تکان نہ ہو رواں ہوئے......

نقیب آگے آگے صداہائے ادب و تفاوت لگاتے تھے۔ ''بڑھے عمرو دولت شیران بہادر!'' کہہ کر للکارتے تھے۔

(جلد دوم)

آٹھوں گانٹھ کمیت

(۱)

افراسیاب نے حیرت سے پوچھا کہ ''تمہارے ملک میں پانچ کٹنیاں رہتی تھیں، انہیں طلب کرو۔''

حیرت نے بموجب ارشاد چوبدار روانہ کیا۔ اس نے کٹنیوں کو اطلاع دی۔ پانچوں حسب الطلب لباس مکاری زیب بدن کر کے خدمت شہنشاہ میں حاضر ہوئیں۔ یہ پانچوں فریب اور دغا بازی میں شیطان کو درس دیتی تھیں، اور نیرنگ سازی وعربدہ پردازی ونقش بازی میں وہم وخیال کو سبق پڑھاتی تھیں...... انہوں نے جب شاہ کو تسلیم کی، اس نے پوچھا کہ ''تم کیا کرسکتی ہو؟''

کٹنیوں نے جو شاہ کو اپنی جانب مخاطب پایا، اور موقع جسارت دیکھا، فوراً قریب تخت آئیں، اور بلا گردان ہوئیں کہ ''ہم تیرے واری اور نثار ہو جائیں۔ اور صدقے جائیں۔ ہمارے کام کو آپ کیا پوچھتے ہیں؟ ہم نے سینکڑوں گھر غارت کر دیئے، لاکھوں کو بہلا کر، پھسلا کر بیچ ڈالا، ہزاروں نسبتیں اور بیاہ کرا دیئے۔ اور صدہا طلاقیں دلا دیں۔ آپس میں دو شیدائے محبت کے جانی دشمنی کرا دی، اور بہت بہو بیٹیاں جن کا دامن تک کسی نے نہ دیکھا تھا ان کو نو نو بار یار کرا دیئے۔ اور بڑے بڑے اڑیل مہاجنوں کے گھر بھید بتا کر چوروں کو کدایا۔ جہاں ہوا نہ جاسکتی تھی وہاں کا حال بتایا۔ اب دنیا میں تو کوئی جعل اور فریب ایسا نہ ہوگا جو ہم کو آتا نہ ہو۔ ہم آگ لگا کے پانی کو دوڑتے ہیں، دوست رہتے ہیں اور دشمنی کرتے ہیں۔ ہمارے کاٹے کا منتر نہیں۔ کہیئے تو زمین میں سما جائیں، اور دینار پشت ماہی تحت الثریٰ سے چرا لائیں، اور اگر فرمائیے تو فلک چہارم پر اپنے تئیں پہنچائیں اور ورق آفتاب سے سونا اتار لائیں۔ آسمان پھاڑ کر تھگلی لگانا ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ عرش اعظم ہلنے لگے، اس طرح دل ستائیں۔''

شہنشاہ نے یہ تقریر سن کر استفسار فرمایا کہ ''تم میں زیادہ استاد کون ہے؟''

انہوں نے اپنے میں ایک عورت کو بتایا کہ وہ سب سے زیادہ ضعیف اور نام اس کا

ہوشیار کٹنی ہے۔ اس کو سب نے کہا کہ یہ ہماری بڑی ملکہ، شیطان کی خالہ ہے، اور اکثر ہم کو فریب اس نے سکھایا ہے......

شہنشاہ ساحراں نے صفت ہوشیار کی سن کر ارشاد فرمایا کہ "مخمور سرخ چشم یہاں سے بھاگ کر لشکر مہ رخ میں گئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ اس کو گرفتار کرادے، اور وہاں سے نکال لائے......"

ہوشیار نے مراعات شہنشاہی اپنی نسبت دیکھ کر درجک مکاری، دہن سے شعبدہ سخن ظاہر کیا کہ "قربان جاؤں، یہ کون سی بڑی بات ہے جس کے لئے سرکار اس قدر مبالغہ تاکید میں فرماتے ہیں۔ ایسے کام تو میری چھوکریاں کر لیتی ہیں......مخمور اور عمرو وغیرہ کو باندھ کر اگر حضور میں نہ لاؤں تو نام اپنا ہوشیار نہ رکھا۔"......

(۲)

وہ محتالہ فقیرنی بن کر لشکر مہ رخ میں آئی۔ ہر طرف خیمہ و بارگاہ کے در پر مانگنے لگی۔ ایک دن سراپچے بارگاہ کے اٹھے تھے، اور مہ رخ سیر دشت کر رہی تھی، دربار معمور تھا۔ کہ اس عجوزہ نے روبرو آ کر دعا دی اور سوال کیا۔ مہ رخ نے اس کو بارگاہ میں بلایا، اور پوچھا کہ "بڑھیا، تو کون ہے؟"

اس نے کہا، "واری، میں سب عزیزوں کو کھا گئی۔ اب تنہا عاقبت کے بورے اٹھانے کو رہ گئی ہوں۔ ایک جگہ نوکری کی تھی، آپ جانئے اپنے مزاج وہی خوبو، کسی کی بات سہنے کی عادت نہیں۔ انہوں نے بھی چھڑا دیا۔ آخر بھیک مانگنے لگی۔ بی بی، اب بہت آرام سے ہوں۔ دن بھر بھیک مانگنا، اور شام کو پیر پھیلا کر سو رہنا......"

مہ رخ نے ارشاد فرمایا کہ "تو میرے یہاں بقیہ عمر اپنی بسر کر۔ سرکار سے کھانا دونوں وقت ملے گا، کپڑے دیے جائیں گے......اور کچھ کام تجھ سے نہ لیا جائے گا۔"

کٹنی نے یہ عنایت دیکھ کر زبان کو صفت و ثنا میں کھولا، اور براہ مکاری، درج دہن سے گوہر سخن کو میزان بیان میں تولا کہ "...... میں بھی یہی امید کر کے آئی ہوں۔ مدت العمر سایۂ عاطفت، پیرایۂ دامن دولت حضور میں رہوں، اور زمرۂ مناجاتیوں میں شمار کی جاؤں۔"

(عمرو عیار کٹنی کو پہچان لیتا ہے، اور آخر وہ عمرو کے ہاتھ سے ماری جاتی ہے)

(جلد اول)

جادو برحق، کرنے والا کافر

(۱)

آج کی رات ہر سمت اک شور محشر بپا تھا۔ کہیں ڈمرو بجتا تھا، کسی جا آسن بچھی تھی، سنکھ پھنکتا تھا۔ کوئی چپ بیٹھا دھیان کرتا تھا، کوئی مصروف اشنان میں۔ کسی نے پکار کر بیر بلائے تھے۔ کوئی مالا جپتا تھا، کوئی چپکا بیٹھا تھا۔ کہیں بھیروں اور نارسنگھ کی اگیارتھی، کہیں کا واحمد ابیر کی پکارتھی، کسی نے موہنی کی پڑھنت پڑھی، کسی نے لونا چماری کی بھینٹ دی، کسی نے بکرا حلال کیا تو کہیں سور چڑھایا گیا۔ کوئی منتر جگاتا تھا، اور کوئی جنتر بناتا تھا۔ کلیجڑیاں اور بھجنگے پر نچے پڑے تھے، کہیں انڈے کٹے تھے...... سکل ہوم کا دھواں سپہر دوار تک پیچیدہ ہو کر گھٹتا تھا۔ لونگ کا بخور ہو رہا تھا، شراب کی بوتل ہر کہیں لنڈھی تھی، زمین ہر جگہ لپی پتی تھی، کسی جا گوگل سلگ رہا تھا۔ جو چوکی سیوا کرتے تھے انہوں نے لوبان جلایا تھا، پون تانتے وقت سناٹے آتے تھے، ڈفلا بجنے سے ساحر گردن ہلاتے تھے، کوئی بیٹھا گردن کا خون اگیاری میں دیتا تھا، کوئی بائیں ہاتھ کی چھنگلیا چھیدتا تھا، کوئی جھومتا تھا، چومکھ جلا کر ڈنڈوت کر کے زمین چومتا تھا......

کڑھاؤ چڑھ گئے۔ موہن بھوگ کا بھوگ بیروں کو لگایا۔ منتر، جنتر، موہنی اور چوہنی اور سوہنی کی جاپ اور پڑھنت شروع ہوئی۔ کوئی پڑھتا تھا کہ ”کتھا، سیاہی، بنگلہ پان، ران ران، میرے دشمن کو ران۔ شہپال جوگی نے لگائی باڑی، ایک پھول ہنسے، ایک میں بیر بسے، جو سونگے میرا پھول اپنا گلا آپ کاٹ مرے۔ تجھ کو قسم لونا چماری کی، دہائی سامری کی، پڑھو منتر، دوالی میں جگایا۔ ایشر باچا۔ چھو، چھو، چھوا!“

بیروں کو بھینٹ دے کر قابو میں کیا، چوکیاں بلائیں...... ایک دوسرے نے حریفوں کے نام منتر کی جاپ کی، جوت کا ٹمیان اڑایا، مال کی گیلی پر ناریل ناری کے ساگ میں لپیٹ کر دیا جلایا۔ کالا بھجنگا اور کلچڑی اور نیل کنٹھ کے خون سے جوت اڑایا گیا۔ چراغ کی لو تیز کی۔ مسان کی مٹی، تیلی کے مردے کی راکھ، مرگھٹ کے ٹھیکرے، مردوں کی ہڈیاں جمع کر کے دستک پڑھنت کی تیار کی۔ ناریل اور ترنج و نارنج کی الگ مقرر کی۔ جے سامری و جمشید کی بول کر اگیاری بڑھائی۔ رات بھر کی دھونی رما کر سو رہے۔

(جلد اول)

(۲)

ہوم ہوتا تھا، جوت کا دیا جلتا تھا۔ کسی کسی طرف شہپال وزردشت کی پکار تھی، کہیں لونا چماری کلیجے کھانے پر تیار تھی۔ مردے کی ہڈیوں کے مالے جپتے تھے، تلسی کی پرستش کرتے تھے۔ کھوپری مردے کی سیندور سے رنگی رکھی تھی۔ ایک طرف دھتورے، پھل برگد کے جلتے تھے، بیرہنس ہنس کے باتیں کرتے تھے۔ گنڈے خون کے کھنچے تھے، اگیاری پر ہاتھ سینک کر منہ پر ملتے تھے۔ خاک اگیاری ماتھے پر ملتے تھے، بخت دشمن کو خاک سیاہ بتاتے تھے۔ سحر کی لاگیں تھیں، ڈھولے جھومتے تھے، پونیں اترا گئی تھیں، ڈمرو کی صدا سے ہندوئے چرخ گھبرایا تھا، سنیچرا اپنے اوپر چڑھا پایا تھا۔

(جلد دوم)

گنگنائے گی ضرور

رات کو طشت صاف کرنے کے لئے مہترانی مہ پارہ، ٹوکرا کمر پر رکھے، ہاتھوں میں نوگرہیاں اور پاؤں میں پیلی سونے کی پہنے، کان میں پتے، بالیاں اور جھمکے آراستہ کئے، بصد ناز و انداز، آنکھ ہر ایک سے ملاتی، اپنی آن بان دکھاتی جاتی تھی۔ برق (ایک عیار، عمرو کا ساتھی) نے جو اس کو دیکھا، سوچا کہ اندر بارگاہ کے جائے گی، اس کو لینا چاہئے۔ یہ سوچ کر قریب اس کے گیا اور یہ شعر پڑھا:

''دل میں تھی زہرہ جبینوں سے صفائی منظور
میری قسمت کا ستارہ ہوا جھاڑو پیدا''

جھاڑو کا نام سن کر مہترانی نے پھر کر دیکھا اور مسکرائی۔ برق نے کچھ اشرفیاں دکھائیں اور منت سے کہا: ''واسطہ سامری کا، ایک بات میری سنتی جاؤ۔''

مہترانی لالچ میں آکر اس کے پاس آئی، اور کہا: ''میاں تم پہلے وہ جو سامنے درخت لگا ہے، اور اس جگہ گوشہ تنہائی ہے، کوئی آتا جاتا نہیں ہے، وہاں جا کر ٹھیرو، میں آتی ہوں۔ یہاں بات کرنے میں بدنامی ہے۔ برادری میں پنچایت سے اٹھ جاؤں گی۔ حقہ پانی بند ہو جائے گا۔''

برق نے کہا: ''ہم تیرے عوض روٹی پکائیں گے۔''

مہترانی بولی کہ ''کیا ضرورت ہے؟ جو بات سہل ہو جائے اس کو مشکل کیوں کیجئے۔''

یہ سن کر برق اول تنہائی میں گیا۔ پیچھے مہترانی بھی ٹالا بالا دے کر وہیں آئی۔ اس نے اس کو اشرفیاں دیں، اور رخسار پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

مہترانی بولی کہ ''میں بات سننے آئی ہوں۔ یہ ٹھٹے بازی مجھے اچھی نہیں لگتی۔'' یہ کہہ کر جھاؤلی بنائی اور جانے لگی۔ برق نے ہاتھ بیہوشی کا بھرا ہوا تو منہ پر پھیرا ہی تھا۔ دو قدم آگے بڑھی تھی کہ بیہوش ہو کر گری۔ اس نے زیور اور پیرہن اس کا اتار کر آئینہ سامنے رکھ کر فتیۂ عیاری جلا کر اس کی صورت اپنی بنائی بلکہ اور زیادہ اپنے حسن کی ملاوٹ کی۔ مانگ سر پر نکالی، گلے میں چمپا کلی پہنی، دوپٹے کی گانی اس طرح سر پر باندھی کہ چھاتی کے ابھار پر سب کی نگاہ پڑے۔ رخسار ٹوکرا اُٹھانے کے بوجھ سے ایسے تمتما کر سرخ ہو گئے تھے کہ فی الحقیقت گلاب کو شرماتے تھے......

اس صوت زیبا سے تیار ہو کر بارگاہ کی سمت چلا۔ جس نے نگاہ کی، فریفتہ ہو گیا۔ سپاہی شعر عشق انگیز پڑھنے لگے۔ دربان آوازے کستے تھے۔ ایک بولا: ''بی مہترانی، جو کچھ گرا پڑا وہ یہاں سے بھی اٹھا لو۔''

دوسرے نے کہا: ''کیوں، تمہاری چوکی کون صاف کرتا ہے؟''

مہترانی نے مسکرا کر کہا: ''کچھ شامت آئی ہے، مجھ کو دل لگی باز بنایا ہے۔ دیکھو حضور سے آج کہوں گی۔''

یہ کہتی ہوئی اندر درگاہ کے گئی۔ اور جہاں ملازم اور کنیزان ماہرو کا مجمع دیکھا، ٹوکرا چوکی خانے میں رکھ کر آ بیٹھی کہ ''سامری سلامت رکھے ذرا سی تما کو تو کھلا دیجئے۔''

ایک کنیز نے پان لگا کر دیا، دوپٹے سے پکڑ لیا، جھک کر سلام کیا۔

ایک خواص بولی کہ ''میری بہو، کچھ گا!''

مہترانی نے ایک غزل گائی۔ اس میں ایک خواص کو احتیاج کی ضرورت ہوئی۔ اس نے کہا: ''تو بیٹھی مردار اٹھلاتی ہے، میرا مارے پیشاب کے برا حال ہے۔ جلد جا کر کما لے، ٹوکرا ہٹا لے تو میں جاؤں۔''

مہترانی نے کہا: ''بی بی خفا نہ ہو۔ چلو، چلتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اٹھی، پیچھے پیچھے خواص آفتابہ لیے آئی، مہترانی نے ٹوکرا ہٹا دیا اور کہا: ''آؤ۔'' وہ اندر جیسے ہی آئی، اس نے حباب بیہوشی مارا کہ اس کی آواز بھی نہ نکلی، بے ہوش ہوگئی۔ برق نے فوراً پیرہن اس کا اتارا۔ اور اس کو خوب بیہوش کر کے آپ اس کی ایسی صورت وہیں بیٹھ کر بنا۔ اور ایک قنات کی آڑ میں اس کو لٹا کر، اور اپنے ٹوکرے کو رکھ کر وہاں سے آیا اور جہاں سے وہ کنیز اٹھ کر گئی تھی اسی بستر پر آکر بیٹھا۔ لوگ سمجھے کہ مہترانی چلی گئی ہوگی۔

اس اثناء میں دوسرے درجے میں پلنگڑی جواہر کار آراستہ تھی، اور بیچ میں پردہ پڑا تھا۔ ادھر کنیزیں تھیں۔ اس طرف مصور (ایک جادوگر) لیٹا تھا۔ ایک کنیز کو انہیں میں سے بلا لیا تھا۔ اس سے اختلاط کر رہا تھا......

اسے بارگاہ کے متصل بارگاہ صورت نگار (مصور کی بیوی) کی برپا ہے۔ وہ اس وقت شوہر پاس آئی اور کنول بردارنیوں اور خواصوں کو در بارگاہ پر چھوڑ کر اکیلی پردہ اٹھا کر مصور پاس گئی۔ وہ کنیز کے اس وقت بوسے لے رہا تھا، اور کنیز بھی گردن میں ہاتھ ڈالے تھی۔

اس کیفیت کو صورت نگار دیکھ کر پیچھے ہٹی، اور مصور گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ کنیز بالوں کو سمیٹتی دوپٹہ اوڑھتی، پلنگ سے اٹھی۔ کہتی تھی کہ ''میاں تم تو ناحق مجھے بدنام کرتے ہو۔ میں راضی نہ ہوتی تھی۔ نگوڑا مارا زبردستی جو کوئی نوچا اور کھسوٹی کرے تو کیا کروں!''

لیکن مصور نے زوجہ سے اپنی کہا کہ ''اے ملکہ، آپ کر کیوں رہیں؟ آیئے، آیئے!'' صورت نگار نے کہا: ''کیا کروں آ کے؟ تم مزے اڑاؤ، مجھے بلا کر کیا کرو گے؟ کمبخت جو میں جانتی کہ یہاں یہ کرشمہ ہو رہا ہے تو کاہے کو آتی؟ پرائے مزے میں کھنڈت ڈالتی'' اور کنیز سے بولی کہ ''رہ تو، قحبہ، کیا باتیں بناتی دھگڑے پاس سے اٹھی ہے! اب کیا پوچھنا ہے ہم گھر والی بنیں۔ سر منڈا کر گدھے پر سوار نہ کیا تو اپنا نام نہ رکھا۔ لو، سوت پرائی لپٹی تو پڑیں تھیں، پھر راضی نہیں تھیں!''

یہ کہہ کر جوتی اتار کر دوڑی۔ لونڈی بڑبڑاتی ہوئی بھاگی کہ ''جیسے ان کے میاں میں لعل لگے تھے جو کسی نے توڑ لیے!''

اس وقت مصور نے آکر بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا کہ ''صاحب۔ سنو تو، سنو تو! غصہ جانے دو۔ اس کی خطا کیا ہے؟ میں نے پاؤں دبانے بلایا تھا۔ لو آؤ، بیٹھو۔''

یہ کہہ کر بہ منت بٹھایا۔ صورت نگار بیٹھی تو مگر رنجیدہ، کچھ رکی ہوئی۔ ہر چند مصور نے

گدگدایا، مگر بات نہ کی۔ اٹھ کر اپنی بارگاہ کو چلی۔

برق سارا ماجرا کنیز بنا ہوا دیکھ رہا تھا، اس کے ساتھ ہولیا۔ جب یہ اپنی بارگاہ میں آئی، وہاں کا سارا غصہ لونڈیوں پر اپنی اتارا۔ کسی کو گالیاں دیں، کسی کو جوتیاں لگائیں، کسی پر کوڑا اپھٹکارا۔ ناحق ناحق خفا ہوئی۔ کسی سے کہا: ''مال زادی پیچوان کیسا بھرا ہے کہ سلگتا ہی نہیں۔'' کسی سے کہا: ''میں نے تجھے پکارا تھا، جواب تو نے کیوں نہ دیا؟''

غرض خوب بک جھک کر برق جو کنیز بنا ہوا آیا تھا، اس طرف متوجہ ہوئی: ''بی دل لگن، تم میاں کو کیوں چھوڑ آئیں؟''

اس نے کہا: ''بی بی، تم پاس ہی بیٹھے دیکھ آئیں۔ مجھ سے اس لونڈی کا حال سنئے کہ کیا کیا کے ناز میاں اٹھاتے ہیں۔''

یہ بات مطلب کی جو اس نے سنی، سب کنیزوں پر خفا تو تھی، ان کو ہٹا دیا، اور اکیلی برق کو لے کر بیٹھی باتیں پوچھنے لگی۔

اس نے کہا: ''بی بی وہ دن رات ٹانگوں میں ٹانگیں ڈال کر پڑی رہتی ہے۔ میاں چلہ کھینچنے کے بہانے اسی کو تو لئے پڑے رہتے ہیں۔''

(برق صورت نگار کو بے ہوش کر کے اس کی سی شکل بناتا ہے اور اس پلنگ پر لیٹ جاتا ہے)

مصور نے بعد چلے آنے اپنی زوجہ کے پہلے تو کچھ کنیز کی خاطر داری اور دل جوئی کی۔ پھر وہاں سے بڑی رات گئے بی بی پاس آیا اور پلنگ پر بیٹھ کر، شانہ پکڑ کر کھینچا کہ ادھر آؤ، منہ سے بولو، میرا قصور معاف کرو۔''

زوجہ نقلی نے کروٹ لے کر اس کی صورت دیکھ کر منہ چھپا لیا اور کہا: ''جاؤ، جاؤ تم اپنی لونڈی سے خوش رہو۔ اسی سے قصور معاف کراؤ۔ مجھ سے کیا سروکار ہے؟''

مصور نے ہاتھ باندھے، منتیں کیں، گلے سے لگایا، قسم کھائی کہ اب میں کنیز کو بجائے اپنی ماں، بہن کے تصور کروں گا۔ اس وقت برق نے سیدھے منہ سے بات کی، اور ہنس کر بولا۔ یہ بی بی کے پاس لیٹا اور اختلاط کرنے لگا۔

کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

عمرو...... کچھ دن چڑھے میلے کے قریب حد کے پہنچا۔ جہاں کو راستہ پایا، دس دس ہزار بیس بیس ہزار کے غول ساحروں کے آتے ہوئے نظر پڑے۔ دکاندار دکانیں لگائے تھے۔ سروں پر گلنار، شفتالوی، قرمزی، رنگ برنگ کی پگڑیاں باندھے۔ دکانیں تمام آئینہ بند تھیں۔ بازار آراستہ ہو رہا تھا۔ خیام اور بارگاہیں کہ جن کے وصف کرنے میں زبان قاصر ہے...... استادہ دیکھیں۔ کلس ان کے سنہرے رو پہلے نظر کو خیرگی دیتے تھے، گویا ہزاروں آفتاب نکلے ہوئے تھے۔ لاکھوں پالیں دکانداروں کی نصب تھیں۔ انبوہ خلائق تھا کہ کوسوں تک تل رکھنے کی جگہ نہ تھی......

آگے بڑھ کر صحرا میں تم گیرے کھڑے تھے، اور ایسے ویسے ساحر بیٹھے تھے۔ ناچ ہو رہا تھا۔ وہ فتنۂ روزگار، معشوقۂ طرح دار، رقاصۂ انجمن تھی جو عاشق کی جان کی دشمن تھی، کمر کولے کی لچک اور گھٹنا آگے بڑھنا اس طرح کا تھا کہ عاشق اُف کر کے رہ جاتے تھے۔ وہ توڑے لینا اور گھوم کر بیٹھ جانا مارے ڈالتا تھا کہ:

کوئی مشق ستم گری میں تھی   کوئی سرگرم دلبری میں تھی
چل رہی تھی کسی سے کوئی چال   بن چھری ہو رہا تھا کوئی حلال
مثل گل ایک نگار خنداں تھی   شکل سنبل کوئی پریشاں تھی
کسی عاشق پہ سرفرازی تھی   کسی بیدل سے جعل سازی تھی

جب یہاں سے بھی آگے بڑھا، کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ساز یعنی ستار و بین و چکارا وغیرہ بجاتے ہیں، بایاں ساتھ مل رہا ہے، ٹھیکے میں ادھا بجتا ہے۔ نئی نئی تانیں اور اوپچیں لیتے ہیں۔ کوئی کدارا بجاتا ہے، کوئی ملار گاتا ہے، کسی کو پیلو اور جو گیا پسند ہے۔ تماشائیوں کا ٹھٹ لگا ہے۔ واہ وا کی صدا بلند ہے......

جب اور آگے چلا، پالیں ساقنوں کی تنی دیکھیں۔ نیچے پال کے چوکا تختوں کا بچھا تھا۔ اس پر چاندنی کا فرش وقالین آراستہ تھا۔ مقابا اور صندوقچہ دھرا تھا۔ صندوقچے سے لگا ہوا آئینہ حلبی رکھا تھا۔ ساقنیں ہزاروں بناؤ کیے، دلائی سفید اودی گوٹ کی اوڑھے، آگے سے طوق سونے کا دکھانے کو گلا کھولے، پائچے پائجامے کے پیچھے تخت پر پڑے، ماتھے پر

افشاں لگائے، پٹے چھوڑے، بال بنائے، لب تخت باہزاراں ناز و انداز بیٹھی تھیں۔ کان کا زیور جھوم جھوم کر جھونکے لیتا تھا، رخ تابندہ بحر حسن تھا، اس میں اس زیور کا عکس پڑتا۔ یہ ظاہر تھا جیسے کنول دریا میں تیرتے ہیں یا مچھلیاں اور جانوران آبی پیرتے ہیں۔ ہاتھوں میں کڑے پڑے، دست حنائی میں پور پور چھلے تھے۔ ایک سمت لگن اور پتیلوں میں نیچے بھگیتے تھے۔ سامنے کچھ حقے تیار تازہ کیے رکھے تھے۔ تپائیاں سوراخ دار تھیں۔ چلمیں اس میں گھڑی تھی، خریداروں کا ہجوم، کوئی گنڈہ گنڈہ لڑاتا تھا، کوئی دونی چلم اڑاتا تھا، کوئی جوان اشرفی اور روپیہ دینے والا آ کر تخت پر ساقن کے قریب بیٹھا آنکھ لڑاتا تھا۔ ساقن بھی مسکراتی تھی۔ یہ کیفیت دونا نشہ جماتی تھی۔ ایک طرف سامنے خریدار دعائیں دیتے تھے، کشمیر اور سال جہاں مانگتے تھے، یار قند پیسے والی چلم کے بھرونے والے اڑاتے تھے۔ کوئی کہتا تھا، ''ساقن کے دم کی خیر۔ آج پیڑ و پر کی ہم کو بھی پلوائیے'' ساقن کہتی تھی: ''بیٹا! اب تو انگیا کے اندر کی پیو، یہ بہت عمدہ ہے!'' دم بہ دم چلم جما کر دیتی تھی۔ خریداروں میں یہ بحث تھی کہ ایک کہتا تھا، ''سر کرو'' دوسرا کہتا تھا، ''کیا ہم کو پست پینے والا مقرر کیا ہے؟ اس چلم کو تم سر کرو، اب کی دو آنے کی بھروائیں گے تو ہم سر کریں گے'' کوئی کہتا تھا: ''اور پھٹک کر بھرا آگ رکھنا۔'' کوئی کہتا تھا: ''ہماری چلم پر بکل کی آگ دھرنا۔'' دم پڑنے سے لویں بھق بھق اٹھتی تھیں، سرور ہوتا تھا، شعر پڑھتے تھے، دائرہ اور دف تخت پر بیٹھ کر بجاتے تھے، ٹپہ، ٹھمری، غزل گاتے تھے۔ عجب سماں کا نیا جلسہ تھا کہ:

نیچے حقے عجب بہار کے تھے	صدقے دل ان پہ سو ہزار کے تھے
ساقنوں کا عجیب نقشہ تھا	قابل دید ٹھاٹ ان کا تھا
نام رکھے کوئی چرس کا اگر	دیں وہ اس کو جواب یہ جل کر
''کتنے بیلے ہو، دم لگاؤ تو	اشرفی کی چلم ہے پی دیکھو!''

ان سے آگے بڑھ کر مدک والوں کی دکان نظر آئی۔ حلقہ کیے لوگ بیٹھے تھے، قلمیں سلگتی ہوئی ہاتھ میں تھیں۔ مہ رو حقے پر جمے تھے، گنگا جمنی نیچے سامنے رکھے تھے...... انہیں کے مقابل ایک سمت کو بھنگ فروش، سل بٹے کی دکان، ٹھنڈائی پینے کا سامان لئے، لوگوں کا مجمع کوئی لٹیا چڑھاتا، کوئی چلو لگاتا، کوئی کہتا: ''میری ٹھنڈائی میں بادام بھی ڈالنا۔'' کوئی لونگ الائچی کی فرمائش کرتا۔ کوئی کہتا ''یا داتا غفور، نشے ہوں بھرپور!'' کوئی کہتا: ''گاڑھی

ہوگی تو نگاہ تاڑی ہوگی۔'' کوئی پکارتا کہ'' گاڑھی چھنے گی آج کسی سبزہ رنگ سے۔'' کوئی آزاد یہ صدائیں سناتا، نشے کی حالت میں ہانک لگاتا۔

''ہے جی میں فقیروں کی طرح کھینچ لنگوٹا--اور باندھ کے تہمت
چل کنج خرابات میں اور گھوٹ کے سبزہ--یوں کیجئے عبادت''

یہاں سے جو آگے بڑھا مے خواروں کا جلسہ نظر پڑا۔ دکان کلوار کی بسنتی سجی، اونچے چبوترے پر گلابیاں شراب ارغوانی اور زعفرانی کی چنی تھیں۔ کچھ لوگ اندر دوکان میں بیٹھے تھے، بوتلیں اور کجیاں سامنے رکھی تھیں۔ دور چلتا تھا۔ جس کسی کو زیادہ نشہ تھا وہ دیوار سے لگ کر چپ ہو گیا تھا۔ کچھ ان میں ہنس رہے تھے۔ آپس میں مذاق کرتے تھے۔ مگر یہ لوگ مہذب تھے، اپنی خودی سے باہر نہ ہوتے تھے۔ کوئی شعر پڑھتا تھا، کوئی کچھ گاتا تھا اور دوکان کے سامنے جو مے خوار جمع تھے وہ تو بکار رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا'' میاں چوکھی دنیا۔'' کوئی تھرتھر کانپ رہا تھا، کوئی کیچڑ میں لوٹتا تھا، کوئی بے ہوش پڑا تھا، منہ سے رال بہہ رہی تھی، کسی کو ڈولی میں ڈال کر لوگ لے گئے۔ کوئی نشے میں تمام عمر کی اپنی کیفیت بیان کر رہا تھا، باہم جوتی پیزار لڑتے تھے، بعض جو پڑھے ہوئے تھے وہ ساقی سے یہ کہہ رہے تھے کہ:

''دے جام کہ بادہ خوار ہیں ہم
کب سے امیدوار ہیں ہم''

مے خانے کی سیر دیکھ کر آگے چلے، دیکھا کچھ بانکے بگڑ گئے ہیں، تلوار باہم کھنچی ہے، شور بلند ہے، لوگ بھاگتے پھرتے ہیں کہ یکایک دھوتو دھوتو تر ہی پھنکی اور کوتوال دوڑ لے کر دوڑا۔ کچھ بھاگ کھڑے ہوئے، کچھ کو پکڑ لیا۔ ایک طرف چور گرہ کٹ گرفتار ہوئے ہیں۔ کوئی کسی کی جیب کاٹتا تھا، کوئی کسی کا رومال شانے پر سے کھینچ بھاگتا تھا۔

اس ہنگامے سے جب آگے بڑھے، حلوائیوں اور نان بائیوں کی دکانیں بصد صفائی اور زیبائی نظر آئیں کہ حلوائی کی دکانوں پر تھال برنجی برابر چنے تھے۔ آگے دکان کے زنجیر برنجی پر لٹکتی تھی۔ گھنٹی اس میں بندھی تھی۔ اندر دکان کے نوکروں نے گولے پر کڑھاؤ چڑھائے تھے، مٹھائی بناتے تھے، الماریاں مٹھائی سے بھری رکھی تھیں، تھالوں میں مٹھائی کو جالدار اور محراب دار چنا تھا کہ پھول اور گلدستے بنے معلوم ہوتے تھے۔ مٹھائی پر ورق طلائی اور نقرئی لگے تھے، عجیب جوبن دیتے تھے......

نان بائی بصد خوش ادائی، ظروف مسّی صاف وشفاف میں طعام لذیذ چنے ہوئے تھے۔ پلاؤ، قورمہ، زردہ، مرغ کا شوربا، شیرمال وکباب وباقر خانی آبی، نان، ہوائی کلچے وغیرہ ہر قسم کا کھانا مہیا رکھتے تھے۔ تنور گرم تھا، پتیلا چڑھا تھا، ایک طرف ماہی توے میں کباب گرما گرم تھے۔ کچھ لوگ دکان میں کھانا کھاتے تھے، کچھ خریدار پیالے لئے کھڑے تھے۔

ان سے آگے بڑھ کر کبڑنوں اور سنکریوں کی بہار دیکھی کہ لہنگے قیمت کے مہنگے پہنے سامنے ٹوکروں میں ترکاریاں، انار، امرود، شریفے وغیرہ چنے تھے۔ جس میں ایک ایک لاثانی ہر ایک میں بہار جوانی، وہ سبزہ رنگ پیشانی، اونچا چہرہ، تابناک ہاتھوں میں مہندی لگائے، بانک لئے گڈریوں کے لئے گنے پونڈے چھیلتی تھیں۔ خریدار نوجوان سامنے ٹہلتے تھے، بادام چشم سے اشارے ہوتے تھے، انار پستان کے سینکڑوں تھے۔ تولنے میں جب ہاتھ اونچا ہوا پیاری بغل میں منہ ڈالنے کو جی چاہا کہ:

دے رہا تھا فریب سیب ذقن — کھو رہا تھا شکیب سیب ذقن
نار پستان پہ شیفتہ تھے ہزار — تھا انار ایک اور سو بیمار
پستۂ لب پہ لوگ پستے تھے — شاخ بینی پہ ناک گھستے تھے
تھے ان آنکھوں کے عشق میں بدنام — ڈورے ڈالیں نہ کس طرح بادام
دیکھے گر ان کی چھاتیوں کا ابھار — شق ہو غیرت سے مثل غنچہ انار
چست محرم پھنسی پھنسی کُرتی — تھی غضب کی بندھی ہوئی گاتی
لال اطلس کے لہنگے بوٹے دار — گل لالہ کی دے رہے تھے بہار
دست رنگیں میں دست بند کڑے — پائے نازک میں بھی غضب کے چھڑے
رکھتی تھی ہیر پھیر باتوں میں — رات دن تھی وہ ایسی گھاتوں میں
کیجئے اس طرح نیا فقرا — لوٹئے باندھ کر دھڑا الٹا
تول لیتی تھی سب کو انکی نگاہ — کنویں جھکوا رہی تھی انکی چاہ

بیچ سڑک پر خوانچے والے پھرتے، دال موٹھ اور حلوا سوہن اور کچالو اور دہی بڑے اور گول گپے مصالحے دار بیچتے تھے۔ قلمیں بالوں کی کنپٹی پاس نکلی تھیں، کان میں سینکیں گھڑسی، کمر بندھی تھی، پتے اس میں بھرے تھے، ہر سمت صدا لگاتے پھرتے۔ ان کو دیکھتے ہوئے چپ آگے بڑھے بزازہ آراستہ پایا، کہ بزاز تھان عمدہ کپڑوں کے ڈھیر کئے تھے۔

دلال دکان کے قریب پھرتے۔ان کی دکانوں سے ہٹ کر صرافہ تھا۔ایک ایک صراف پیسوں کے ڈھیر لگائے، ٹاٹ کے نیچے اٹھنیاں، چونیاں روپے چھپائے بیٹھا۔شاہ جی اور سیٹھ جی لقب ان کا تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر جوہری بازار میں پہونچے۔ایک ایک جوہری حسین یاقوت لب مرجان دست فرش معقول بچھائے ڈبے ہیرے پنے کے کھولے، جواہر کی پرکھ جانچ کررہے تھے۔

بازار میں برہمن قشقے ماتھے پر دیئے، چندن بدن میں لگائے، لٹیا کمر میں گھڑے، ڈول ہاتھ میں لئے، کڑا بجاتے پھرتے تھے۔ایک طرف سقے بادلے اور کھاٹ کی لنگیاں باندھے، کٹورے کمر میں لگائے، مشک دوش پر اٹھائے، چھلے سے کٹورے بجاتے تھے۔ اب آگے بڑھا۔ بساط خانے کو سجا دیکھا کہ دکانوں میں زینے بنے ہیں، سفید کپڑے سے منڈھے ہیں، ان پر کھلونے اور باجے اور چاقو اور قینچی اور آئینے اور سوت کے گولے اور ہر قسم کا اسباب عمدہ ولایتی رکھا تھا۔ چھتریاں ٹنگی تھیں۔ایک طرف سرخ، سبز رنگین پیالیاں اور لڑکوں کے کھیلنے کے چکئی اور لٹو اور پنس اور ڈولیاں رکھی تھیں۔بعض دکان پر مسی اور سرمہ تھا، بعض کے یہاں شیشہ اور سوئی نگینے وغیرہ تھے۔کہیں کنگھی ہاتھی دانت اور سینگ کی نایاب تھیں۔کہیں انگریزی چیزیں لاجواب تھیں...... انہیں کی دکانوں کے نیچے اور متصل علاقہ بند بیٹھے تھے۔عمدہ گہنا گوندھتے تھے، پھول ریشمی بناتے تھے، فیتہ بنتے تھے، شمسے باندھتے تھے۔عجیب طرح کے دستکار تھے۔فی الحقیقت صنعت میں ہوشیار تھے...... ان سے آگے حکاک ونگینہ ساز اپنا نقش جمارہے تھے۔موتی بیدھتے تھے، نگینے کھودتے تھے کہ ایک سمت سادہ کار خوش پرکار بیٹھے، انگوٹھیاں چھلے خوش نما بنارہے تھے۔ کچھ آگے بڑھے۔ گوٹے والے چمک دمک دکھاتے نظر پڑے۔ ہر ایک کی دوکان میں پٹیاں رکھی تھیں۔کچھ مال سامنے کھلا تھا۔لوگ لیتے تھے، کوئی موٹی بام کا مانگتا تھا کہ داموں میں سستا ہوگا کوئی چوڑا اچھا چاہتا تھا۔کسی نے بینت کی خواہش کی، کوئی توئی کا خریدار تھا۔

ہر جگہ دورویہ پالوں کے نیچے تختوں پر تنبولیوں اور تنبولنیوں کے بیٹھے دیکھا، تختے سامنے رکھے، اس پر پان ہر قسم کے چنے، ڈھولی سیدھی کر کے چھانٹتے تھے۔سامنے برنجی تھالیاں چنی تھیں۔کسی میں لونگ کسی میں الائچیاں تھیں۔کتھے چونے کی بنگلے نما کلفیاں رکھی تھیں۔

اپنے گاہک کو یوں بلاتے تھے — خاص یہ پان ہیں مہوبے کے
بیگمی پان ہے دساور کا — بلکہ یہ جان ہے دساور کا

ایک سمت خوشبو ساز دماغ و جان معطر فرماتے تھے۔ کہیں گل فروش اپنی بہار دکھاتے تھے۔ کسی جگہ تماکو والے کالے دھن کی خیر منانے والے خمیرہ سادہ، کڑوا بیچتے تھے۔ کہیں عطار مسیحادم دوائیں نایاب فروخت کرتے، کہیں کمہار مٹی کے برتن نہایت نازک اور کھلونے والے بھولوں کے عمدہ لگائے تھے۔ ایک مقام پر نیچے بند اپنی دستکاری دکھاتے تھے:

ایک جانب گندھی بیٹھے تھے — اپنی اپنی دکان کو تھے وہ سجے
ہار تھے شیشوں کے وہ رنگیں — جیسے تابندہ خوشۂ پروین
کنٹروں میں بھی رنگ رنگ کا تیل — بھاری، ہلکا، لطیف اور بے میل
گل فروشوں کی دیکھی طرفہ بہار — رشک سے بوستان کو بھی ہو خار
وہ جہانگیریاں ہے بیلے کی — ہو مسخر جہاں جو پہنے کوئی
طوق ہے موتیوں کی کلیوں کا — اس کو پہنے تو نور کا ہو گلا
ہیں چنبیلی کے ہار خوشبودار — جن سے آتی ہے بوئے جسم نگار
دیکھی تمباکو والے کی دکان — ہر طرح کا مہیا تھا سامان
چاندی سونے کی مٹکیاں عمدہ — ان پہ مینا ہر ایک رنگ کا تھا
سادہ کڑوا کسی میں تھا لبریز — دلبر تند خو سے بڑھ کر تیز
وہ خمیرہ نفیس خوشبودار — جس سے آتی تھی بوئے مشک تتار
جب نکلتا تھا منہ سے اس کا دھواں — نظر آتی تھی زلف محبوباں
تھی دکان کلال کی تزئیں — کہئے اس کو نگار خانۂ چین
کاغذی آب خورے ایسے تھے — پیاس بجھ جائے جس کے دیکھے سے
جنبش آب سے لچکتے تھے — جیسے انگارا یوں چمکتے تھے
نیچے والوں میں نیچے زیب دکاں — ہر طرف ڈوریوں میں آویزاں
پیچواں اک بناتا تھا بیٹھا — ایک گٹا درست کرتا تھا
کھولتا تھا کوئی نگالی کو — صاف کرتا تھا کوئی قفلی کو
دیکھئے کیا بندھی ہے الٹی چین — جس طرح ہو حسین چین بجبین

دیکھ کر خود پھڑک رہا ہے دم　　کیا ہی پایا ہے بیچے نے دم خم
نہیں واقف ہے کوئی اس دم سے　　منہ لگایا تو باتیں کرنے لگے

عمرو کو سیر کرتے اور پھرتے پھرتے شام ہوگئی...... رات کو بھی عیار پھرنے سے باز نہ رہے، دیکھا کہ منزلوں تک جھاڑ روشن ہو گئے، اور قندیلیں نور کی جواہر آگیں درختوں میں آویزاں ہوئیں اور آتش بازی فرسنگہا فرسنگ تک گڑ گئی۔ چرخیاں وہ جو افلاک ستارہ دار کو چرخ میں لائیں، نصب ہوئیں۔ اور یکا یک انار پڑاقے اور ہتھ پھول چھوٹنے لگے۔ قلعے میں آگ لگائی، عالم روشن ہوگیا۔ دنیا کو چرخیوں نے منور کر دیا، زمین و زماں زر افشاں ہوگیا، ستاروں کا فرش منزلوں تک تھا اور آسمان سے سونا برستا تھا، چرخ زبرجد ستارے میلے پر نثار کرتا تھا۔ اب تو رات کے سناٹے میں آپنی اپنی جگہ ہر شخص جلسہ جمائے بیٹھا تھا اور ہر ملک وقوم اور مذہب و ملت کا آدمی میلے میں آیا تھا۔ کہیں ہندو تھے، کہیں جمشید پرست، کہیں آتش پرست تھے۔ مسلمان بھی خال خال اس ملک میں پوشیدہ تھے، وہ بھی میلا دیکھنے آئے تھے۔ ہر سمت جلسہ عشرت مہیا تھا، بادۂ خوشگوار کا دور چلتا تھا کہ:

کہیں تو شیشوں کے فانوس کی چمن بندی
اور ان کے بیچ وہ چھٹنا پٹاخوں کا چٹ پٹ
کہیں شہنائی کی آواز اور کہیں کا جود
کہیں دھنا سری اور بھیرویں کہیں تھا نٹ
کہیں بھپاس، کہیں پوربی، کہیں گوری
کہیں ترانہ، کہیں دھرپت اور کہیں تروٹ
کہیں ملار، کہیں دیس، مالکوس کہیں
کہیں پہ بھاگ، کہیں کا ٹھرا، کہیں تھا کٹ
بنے ہوئے کہیں رادھا جی اور کنہیا جی
پتمبر اوڑھے ہوئے سر پہ رکھے مور مکٹ
وہیں تھیں کنج گلی اور وہیں تھا بندرابن
سہانی دھن وہیں مرلی کی اور بنسی بٹ

نہاتے دھوتے وہیں اور وہیں کدم کی چھانھ
وہ گوکل اور وہ متھرا نگر وہ جمنا تٹ
کہیں جو دیکھا تو تھا مارواڑ کا عالم
وہی کنار، وہی ٹکڑیاں، وہی گھٹ پٹ
وہ آدھی رات کے سر، ان کے دیس کے گانے
ہمارو سانورو، متوارو لے گوا انوٹ

غرضکہ جماؤ میلے کا کہاں تک بیان کیا جائے۔ مجملاً چند فقرے لکھ کر اصل مطلب لکھا جاتا ہے۔ یعنی عیاران کو دیکھ رہے ہیں کہ مہاجن نیچے جامے پہنے، لڑکوں کو ساتھ لئے سیر کراتے پھرتے ہیں۔ ہندنیاں اپنا اپنا بناؤ کیے پھر رہی ہیں، ان میں رام جنیاں بھی ہیں۔ کہیں طوائفیں بناؤ سنگار کیے آشناؤں کو ساتھ لئے بیٹھی ہیں۔ کلیجی کے کباب بھن رہے ہیں۔ کہیں ایک رنڈی پر دو عاشق ہیں۔ اس پر قصہ ہوا ہے۔ کہیں لونڈے پر جھگڑا ہوا ہے۔ تلوار چلی ہے، دوڑ گئی ہے۔ لاگیں لگ رہی ہیں۔ نٹ تماشہ کر رہے ہیں۔ نٹنیاں ناچ رہی ہیں۔ جھولے پڑے ہیں، ساون ہوتے ہیں۔ درختوں کے نیچے دریاں بچھی ہیں، شریف لوگ بیٹھے ہیں، ایک سمت افیونی بیٹھے ہیں، افیون گھلتی ہے، گنے چھلتے ہیں، حقے توے کے بھرے رکھے ہیں۔ ایک نے امرود چھیلا ہے، اس کے ٹکڑے کر کے سب کو باہم تقسیم کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ''میں گنا ایسا چھیلتا ہوں کہ جیسے شمع۔ کسی نے مزعفر کی بوٹی نکالی ہے، ایک ایک ریشہ باہم دیا، تعریف ہو رہی ہے کہ جلیبی کی کڑکڑاہٹ ہے۔ بعض اونگھ رہے ہیں، من منا کر بات کرتے ہیں۔ تالاب میں جا بجا لوگ نہاتے ہیں۔ ہندو چندن رگڑ رہے ہیں، تلک دیتے ہیں۔ کھور صندل کے اور قشقے ہاتھوں پر کھینچ رہے ہیں۔ کہیں درخت تلے لگن پر گھڑا رکھا ہے۔ پیندے میں اس کے مہین سوراخ کیا ہے۔ نیچے سری مہادیو جی کی مورت رکھی، اس پر بوند بوند پانی ٹپکتا ہے۔ بعض ادراج کا مالا ہاتھ میں لئے رام نام جپ رہے ہیں۔ بعض اکڑ بل کر کے چکر لے رہے ہیں، بعض کمل کی تھیلی گلے میں ڈالے مالا جپتے ہیں، بعض گائے کی مورت ہاتھ میں لئے چندرماں کو پانی دیتے ہیں۔ پیپل کے درخت پر کھاروے کی جھنڈی بندھی ہے، چبوترہ درخت کا بندھا ہے۔ اس پر جوگی گیروا لباس پہنے مندرے کان میں، کنٹھی گلے میں ڈالے شیر کی کھال پر بیٹھا ہوا مالا جپتا ہے، آگے ٹھیک رکھی

ہے، اس میں اُپلہ دبا ہے، چیلے گرو ناریل پی رہے ہیں۔ بعض جوگی چھتری لگائے چھپر کے پیچھے بیٹھے ہیں۔ آزاد فقیر لمبی ٹوپی پہنے مانگتے پھرتے ہیں۔ کہیں مہر شاہی اڑے رفاعی گرز ہلا رہے ہیں، مڑ چڑے سر چیرتے ہیں، اشراف مٹھائی لیتے ہیں، گنوار مولی اور جوار اور گڑ کھاتے ہیں۔ ہنڈولے گڑے ہیں، سوانگ کے تخت آتے ہیں۔ سیف برچھی سانگ نگلتے ہیں۔ کوئی منہ سے سوت نکالتا ہے، کوئی ہار نگلتا ہے، پھول اگلتا ہے، یہی کیفیت دیکھتے دیکھتے وہ رات تمام ہوگئی۔

(چاہ زمرد کا میلہ۔ جلد اول)

ہمیں کیا کام عمر جاوداں سے

عمرو جب اندر باغ کے پہنچا، ایک گوشے میں ٹھیر کر نظارہ کناں ہوا۔ عجیب معاملہ نظر آیا یعنی ملکہ ہلال سحر افگن زوجہ آفت کی جو غم شوہر میں گھر سے چلی تھی...... اس لئے یہاں ٹھیری ہے کہ شب بھر رنج و ماتم و نوحہ و شیون کرے، اور صبح کو اپنے شوہر کے پاس جا کر اپنی بھی جان دے۔ لہٰذا عمرو نے دیکھا کہ کئی سو عورتیں سیہ پوش ملکہ کو گھیرے، مشغول گریہ و بکا ہیں اور بیچ میں وہ غیرت ماہ تاباں خسوف الم میں مبتلا، اپنے شوہر حزیں کو یاد کر کے بلبلاتی ہے اور روتی ہے......

(عمرو بڑھیا کی شکل میں آتا ہے اور بہانے سے ملکہ کو الگ لے جا کر بے ہوش کر دیتا ہے)

پس پیرہن اس کا لے کر اپنی صورت مثل اسی کے بنائی، اور اسے زنبیل میں رکھ لیا۔ وہاں سے جب پھر کر اسی جگہ آیا کہ وہ کنیزیں کھڑی تھیں، یکایک پکارا کہ "ست ست!" اس وقت کنیزیں، انیسیں، جلیسیں، قدم پر گر کر سمجھانے لگیں کہ اے نازک بدن، یہ سن و سال تیرا جلنے کے قابل نہیں۔ واسطہ سامری و جمشید کا اس برہ کی آگ کو دل سے بجھا۔

ہلال نے جواب دیا کہ:

"جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی جگ میں بھاری لگے"

ساری عمر آتش فراق میں جلنے سے یہ بہتر ہے کہ اپنے دلدار کے ساتھ جل کر غارۂ

مہاجرت سے ٹھنڈی رہوں کہ:

لازم ہے سوز عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو
جل بجھیئے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

یہ کہہ کر زار زار روئی، اور پکاری کہ:

''آہ کروں تو جگ جلے اور جنگل جل جائے
یہ پاپی جیرا نا جلے کہ جے ماں آہ سمائے''

اور کنیزوں سے حکم کیا کہ لاؤ اسباب عروسی کہ اس رات کو سامان آخری اور وصال جاودانی کرلیں اور ملاقات روحانی کے لئے آراستہ ہولیں۔

کنیزیں کشتیاں لباس وزیور کی سامنے لائیں۔ ہلال نے اپنی زلفوں کو سنوار کر، اور بالوں کو بکھیر کر پشت پر ڈالا، ہر بال میں موتی پرو دیا...... اور مسّی کی دھڑی اور پان کا لاکھا اس طرح جمایا کہ دل اہل دل کا دھڑی دھڑی کر کے لوٹ لیا۔ بلکہ لاکھے نے جان عشاق پر کرورا کیا...... اور سر سے پا تک سرخ لباس زیب جسم فرمایا، شعلۂ آتش عشق کو دونا بھڑکایا، گات کو ابھار کر جوبن کا عالم دکھا کر، دل عاشق کو بے تاب بنایا......

المختصر جب اس طرح آراستہ و پیراستہ ہو چکی، کنیزان خوش رو دیاسمن بونے ستی کی پوجا کی اور ہار پھولوں کے، دونے مٹھائیوں کے گرد اس نازک بدن کے ڈھیر کر دیئے۔ اور تخت پر ملکہ سوار ہوئی۔ کہاروں نے تخت اٹھا لیا۔ ہلال نے قہقہہ لگایا، اور بقول شاعر ہنست کھیلت اب چلی ہے سائیں کے دربار، ایک ناریل لئے دم بدم اس کو اچھالتی روانہ ہوئی۔ جدھر سے وہ تخت نکلا تمام ساحران طلسم، رعایا برایا، سب کا مجمع ساتھ ہوا۔ ہر ایک مراد اور منت مانگنے لگا، پوجا ہونے لگی، ستی کے ہاتھ سے پرشاد کے طلب گار ہوئے۔ چاہتے تھے کہ اسیس دے۔ اور ستی جب خلق کا مجمع زیادہ دیکھتی تھی، تخت ٹھیرا کر مذمت دنیائے دوں ہر ایک کو سناتی، ہر سے گیان دھیان لگانے کی تاکید کرتی کہ ''بچا! جو اپنے ہر سے پیت کرے، اور گھٹ میں جس کے وہ بسے، ہر دے میں سائے، تن من اسی کے نام پر سونپے، اس کو پران چھوڑنا آسان ہو۔ جب چولا چھوٹے تب سکھ پائے۔ سنسار میں پریت ہر کی اچھا سنپورن ہے جس سے ہر دم ہر سے بھینٹ رہے ایک ہو جائے کہ:

الف ایک بورنگی سائیں ہر گھٹ میں واکی پرچھائیں
جہاں دیکھو تہاں روپ ہے نیارا ایسا ہے بو رنگی پیارا
وجھیں کہے تو کیا کہے، کچھ کہنے کی نہیں بات
سمندر سمایو بوند میں، اچرج بڑو و کھات"

ڈفلی اور بانسری سامنے تخت کے بجتی تھی، ستی کسی کو پھول توڑ کر دیتی، کسی کو خاک پوجا پرکی اگیار کے حوالے کرتی، کلام نصیحتانہ فرماتی، روانہ تھی......

صبح ہوتے ہوتے ستی اسی میدان میں جہاں انبار ہیزم ہے، پہنچی...... ساری خلقت اسی طرف چلی۔ تخت کو گھیرا، پوچھنا شروع کیا کہ ہمارے یہاں اولاد کب ہوگی؟ کسی نے کہا میں محتاج ہوں۔ مجھے دھن دولت کب ملے گی؟ اسی طرح سب سوال کرتے تھے، اور جواب ستی سے پاتے تھے کہ اس غلغلے کو دیکھ کر افراسیاب نے ساحران دربار سے حال پوچھا کہ "یہ کیا ماجرا ہے؟"

ایک نے عرض کی کہ "زوجۂ آفت جادو شوہر کے ساتھ جلنے آئی ہے۔"

یہ سن کر اس نے بھی ستی کو اپنے روبرو طلب کیا۔ اوراس کے جمال دل فریب کو دیکھ کر غش کر گیا۔ بہت سمجھایا کہ "اے نازنین! ملک و مال لے، مجھے اپنا شیدا جان کر جلنے سے باز آ۔"

اس ماہ وش نے جواب دیا کہ "اے بادشاہ، جب اس برہ کی آگ ٹھنڈی ہو تب چولا سکھی رہے، اَن، دھن، دولت، پچھی سب خاک ہے کہ:

لکڑی جل کوئلہ بھئی، اور کوئلہ جل کر راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ"

یہ کہہ کر تخت سے کود کر آفت کے پاس آئی۔ اس کو بہ حکم شہنشاہ و ساحران انبار ہیزم پر بٹھا چکے ہیں کہ ستی نے وہاں پہنچ کر اس کو گود میں لیا۔ اس وقت ساحروں نے آ کر ستی کے ہاتھوں پر کا جل مار کر امتحان لیا کہ یہ جل جائے گی یا اس کا عشق جھوٹا ہے، دیکھیں عشق کی آگ اس کے تن من کو جلا چکی ہے یا نہیں۔ غرضکہ جب کا جل ہتیلی پر مارا، ستی بیٹھی ہنسا کی۔
(جلد اول)

ہم تو سفر کرتے ہیں

اسد دلاور نے اپنی جگہ پر آ کر چالیس ہزار سواران جرار کو حکم دیا کہ تیار ہو کر واسطے فتح کرنے طلسم کے چلیں۔ بمجرد حکم شاہزادۂ گردوں وقار بارگاہیں اور خیمے چھکڑوں پر بار ہوئے، اور بہادر افسران فوج مسلح مکمل ہو کر چلنے پر تیار ہوئے۔ سب بیبیوں نے صاحب قران کی، آ کر اسد کی بلائیں لیں، اور نذر امام ضامن مانیں، اشرفیاں بازو پر باندھیں...... سب نے دعائے حرز جان پڑھ کر شاہزادے پر دم کی اور دعا دے کے رخصت کیا۔

اسد نے وہاں سے آ کر اسلحہ خانہ کھلوایا، اور اسلحہ طلسم فیروزہ جمشیدی کہ جو انہوں نے فتح کیا ہے...... نکلوایا۔ چالیس ہزار خفتان فیروزی نگار اور تیغ ہائے شروبار لے کر اپنے لشکر میں تقسیم فرمائیں، اور کئی ہزار جوڑیاں نقرئی اور طلائی نقاروں کی شتر اور ہاتھیوں پر بار کرائیں، اور ارابے زر سرخ اور سفید کے ہمراہ لئے، ایک روز لشکر میں ٹھیر کر سب سرداروں سے رخصت ہوا...... سب نے گلے لگایا اور رخصت کیا۔ ایک رات اور ایک دن یہی ہنگامہ رہا۔

دوسرے روز...... کوس سفر بجا، اور شاہزادہ بعد ادائے فریضہ نماز سحر سوار ہوا۔ ڈنکے پر چوب پڑی، نوبت و نقارے کی صدا بلند ہوئی...... ہاتھی سامنے سے نمودار ہوئے، ہستکوں پر ان کے آئینے نصب تھے، جھولیں زربفتی پڑی تھیں، علم دار علموں کو جلوے دیتے تھے۔ پھریروں پر تعریف خدائے لایزال تحریر، پرچم پر ہر ایک کے سورہ انا فتحنا کی تفسیر۔ ان کے بعد گنج بال، اشتر نال، دامی اور نقارے نقرئی و طلائی ہاتھیوں اور شتروں پر۔ نقارچی بادلہ پوش، پگڑیاں گلنار باندھے، چپکنیں کمخواب کی پہنے، دوال مرصع لئے، نقاروں پر چوب لگاتے، دمامے رعد آسا گڑگڑاتے، تجمل و شان دکھاتے نکلے۔ پھر بانوں کی قینچیاں، اونٹوں پر، جن کے چھڑیاں جواہر کار مرصع پوش، طرح دار اونٹوں کے خور بند مقیشی ہر ایک گنگا جمنی گلے میں پڑے، اپنی سج دھج دکھاتے آگے بڑھے، برابر ان کے ہزار ہا آدمی پیادہ، جنگ پر آمادہ، باہم تھل باندھے، گروہ کئے، تعداد میں پانچ ہزار، لاکھوں کا انبوہ کئے، شفتالوی پگڑیاں سر پر، انگرکھے چست ڈانٹے، جوتے خردنو کے پاؤں میں پہنے، خواصیاں شیر دھان کاندھے پر سنبھالے، جس پر غلاف زربفتی چڑھے ایک طرف روانہ تھے۔ اور چار ہزار مرکب کوتل جن کا ساز و یراق مرصع تھا، کنڈے کرتے، ہیکلیں پہنے،

کلغیاں دھری، ایک سر پر اور دوسری کنوتی کے بیچ میں لگائے، پا کھر ہر ایک کے پڑی، کھنڈیاں پٹھوں پر چڑھیں، سائیس مگس رانی کرتے پیدا ہوئے۔ پھر کئی ہزار سقے، کھاروے کی لنگیاں باندھے، وردیاں زربفت کی پہنے، گلاب، کیوڑا، بید مشک کا چھڑکاؤ کرتے، گرد و غبار بٹھاتے، ساتھ ساتھ ان کے بیل دار کنکر چنتے چلے گئے۔ پھر طفلان ماہ طلعت منقلیں سونے اور چاندی کی لئے، عود برکی کا بکٹا ڈالتے، جنگل کو رشک تاتاریا غیرت دہ طبلۂ عطار بناتے، اپنی سج دھج دکھاتے، لباس رنگیں پہنے، جواہر کے کڑے ہاتھوں میں پڑے، ہر ایک شعلہ رخسار، ماہ جبین وطرح دار، گزر گئے۔ بعد ان کے مردھے، عصاہائے نقرئی وطلائی لئے، ادب وتفاوت پکارتے:

نقیب اور جلودار اور چوبدار — یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
''بلانوں، جوانوں، بڑھے جائیو — دو جانب سے باگیں لئے آئیو
اسی اپنے معمول و دستور سے — ادب سے، تفاوت سے اور دور سے
بڑھے جاؤ آگے سے چلنا قدم — بڑھے عمر و دولت قدم با قدم''

علم شیر پیکر کا پھریرا کھلا، اس کے سائے میں گھوڑا شاہزادے کا...... ارابے زرسرخ وسفید کے لدے، شاہزادے پر زرنثار کرتے، نقارے کئی ہزار ایک ساتھ بجتے۔ پس پشت چالیس ہزار سوار جرار چلتہ پوش چار آئینہ بند، شجاعت کا ہر ایک کو جوش۔ گھوڑے سے گھوڑا ملائے، باگیں اٹھائے، برچھی کنوتیوں پر مرکب کے رکھے، ولایتیاں کمر سے لگائے، گرز گراں بار لئے، ارابے ساتھ بڑے حشم وخدم سے ظاہر ہوئے ......سواری بڑے عظم وشان سے مثل باد بہاری آگے بڑھی ...... سردار رونے لگے۔ محلات میں گریہ وزاری کی صدا بلند تھی ...... شاہزادے کے بھیر وبنگاہ کے لوگ، خیمے، ڈیرے، بارگاہیں گردوں پر لدی، جملہ سامان کوچ و مقام، شکار کا اسباب، سامان جلسۂ ارباب نشاط، چنگ ورباب لئے جاتے تھے۔

(جلد اول)

پڑاؤ

(۱)

مہ رخ نے حکم کیا کہ لشکر اپنی جگہ اترے۔ بمجر دارشاد اسی وقت بیلدار نکلے اور جنگل کی جھاڑیاں جھنڈیاں کاٹ کر میدان صاف کرنے لگے۔ سطح صحرا کو شفاف صورت آئینہ کر دیا۔ خیام ذوی الاحترام نصب ہونے لگے۔ رن گڑھ بننے لگا، دمدمے تیار ہوئے، کہیں نقب لگائی، کسی جا سرنگ کا ڈھنگ کیا، کہیں مورچہ کشادہ بنایا، کہیں تنگ کیا۔ جنگی سامان درست ہوگیا۔ بیچ لشکر میں چشمۂ آب کے قریب بارگاہ فلک فرسا نصب ہوئی۔ منڈیوں اور گنج کے جھنڈے گڑ گئے، چوپڑ کا بازار سجا گیا، دکانوں کے نشان ڈالے گئے، خیام شاہی کے روبرو اُردوئے معلیٰ کا طور مقرر ہوا۔ اسکپیں، بے چوبے، کنڈلیاں، راوٹیاں استادہ ہوئیں۔ لشکر اترا۔ عیش محل کی زنانی بارگاہ علیحدہ استادہ ہوئی۔ دردولت مقرر کی۔ سرداروں اور شاہ کے جلوس کے لئے وسط لشکر کی بارگاہ ٹھیرائی۔ پھر تخت طاؤسی مقام صدر میں آراستہ ہوا۔ چار طرف دنگل کرسیاں بچھ گئیں۔ سامان راحت جملہ درست ہوا۔ کسی طرف باورچی خانہ بنایا، کہیں آب دار خانہ مقرر کیا۔ ایک سمت میخانہ سجا گیا۔ لشکر میں بازاریں کھل گئیں، کٹورا کھنکنے لگا۔

(جلد اول)

(۲)

بازار لشکر کے ہر سردار کی بارگاہ کے آگے آراستہ ہے، اور اُردوئے معلیٰ کا نقشہ ہے، ایک طرف سونے کی بازار ہے، دوسری سمت جواہر کا انبار ہے، کہیں چینی کا بازار، خاقان چین کی کھلی ہے۔ کہیں فرنگستان کی بازار لگی ہے...... ایک سمت بارگاہ سلیمانی کو دیکھا کہ ہزار ہا کلس سونے کے اس پر چڑھے ہیں، ہر کلس پر طاؤس جواہر کے، منقار میں مالے مروارید کے لئے بیٹھے ہیں۔ دونوں جانب سڑکیں، کنارے ان کے بازار چار طاق بلقیس آراستہ ہے۔ سڑک پر جواہر کٹا ہے۔ سقے بادلہ نگار لنگیاں باندھے، کٹورے چاندی سونے

کے کمر میں رکھے چھڑکاؤ کر رہے ہیں۔ سرداران عالی تبار اپنی اپنی بارگاہ سلیمانی میں جاتے ہیں، اور لشکر امیر جہاں تک پیک نگاہ جاتا ہے، اترا ہوا نظر آتا ہے...... لشکر میں ڈنکے بج رہے ہیں۔ پتیلیاں چڑھی ہیں، قورمے بھن رہے ہیں۔ بہادر ہاتھ تلواروں کے نکالتے ہیں۔ تودے بناتے ہیں۔ تیر اندازی ہو رہی ہے۔ کسی جا سجادے بچھے ہیں، لوگ تلاوت صحیفۂ ابراہیمی، کتب ربانی میں مصروف ہیں۔

(جلد اول)

(۳)

ایک لشکر ساحروں کا اترا ہوا دیکھا کہ خیمے، خرگاہیں استادہ ہیں۔ سایہ کی قنات تنی ہے، کڑھاؤ چڑھے ہیں، چہل پہل ہو رہی ہے، بستر ساحروں کے لگے ہیں۔ جا بجا چوکے دیئے ہیں، آسنی ہر جگہ بچھی ہے۔ پوجا پاٹ میں بعض مصروف ہیں، بعضے اشنان، گیان دھیان میں ہیں۔ کنوئیں پختہ بنے ہیں، دھوتی چھانٹ رہے ہیں۔ کوئی سورج سے آنکھ ملائے، ہاتھ جوڑے کھڑا ہے، کوئی ہوم کر رہا ہے، سامنے اگیار کے جپ کرتا ہے، کوئی رسوئی کرنے میں مشغول ہے، بھونریاں لگاتا ہے۔ کسی نے سب کام سے فراغت پائی، آرام میں ہے۔ کوئی عیش و نشاط کے کام میں ہے۔ دف دائرہ کہیں بج رہا ہے، کسی جگہ چکارا اور ڈھولک کا سماں ہے۔ کوئی کسرت کرتا ہے۔ پٹا بانک ہوتا ہے۔ کہیں ڈنڈا اور مگدر کا چرچا ہے، کوئی ناچ دیکھنے میں مصروف ہے، کہیں حسن خوب سے کوئی مالوف ہے۔

(جلد اول)

(۴)

خیمہ ہائے عالی شان استادہ ہونے لگے، کنڈے، سراپچے، بے چوبے قرینے سے سجے، سابر کی قنات تنی۔ بارگاہ میں مسل در مسل پالیں، چھول داریاں، نم گیرے کھڑے ہوئے۔ سرداروں کے لئے بارگاہیں، سواروں کے لئے تنبو استادہ تھے۔ لشکر جب اتر چکا اُس وقت بازاری، بیوپاری، کنجڑے، قصائی، نان بائی، کونڈیے ہر جگہ لے جا کر آباد کرنے لگے۔ بازار کے لئے ہر جگہ کوتوال، اہل کار، محافظ ہوا۔ لشکر میں ایک شہر کی کیفیت

حاصل تھی۔ دکانیں کھلی ہوئیں، خرید و فروخت ہوتی تھی کہ شام آئی۔ اس دم ہر چوک میں گلاس روشن ہوئے، دکانوں میں چراغ جلنے لگے۔ مردمان لشکر پھرنے لگے، سپہ سالار لشکر کئی کئی ہزار سوار لے کر لشکر کے گرد طلایہ پر مقرر ہوئے کوتوال گشت کو اٹھے۔ نرسنگھے پھنکے، بدمعاش گھرنے لگے۔ بیدار باش، خبردار باش کی صدا بلند ہوئی۔

(جلد اول)

گھر نہ سہی گھاٹ

دیکھا کہ ایک دھوبی بیل پر لادی لادے، کندھے پر میلے کپڑوں کی گٹھڑی رکھے، جامدانی کا انگرکھا پہنے، ہاتھوں میں چاندی کے کڑے پڑے ہوئے، بموجب مثل دھوبی کا چھیلا، آدھا اُجلا آدھا میلا، بنا ہوا، برہا گاتا آتا ہے۔ اور پیچھے اس کے بہت سے دھوبی بیلوں پر کپڑے لادے، اور بیلوں کے گلے میں گھنٹیاں پڑی ہوئیں۔ کسی بیل پر دھوبن ٹانگیں پھیلائے سوار، ڈوری ناتھ میں بندھی ہوئی، ہاتھ میں لئے ہوئے گھما گھما کر بیل کو مارتی جاتی۔ اور کسی بیل پر پاٹا اور تناؤ کے بانس لدے، پیچھے اس کے دھوبی پتیلا بھٹی چڑھانے کا اور ناندا سوندھن کرنے کا کندھے پر اوندھائے لڑکے کا ہاتھ پکڑے، ''بھیا رے بھیا۔'' کہتا چلا آتا ہے۔

(جلد اول)

جل ٹھنڈے

عمرو نے کنارے ٹھہر کر اپنی صورت بھی سقوں کی ایسی بنائی۔ کھاروے کی لنگی باندھی، تسمہ گلے میں ڈالا، سر پر پگڑی باندھی، پیچ پگڑی کا اندھیری ڈالنے کے لئے کھلا رکھ کر گردن میں لپیٹ لیا۔ کٹورے کمر سے لگائے، کانٹے تسمے میں باندھے، تسمہ مشک باندھنے کا کاندھے پر الٹ کر ڈالا، اور مشک آڑی کر کے گلے میں ڈال کر پشت پر سنبھالی۔
(جلد اول)

اربعہ عناصر

(۱)

ناگاہ منڈھی بنی ہوئی نظر آئی کہ نرکل کی منڈھی، سامنے اس کے دھونی رمائی ہے۔ درختوں کا ضرفہ ہے، اس میں قفس ہے، طائروں کوٹانگا ہے۔ ایک گھوڑی منڈھی کے اس پار چھوٹی پھرتی ہے۔ دھونی کے کنارے دیپنا گھرسا ہے، چلم گانجے کی اوندھی، اُپلا دبا ہے، پنجروں میں پدا، لوا، تیتر، بلقا، دھنیر، کوکلا، طوطا، مینا ہے، مرگ چھالے پر اتیت بیٹھا ہے، لنگوٹا بندھا ہے، قشقہ ماتھے پر کھنچا ہے، آنکھیں لال لال نشے میں بھری کمال ہیں۔

(جلد دوم)

(۲)

اپنی صورت ایک مہنت کی ایسی بنائی۔ کان میں کنڈل ڈالے، جٹائیں بالوں کو بٹ کر لٹکائیں، سارا جسم خاک سے بھرا، دست پناہ ہاتھ میں لیا، لوہے کا کڑا ہاتھ میں پہنا، لنگوٹا اس طرح باندھا کہ موئے زہار باہر نکلے رہے۔

(۳)

صورت اپنی مثل ایک جوگی کے بنائی۔ یعنی چار ابرو مونڈ کر تہد باندھی، تسمہ اس پر لگایا، جھولا گلے میں ڈالا، کشکول گدائی کے کڑے میں تسمہ ڈال کر کاندھے سے لٹکایا، کڑا لوہے کا ہاتھ میں ڈالا۔ اور وہاں سے اس جگہ جہاں یہ ساحرہ سورہی تھی، پہنچ کر ایک شاخ درخت تھام کر صدا کہنے لگا۔ آنکھیں بند تھیں، اور بہت زور سے چیختا تھا۔ کہتا تھا کہ:

اس نگری سے کام نہیں، خاص وطن کو جانا ہے
دنیا دولت لوگ کٹم پر ناحق جی بھٹکانا ہے
ہلمل کے چلے لوگن سے، پھر یہاں نہیں آنا ہے
بھگوت آٹھ پہر نا بھولے، ہر کو منہ دکھلانا ہے

(جلد دوم)

(۴)

جنگل سے لکڑیاں جلدی جلدی کاٹ کر چار طرف ستون بنائے، اور چھت پر پتیاں بچھا دیں۔ اور ساری چھت پر بیلدار درخت کی بیل چھا دی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ منڈھی کسی فقیر کی ہے۔ غرض اس منڈھی کے دروازے پر سیلی تاگے، ٹھکے منکے سے درست ہو کر، تہمد باندھ کر، الف آزادی قشقے کی طرح ماتھے سے ناک تک کھینچ کر تلک پیشانی پر دے کر بیٹھا۔ ایک ٹھیک آگے رکھ لی...... لکڑیاں بڑی بڑی سلگا دیں...... دھواں چار طرف پھیلا۔ بیچ میں لکڑیوں کے آپ بیٹھا۔ بعد تھوڑے عرصے کے آذر جادوگر آ کر پہنچا، دیکھا ایک فقیر بیٹھا اپنی موج میں جھوم رہا ہے، ٹھیک رکھی ہے، دھونی رمائے ہے، دسپنا ٹھیک میں گھر سا ہے، منڈھی کے ایک طرف تلسی کا پیڑ لگا ہے، آسنی بچھی ہے، سامنے چلم گانجہ پینے کی رکھی ہے، نریل دھرا ہے، تپسی معلوم ہوتا ہے۔

(جلد اول)

سنیچر

اس نے...... فوراً اپنی صورت حال مثل برہمن کے بنائی۔ چندوے دار ٹوپی پہنی، انگوچھا کندھے پر ڈال کر ایک سرے میں انگوچھے کے پترہ باندھا، دوسرا سرا سینے کے قریب لٹکایا، مرزائی کے نیچے جنیو چھپایا، اور دھوتی پیتمبری باندھی، قشقہ پیشانی پر دیا۔ لشکر سے نکل کر ''شگن! ساعت!'' پکارتا چلا۔ جب ''اہلیل'' لشکر کو طے کر کے صحرا میں پہنچا، برہمن نے اس کو دیکھ کر اسیس دی کہ ''بھگوان بھلا کرے، پرمیشر بنائے رکھے، نارائن کرے، بچہ انند رہو، بول بالا ہو، دشمن رور ہے۔ اب تو آپ کی نویں برھسپت ہے، چندر مابلی ہے، چولا سکھی رہے گا۔ بھگوان کی دیا سے مورے مہراج کی بڑھتی کے دن ہیں۔ منگل پانچواں سورج کو بہتری یعنی شرف ہے، سب کام سدھ ہوں گے۔''

(جلد اول)

اس نگر میں

ایک سوادشہر دکھائی دیا۔شاہزادہ افتاں وخیزاں وہاں پہنچا، دیکھا حصار شہر بلور کا ہے، سراسر نور کا ہے، دیوار میں نقش ونگار، تصویریں شاہ وشہر یار کی بنائی ہیں، شکار گاہیں، صحرا، کوہ و دریا کی صورتیں اصل کر دکھائی ہیں۔ در شہروا ہے، پھاٹک فیل مست کی طرح جھوم رہا ہے...... دروازے کے قریب قلعہ ہے، ہزاہا برج اس میں بنا ہے...... جب اندر شہر کے آیا، ملک کو آباد پایا۔گلی کوچے صاف، دل عاشق کی طرح۔ دکانیں ستھری اور شفاف، ہر طرف اکابر شہر اور اشراف سرگرم کاروبار، لین دین اور بیوپار جاری، ہر مکان دکان کی تیاری بڑی۔ ایک طرف صرافہ، دوسری طرف بزازہ۔ چار طرف صراف چادریں بچھائے، کوڑی پیسے اور درم دینار کا ڈھیر لگائے، بزاز اطلس وگل بدن کے تھان کھولے بیٹھے ہیں۔ خریدار پھرتے ہیں۔کسی سمت حلوائی تھال سونے چاندی کے لگائے جن میں مٹھائی انواع واقسام کی لذیذ وعمدہ چنی ہوئی، بیچ رہے ہیں۔کہیں نانبائی ہیں۔ کسی طرف کنجڑے اور قصائی ہیں، کہیں بساط خانے کی سجاوٹ ہے، کہیں گل فروشوں کی بہار، کسی طرف ساقنوں کی بناوٹ ہے۔ رنڈیاں طرح دار چکلے چوک میں آباد، تماشابین دل شاد۔ عورتیں جوان، لہنگے زربفت کے دھوتی کے انداز پر کسے، ساڑیاں آدھی باندھے۔ بعض کے دوپٹے میں لچکا ٹنکا، کرن لگی، اس کی گاتی سورج سے زیادہ جگمگاتی۔ سب گوکھرو کی انگیا کھنچی، وضع دار، کچوں کا ابھار۔ جواہر نگار کڑے ہاتھوں میں پڑے، پاؤں میں تین تین سونے کے چھڑے۔ ناز وانداز دکھاتی، عاشقوں کو لبھاتی تھیں۔کہیں کبڑنیں سن کرنین سونے چاندی کی ترازو میں میوے تولتیں، عاشق تنوں کو نارپستان و سیب زنخدان کی بہار دکھاتیں۔

(جلداول)

جن جائے انہیں لجائے

صرصر (افراسیاب کی عیارہ ہے) کو پنجۂ سحر اٹھا کر اس کے خیمے میں پھر پہنچا گیا۔ صبا رفتار (عیارہ ہے، صرصر کی ماتحت) اس کے جانے سے متردد تھی، اس وقت خوش ہو کر پوچھنے لگی کہ ''اے شہزادی، آپ کہاں تشریف لے گئی تھیں؟''

صرصر نے سب کیفیت بیان کر کے کہا: ''چلو، برق محشر کو پکڑ لائیں۔''

یہ کہہ کر کسوت عیاری وا کر کے، آئینے سامنے رکھ کر صورتیں اپنی دونوں نے تبدیل کیں، ایک تو خود عورتیں نازنین، حور جمال ہیں، اور دوسرے اور بناوٹ سے مہ پارہ، حسینہ اور جمیلہ بارہ بارہ برس کی کم سن لڑکیاں بنیں......

جب رات ہوئی، دونوں اپنے خیمے سے نکل کر روانہ ہوئیں، اور لشکر مہ رخ میں پہنچیں۔ جس نے لشکر میں دیکھا، ان پر شیفتہ اور فریفتہ ہوا۔ عاشق تن شعر پڑھنے لگے، نوجوان آوازے کسنے لگے، کوئی بولا کہ ''میں اس زلف کا سودائی ہوں۔'' کوئی پکارا کہ ''میں رخ انور کا شیدائی ہوں......'' اور کوئی بے قرار ہو کر ان کے پیچھے چلا، اور کہتا جاتا تھا کہ ''اے یار دلنواز وا ے سراپا مایہ ناز، ایک نظر ادھر بھی دیکھ لو کہ یہ دل مضطر تسلی یاب ہو، اور مجھ بیتاب کی جان بچے کہ:

گردش چشم سے سرمے کا ضرر کیا ہو گا
دیکھ لو گے جو ادھر ایک نظر کیا ہو گا
ہم بھی اپنے دل بیتاب کو سمجھا لیں گے
پھیر لے ہم سے او بے دید نظر کیا ہو گا''

اور کسی نے ان کی اچپلاہٹ اور چلبلا پن دیکھ کر دل سے دعا دی کہ:

''چودھواں سال خدا خیر سے کاٹے تم پہ
گھٹنے لگا ہے مہ چاردہ پورا ہو کر''

ہمراہ ان دونوں کے مجمع عاشقاں، ہر سمت سے ہجوم جواناں تھا...... اسی طرح لشکر سے گزر کر در بارگاہ مہرخ پر پہنچیں، حاجبان درگاہ سے کہا کہ ''ہماری خبر ملکۂ عالم سے جا کر عرض کرو کہ دو لڑکیاں حاضر ہوئی ہیں۔''

دربانوں نے کہا: ''تم کہاں سے آئی ہو؟''
انہوں نے کہا کہ ''ہم کچھ فوج لے کر تو آئے نہیں ہیں جو تم پوچھا گچھی کرتے ہو۔ جاؤ ملکہ سے بیان کرو۔ جہاں سے ہم آئے ہیں آپ ہی ثابت ہو جائے گا۔''
اس تقریر سے دربان خاموش ہوئے، اور عرض بیگی نے جا کر مہرخ سے بعد دعا و ثنا کے دست بستہ التماس کیا کہ دو لڑکیاں آستانۂ عالی پر حاضر ہیں، تمنا باریاب ہونے کی رکھتی ہیں۔''
مہرخ نے بمجرد سننے کے حکم دیا کہ ''سامنے لاؤ۔''
ملازمان بارگاہ دونوں کو روبرو لائے، انہوں نے مجرا گاہ پر سے باادب استادہ ہو کر مجرا کیا۔ اہل دربار میں سے جس نے ان کی صورت کو دیکھا، دیوانۂ رخ زیبا بنا، اور بہار سے سرخ مو و نافرمان وغیرہ دیکھ کر گویا ہوئیں کہ ''ہے ہے، کم بختیں ابھی بالکل کم سن ہیں۔ نگوڑیوں پر نہیں معلوم کیا مصیبت پڑی ہے جو گھر سے نکلیں۔''
ایک ساحرہ بولی کہ ''ناشدنیاں صورتیں تو بھولی بھالی رکھتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی اشراف کی بیٹیاں ہیں۔''
ایک نے کہا: ''بہن، دیکھو یہ الہڑ بھی ہیں، کچھ شعور نہیں ہے۔ بال بھی رخ پر سے نہیں ہٹاتی ہیں۔''
غرضکہ اپنی اپنی بولیاں سب بولتے تھے، اور ان کے حسن و جمال پر فریفتہ تھے فی الحقیقت انہوں نے اپنی بناوٹ ایسی ہی کی تھی کہ کرتیاں آستینوں دار پہنے، جھولیاں گلے میں ڈالے، ناک میں ایک ایک موتی کی نتھنی پہنے تھیں، مگر روئے زیبا مثل گل تازہ کے، نسیم تمنائے عاشقاں سے شگفتہ اور زلف مثل سنبل پر تاب کے کہ ہزاروں نافۂ مشک ناب اس میں پوشیدہ تھے، آراستہ اور پیراستہ کر کے آئی تھی......
مہرخ نے نہایت شفقت سے ان کو کرسی قریب تخت بیٹھنے کو مرحمت فرمائی، اور براہ نوازش و تفقد حال ان کا پوچھا۔ دونوں لڑکیاں رونے لگیں، لالی آبدار شاہوار اشک متصل اور مسلسل صدف چشم سے ڈھلک کر رخسار پر آنے لگے۔ خوب دھارم دھار روئیں۔
مہرخ بے قرار ہو گئی، اور پاس اپنے بلایا۔ ان کے حال زار پر رحم آیا۔ آنسو پونچھے، دلاسا دے کر بٹھایا۔
انہوں نے کہا: ''ہم ہیکل جادو کی بیٹیاں ہیں، باپ اور ماں ہمارے رہرو عدم

ہوئے، ہم اکیلے رہ گئے، کوئی روٹی دینے والا کیا، خالی سر پر ہاتھ رکھنے والا بھی نہ رہا۔ اب محنت ومشقت کرتے ہیں، تیرا میرا کام کاج کر کے روٹی میسر آتی ہے، کھا کر پڑ رہتے ہیں۔ لیکن جوان جہان ہیں، اور کم بخت پیلا چمڑا ہمارا ایسا ہے جس کے سبب سے ہر شخص آبرو کا خواہاں رہتا ہے، مردوئے تاکتے جھانکتے ہیں، آوازے کستے ہیں۔ غریب سمجھ کر ہر شخص جو پاتا ہے سو کہہ لیتا ہے۔ لہٰذا آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہمیں کنیزی میں قبول فرمائیے۔ اور رعد اور برق محشر کا شاگرد کرا دیجئے کہ ہم کو انہیں کا سحر پسند ہے۔ ان کا کاروبار کریں گے، اور سحر بھی سیکھیں گے۔ آپ کے فرمانے سے اگر وہ ہمیں رکھ لیں تو عنایت ہے۔"

اس تقریر کو سن کر مہرخ نے رعد اور برق محشر کی جانب دیکھا، اور رعد اپنا نام ان کی زبان سے سن کر انہیں کی طرف متوجہ ہوا، اور بنظر غور اس نے دیکھا کہ وہ نازنینان مہ پارہ کم سن، قبول صورت ہیں، چھاتیاں ابھرتی آتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ گٹھلیاں چھوٹی چھوٹی چھاتیوں میں ابھی پڑی ہیں، مہندی ہاتھوں میں لگی ہے، پور پور چھلے پہنے ہیں، پاؤں میں چھاگلیں پڑی ہیں، گلے میں طوق ان خورشید رخساروں کے ہلال آسا پڑا ہے، کان کے بالے رخسار پر حلقہ فگن ہیں...... رعد کا دل ہاتھ سے جاتا رہا، اور عرض پیرا ہوا کہ "اے ملکہ مہرخ، میں ان کو بہ دل جادو تعلیم کروں گا۔"

ادھر برق محشر نے کہا: "حضور ملاحظہ فرمائیں گی جو کچھ ان کی کیفیت ہوگی، دس ہی پانچ روز میں شاہ طلسم کا مقابلہ کریں گی، اور طلسم کی جو برقیں ہیں ان کا جواب یہی دیں گی۔ میرے ساتھ دھنے بائیں چمکا کریں گی، اور آپ کے لشکر میں مجھ سمیت تین برق ہو جائیں گی۔"

مہرخ نے کہا: "ان کو اپنے ساتھ خیمے میں لے جاؤ۔ سرکار سے خرچ ان کے آب خورش کا ملے گا۔ لیکن سحر سکھانے میں ان کو مارنا پیٹنا نہیں۔ یہ سمجھ لو کہ بے ماں باپ کی بچیاں ہیں۔"

برق محشر نے جواب دیا کہ "میں بیٹیاں سمجھوں گی، اور خصوصاً حضور کا درمیان ان کے بارے میں ہے۔ کوئی تکلیف کسی طرح کی انہیں نہ ہوگی......"

قصہ کوتاہ، رعد اور برق محشر ان کو لے، اپنے خیمے میں آئے...... برق محشر نے لڑکیوں کے لئے مسندیں اور پلنگڑیاں جواہر کار بچھوا دیں...... دونوں مسند پر جلوہ گر ہوئیں۔ رعد بھی ان کے پاس آ کر بیٹھا، اور نظارۂ جمال حور مثال کرنے لگا۔

برق محشر نے کہا: "بیٹا، تو ان کو اس طرح نظر حسرت سے دیکھتا ہے کہ بس نہیں تیرا جو

نگاہوں سے انہیں پی لے۔''

رعد نے جواب دیا کہ ''اماں جان، تم ماں ہو۔ تم سے کیا پردہ ہے؟ میرا دل ان پر آ گیا ہے!'' یہ کہہ کر ماں کی گردن میں ہاتھ ڈال کر لاڈ کرنے لگا کہ ''میری اماں، تیرے صدقے، تیرے قربان۔''

برق محشر تیوری چڑھا کر بولی کہ ''لونڈے، کیا بکتا ہے؟ حواس پکڑ، عقل کے ناخن لے۔ مجھے یہ باتیں نہیں اچھی معلوم ہوتیں۔ چونچلے کی باتیں کسی اور سے جا کر کہو اور سنو۔ نخرے کی خوبی! بزرگی خردی سب ڈوبی! سبحان اللہ، اب تو خوب چل نکلا ہے۔ مجھ سے بھی صاف صاف کہنے لگا۔ شامتی، غارت ہوئے، موئے بے حیا، تیرے جئے کتا نہ جئے۔ خدا کی شان جن جائے انہیں لجائے۔ ابھی کل کا ذکر ہے کہ لنگوٹی باندھے پھرتا تھا۔ آج اس قابل تو ہوا کہ رنڈی بازی کرنے لگا۔ چل چخے، دور ہو۔ نگوڑے نکل یہاں سے۔ کیا مجھے مہرخ کے سامنے ذلیل کرائے گا؟''

رعد ماں کے غصہ کرنے سے پاؤں پر گرا اور لوٹنے لگا کہ ''آپ اس مقدمے میں نہ بولئے میں جانوں اور یہ جانیں۔''

برق محشر آخر ماں ہے، اس کے حال پر رحم کھا کر چپ ہو رہی۔ مگر بمزید احتیاط خود بھی لڑکیوں کے پاس آ کر بیٹھی کہ شاید رعد ان کو ستائے، اور یہ ناراض ہو جائیں۔ اور ادھر صرصر بھی رعد کی بے قراریاں دیکھ کر گھبرائی کہ مبادا یہ ہم پر دست درازی کرے تو ہم کچھ اس کا نہ کر سکیں گے۔

یہ سوچ کر اپنے پاس سے ایک بیضہ نکالا، اور برق سے گویا ہوئیں کہ ''ہم سحر تو جانتے نہیں ہیں لیکن یہ انڈا ہے، ہم نے ایک جگہ پر پڑا پایا ہے...... اس میں عجیب خوشبوئیں آتی ہیں۔''

رعد نے کہا: ''لاؤ میں دیکھوں۔''

صرصر نے اس کو حوالے کیا۔ رعد نے کہا: ''تم بھی انڈا دینے لگیں؟''

لڑکیاں بولیں: ''تم ٹھٹھے بازی کرتے ہو۔''

برق نے کہا: ''بیٹا، تم نے ان سے کیا کہا؟''

رعد نے ماں کو تو جواب نہ دیا، مگر مارے ہنسی کے پیٹ پکڑ کر لوٹنے لگا، اور وہ بیضہ آپ بھی سونگھا، اور ماں کے نتھنوں سے لگا دیا۔ اس میں غضب کی بے ہوشی تھی، دونوں سونگھتے ہی بے ہوش ہو گئے۔

(جلد اول)

چلّو میں الّو

عمرو نے اندر شہر کے آ کر دیکھا کہ کٹورا کھنک رہا ہے، گرم بازاری ہر طرف ہے۔ کرسی دکانوں کے برابر دونوں طرف، بیچ میں پختہ پتھر کی سڑک۔ درخت مولسری کے سایہ دار کنارے سڑک کے لگے ہیں۔ خریدار، بیوپاری، سیاح ہر قسم کے لوگ خوش حال و دل شاد ہر طرف لین دین کرتے پھرتے ہیں۔ سقوں کے کٹوروں کی جھنکار، دلالوں کی بول چال، ہر سمت دھوم دھام، خلقت کا اژدھام۔ عمارتیں گچ کی اور پختہ تعمیر، کمرے نفیس و خوش قطع و دل پذیر۔ عمرو سیر کنان قریب دار العمارت شاہی کے پہنچا۔ یہاں سے اہل عملہ کو اسی باغ کی طرف کہ جہاں سامان دعوت اجلال ہوا ہے، جاتے دیکھا۔ عمرو بھی انہیں کے ساتھ ساتھ اس باغ میں آیا، یہاں بڑا سامان اور تجمل شاہانہ دیکھا...... فرش مکلّف بچھا ہے، اجلال مسند پر بیٹھا ہے، سامنے ناچ ہو رہا ہے۔ سلیمان خاطر داری میں مصروف ہے۔ عجب طرح کا سماں بندھا ہے، جام شراب چل رہا ہے......

عمرو یہ تماشا دیکھتا ہوا اجلال جادو کی پشت پر جا کھڑا ہوا، ساحر کی صورت بنا ہوا ہے۔ اجلال جہاں بیٹھا ہے اس کے سامنے ایک مکان معلوم ہوتا ہے اور اس کے دروازے پر پردہ پڑا ہے۔ وہ پردہ بار بار اٹھا کر ایک زن حسینہ و جمیلہ اجلال کو دیکھتی ہے، اور یہ بھی اسی طرف نگراں ہے۔ اہل محفل تو ناچ دیکھ رہے ہیں۔ کوئی اجلال کے ادھر دیکھنے کا خیال بھی نہیں رکھتا ہے۔ عمرو نے جو یہ ماجرا دیکھا، معلوم کیا کہ یہ باغ شاید محلات سلیمان سے ملا ہوا ہے، اور عورتیں بھی محلات کی در و بام پر سے ناچ دیکھ رہی ہیں، اور جس طرف کہ اجلال دیکھ رہا ہے، اور وہ عورت جھانکتی ہے، یہ بھی سلیمان کی کوئی زوجہ یا دختر ہے۔

پس عمرو یہ خیال کر کے اسی پردے کی جانب آیا، اور ٹھہرا رہا کہ ایک کہاری وہاں سے کسی کام کو باہر نکلی۔ عمرو نے اس سے کہا کہ ''ہماری بی بی بادشاہ کی بی بی پاس ملازم ہیں۔ ذرا انہیں بلا دو۔''

کہاری نے کہا: ''اس پردے میں شہزادی نسرین عنبریں مو، دختر بادشاہ ناچ دیکھنے آئی ہیں، اور بی بی بادشاہ کی علیحدہ دوسرے کمرے میں ہیں۔ وہاں میں نہیں جا سکتی۔ تم وہ جو سامنے داہنی طرف کو کمرہ بنا ہے، وہاں جا کر اپنی زوجہ کو دریافت کرو۔''

عمرو نے کہا: ''اچھا'' اور وہاں سے علیحدہ ہوا اور سمجھ گیا کہ اس پردے میں دختر شاہ ہے کہ جس کو اجلال دیکھتا ہے۔ غرضکہ کچھ عیاری تجویز کر کے عمرو گوشۂ باغ میں گیا، اور ایک مردھے کی صورت بنا، شملہ نما پگڑی سر پر باندھی، چپکن کھریا کی ہوئی پہنی، تمغہ پگڑی میں لگایا۔ عصا سونے اور چاندی کا گنگا جمنی ہاتھ میں لیا، اور داڑھی سینے تک سفید درست کر کے قریب اس پردے کے آیا، اور کونا پردے کا اپنی پشت کے نیچے لے کر دیوار سے تکیہ کر کے کھڑا ہوا۔

یہاں نسرین نے جو پردہ اُٹھایا، کونا دبا پایا۔ چاہا کہ پردے کو چھوڑ دے مگر عمرو نے کہا: ''اب ہے شرط؟ بادشاہ سے کہہ دوں کہ یہاں جو عورتیں ہیں وہ اجلال جادو سے اشارے کرتی ہیں۔''

ملکہ یہ سن کر دم بخود ہوگئی کہ معلوم ہوتا ہے اس مردھے نے مجھے اشارے کرتے دیکھ لیا۔ ایسا نہ ہو کہ میرے باپ سے کہہ دے۔ یہ سوچ کر جھانکنا موقوف کیا۔ ادھر اجلال نے دیکھا کہ جہاں سے وہ نازنین جھانکتی ہے، اب اس جگہ ایک چوبدار بوڑھا کھڑا ہے، اس کا دل بے قرار ہوا۔ چاہا چوبدار کو ہٹوا دے مگر کچھ بس نہ چلا، کیونکہ سمجھا اگر سلیمان سنے گا تو آزردہ ہوگا کہ زنانی ڈیوڑھی سے کیا کام تھا کہ چوبدار کو ہٹا دیا۔ یہ خیال کر کے خاموش رہا، مگر دل بے قرار تھا۔ دم بدم عمرو کو دیکھتا تھا۔ عمرو نے اجلال کے دیکھنے پر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ الگ اُٹھ کر چلو تو میں تم سے کچھ کہوں۔ اجلال سمجھا کہ چوبدار اس نازنین کا جو مجھ سے نظارہ بازی کرتی تھی، محرم راز ہے، اسی کا کچھ پیام دے گا۔ یہ سمجھ کر مسند پر سے اٹھا۔ سلیمان سمجھا کہ رفع احتیاج کو جائے گا لیکن اجلال نے کسی ملازم تک کو بھی اپنے ساتھ نہ لیا، اور الگ آ کر عمرو کو اشارے سے بلایا۔

عمرو پاس آیا۔ اجلال چمنستان میں باغ کے لے جا کر کہنے لگا: ''میاں مردھے آپ نے مجھے کیوں اشارے سے بلایا ہے؟''

عمرو نے دعا دینا شروع کی اور کہا ''اے بادشاہ عالی وقار، یہ غلام دادا ملکہ نسرین عنبریں موکا ہے، اور ملکہ کو میں نے گودوں پالا ہے، اور اب ملکہ مجھ سے کوئی امر پوشیدہ نہیں کرتی ہیں، اور ملکہ آپ پر فریفتہ ہوئی ہیں، اور کہلا بھیجا ہے کہ اگر آپ میرے عاشق ہیں تو ایک مکان میرے باپ سے کہہ کر الگ خالی کر لیجیے، اور وہاں آپ ہوں اور وہ ساحر جو

بڑے معتبر اور آپ کے خیر خواہ ہوں وہ ہوں، اور کوئی نہ ہو۔ پس ان ساحروں کو بھیجئے کہ بزور سحر اڑتے ہوئے آئیں، اور میں کوٹھے پر اسی مکان کے سوتی ہوں گی، میرا پلنگ اٹھا لے جائیں۔ رات بھر میں تمہارے پاس رہوں، اور صبح ہوتے پھر میرا پلنگ اسی جگہ پہنچا دیں۔ یہی باتیں کہنے کو میں نے آپ کو بلایا تھا۔ اب فرمایئے کہ کب ملکہ کو بلوایئے گا، میں ملکہ سے بیان کروں کہ اس دن وہ کوٹھے پر سوئیں۔"

اجلال یہ پیام سن کر ایسا خوش ہوا کہ گلے سے اپنے مالا موتیوں کا اتار کر مردھے کو دیا، اور کہا: "میں تجھے مالا مال کر دوں گا۔ تو ملکہ سے کہہ دینا کہ میرا ابھی تمہاری فرقت میں حال غیر ہے۔ میں آج مکان خالی کرالوں گا، اور ملکہ کوٹھے پر آرام کریں۔ میں بلوالوں گا۔"

یہ وعدہ جب ہو گیا، عمرو نے کہا: "اچھا جایئے، اور مکان خالی کرانے کی تدبیر کیجئے۔"

اجلال نہایت مسرور ہو کر پھرا، اور محفل میں آ کر ناچ دیکھنے لگا۔ لیکن عمرو وہاں سے پھر کر اسی پردے کے پاس آیا، اور گلیم عیاری اوڑھ کر اندر پردے کے گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک نازنین مہ جبین یعنی ملکہ نسرین عنبریں موسع اپنی چند خواصوں کے کرسی پر بیٹھی ناچ دیکھتی ہے۔ عمرو نے یہ دیکھ کر گلیم سے اپنے پیر اور دونوں ہاتھ پاؤں کو کھول دیا (یہ گلیم اوڑھنے سے آدمی نظروں سے غائب ہو جاتا تھا) اب سارا جسم تو دکھائی نہیں دیتا، فقط سر اور دست و پا ظاہر ہیں۔ اس طرح ملکہ کے سامنے آیا، اور کہا: "میں بے دھڑ کا شہید ہوں، تم سب کو کھالوں گا۔"

ملکہ اور خواصوں نے جو یہ صدا سنی، اور دیکھا کہ ایک سر اور ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے چلے آتے ہیں، مارے ڈر کے اوندھے منہ زمین پر گر پڑیں۔ عمرو نے غبار بے ہوشی سب کے منہ پر مل دیا کہ سب بے ہوش ہوئیں، اور جلدی اندر اور باہر سب طرف کے دروازے اس کمرے کے بند کر کے اسی جگہ بیٹھ کر ملکہ کی صورت دیکھ دیکھ کے ویسی ہی اپنی صورت بنائی اور ملکہ کے کپڑے اتار کر آپ پہنے، اور ملکہ کو اٹھا کر زنبیل میں رکھ لیا۔

جب اسی طرح سے عمرو درست ہو چکا، اس وقت خواصوں کو فتیلۂ دفع بے ہوشی سنگھا کر ہوشیار کیا۔ جب وہ ہوش میں آئیں، ملکہ کو دیکھا کہ فتیلہ سنگھا رہی ہے۔ غرض جب خوب حواس درست ہوئے، کہنے لگیں کہ "اے ملکۂ عالم، واسطہ خداوند تعالیٰ، جلد یہاں سے تشریف لے چلئے ورنہ وہ بلا کھا جائے گی۔"

عمرو جو اب ملکہ کی شکل بنا ہوا تھا، کہنے لگا کہ "دیوانیو، تم سب سے تو میں ہی مضبوط

ہوں کہ تم بے ہوش ہوگئیں، اور میں ہوشیار ہی رہی۔''

سب نے کہا: ''واری! چاہے کچھ ہی ہو، مگر ہم آپ کو یہاں نہ ٹھیرنے دیں گے۔''

غرض وہ سب عمرو کو ملکہ کے شبہے سے اس طرف کا دروازہ کھول کر اندر ایوان شاہی کے لائیں۔ عمرو نے دیکھا کہ مکان نہایت آراستہ ہے، جا بجا کمرے اور شہ نشین تعمیر ہیں، بارہ دری سراسر خوبی سے بھری، پردے رنگ برنگ کے ہر دالان کے سرے پر آویزاں ہیں، اسباب شاہانہ ہر جگہ مہیا، خوش قطع چلمنیں، دیوارگیریاں ہیں......

عمرو نے وہاں آکر حکم دیا کہ پلنگ میرا آراستہ کرو اور مسند پر زر بچھاؤ۔ کنیزیں جہاں نسرین رہتی تھی اس مقام کو آراستہ کرنے لگیں۔ عمرو پہچان گیا کہ ملکہ جس کی تم صورت بنے ہو، اس کی یہ خواب گاہ ہے۔ بس اس جگہ جا کر بہ آرام تمام مقیم ہوا کہ کل رات کو حسب وعدۂ اجلال بالائے بام جا کر آرام کروں گا۔

اب یہ تو یہاں ٹھیرتے ہیں، لیکن حال ذرا اجلال جادو کا سنو کہ جب یہ وعدہ کر کے چوبدار سے محفل میں آیا، سلیمان سے اس نے کہا کہ ''میں حمزہ سے لڑنے کے لئے سحر اپنا جگاؤں گا۔ مجھے ایک مکان کنارے شہر کے آبادی سے الگ خالی کر دیجئے۔''

سلیمان نے کہا: ''بہت اچھا'' اور اسی وقت حکم دیا کہ ایک خانہ باغ باغہائے شاہی سے خالی کر کے آراستہ کیا جائے۔

ملازمان شاہی حکم پاتے ہی سرگرم انتظام ہوئے، اور ایک خانہ باغ کنارے شہر کے خالی کرایا، اور اسباب بادشاہ کے یہاں سے عیش و آرام کا وہاں جانے لگا......

اسی عرصے میں صبح بھی ہوگئی تھی، اور سلیمان نے جو جلسۂ دعوت کیا تھا وہ برخاست ہوا۔ اجلال رخصت ہو کر اسی خانہ باغ کی طرف چلا، اور اپنے افسران فوج کو بلا کر حکم دیا کہ ''میں نیا سحر تیار کرنے جاتا ہوں، تم جب تک میں نہ بلاؤں میرے پاس نہ آنا۔''

یہ کہہ کر دو رفیقوں کو اپنے کہ ایک کا نام انتظام جادو اور دوسرے کا نام منصرم جادو تھا، ہمراہ لیا اور اس باغ میں آیا۔ دیکھا کہ یہ مختصر سا باغ نہایت درجہ بہار آگیں، رشک وہ فردوس بریں ہے...... حاصل کلام، اجلال بالائے بام آکر، رات بھر کا جاگا تھا، پلنگ پر سو رہا۔ وہ دونوں رفیق اس کے باغ میں سیر کرنے لگے۔ اسی طرح وہ دن تمام ہوا۔

اور ادھر عمرو بشکل ملکہ نسرین ہے۔ اس روز محل میں کنیزوں سے پوشاک اور زیور ملکہ

نسرین کے پہننے کا منگا کر دن بھر آرائش و زیبائش میں مصروف رہا۔ چار گھڑی دن رہے حکم دیا کہ پلنگ ہمارا بالائے بام بچھاؤ کہ چاندنی کی کیفیت دیکھیں گے، اور وہیں آرام کریں گے۔

بمجرد حکم پلنگ کوٹھے پر آراستہ ہوا۔ اور اوٹ پھولوں کے کھڑے کر دیئے، گلاب اور کیوڑے کے قرابوں کے اور عطر کے شیشیوں کے منہ کھول کر رکھ دیئے۔ گل دستے جا بجا، چن دیئے۔ غرضکہ جملہ طرح کا سامان عیش و نشاط مہیا کر دیا، اور کنیزوں نے عرض کیا کہ ''واری! خواب گاہ حضور کی درست ہے۔''

اس وقت ملکہ یعنی عمرو ہمراہ کنیزان ماہ پیکر کوٹھے پر آیا اور وہیں کنیزوں سے کچھ میوہ منگا کر کھایا، اور مسند پر بیٹھا یہ معلوم ہوتا تھا:

وہ زکات حسن شب دیتا تھا بیٹھا بام پر
ماہ بھی سائل کھڑا تھا چرخ نیلی فام پر

وہ چاندنی کی سیر، ملکہ کے حسن کی بہار، ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی، مانگ موتیوں سے بھری عجیب عالم دکھاتی تھی، جادہ کہکشاں کو راستہ بتاتی تھی۔ کنیزیں چکور کی طرح اس ماہ تابان سپہر خوبی کے تصدق تھیں۔ اسی طرح پہر رات تک مصروف لہو و لعب رہیں۔ جب زیادہ رات گئی، ملکہ اپنے پلنگ پر جا لیٹی، اور کنیزیں گرد پلنگ کے سوئیں۔ لیکن ملکہ یعنی عمرو نے دوپٹہ منہ پر ڈال کر سونے کے بہانے جاگنا شروع کیا۔ اور منتظر قدرت نمائی خدائی کا ہوا کہ دیکھیے پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

مگر اب اجلال نے پہر رات گئے انتظام اور منصرم اپنے دونوں رفیقوں سے کہا کہ ''میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ اگر کسی سے نہ کہو گے اور میرا کام کر دو گے تو مال دنیا سے غنی کر دوں گا۔ اور کل لشکر کا اپنے سپہ سالار بناؤں گا۔''

انہوں نے کہا کہ ''اگر ارشاد کیجیے تو ہم اپنا سر کاٹ کر حضور کے قدم پر نثار کریں، آپ کو جو کچھ ارشاد کرنا ہو فرمایئے کہ غلام اسے بجا لائیں، اور یہ راز ہماری زبان سے ہمارے کان تک نہ سنیں گے۔''

اجلال نے کہا: ''مرحبا، یہی چاہیئے۔ لو سنو، وہ بات یہ ہے کہ میں سلیمان عنبریں مو کی دختر ملکہ نسرین عنبریں مو پر عاشق ہوں اور وہ بھی مجھ پر فریفتہ ہے، اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ الگ مکان میں ساحروں کو بھیج کر مجھے بلا لو۔ چنانچہ اب وہ کوٹھے پر مکان

کے جہاں میری دعوت ہوئی تھی اور ناچ ہوا تھا، سوتی ہوگی۔ تم جا کر پلنگ اس کا اٹھا لاؤ۔ اور اس کوٹھے پر جو عورتیں سوتی ہوں ان کو سحر کر کے بے ہوش کر دینا کہ بعد اٹھا لانے ملکہ کے کسی کی آنکھ نہ کھلے، اور ملکہ کا کوئی متلاشی نہ ہو۔''

انتظام اور منصرم نے عرض کیا: ''حضور! کتنی بڑی بات ہے، اسی وقت غلام بجا آوریٔ حکم کرتے ہیں۔''

یہ کہہ کر دونوں سحر پڑھ کے اڑے۔ ملکہ نسرین کے کوٹھے کے قریب پہنچے۔ دیکھا کہ ملکہ خواب ناز میں ہے، ایک پائنچا رانوں تک چڑھا ہے، دوسرا پلنگ کے نیچے لٹک رہا ہے، سراپا غرق دریائے جواہر ہے، کرتی سوتے میں اوپر چڑھ گئی ہے، شکم لوح سیمیں کی طرح چمکتا ہے۔ جوڑا بالوں کا کھلا ہے، زلف چلیپا کمر سے لپٹ گئی ہے، ہاتھ کہیں ہے، پاؤں کسی جا ہے، جوانی کی نیند میں کچھ خبر نہیں کہ کیا کھلا ہے۔

انتظام اور منصرم دونوں نے دور سے سحر پڑھا کہ کنیزیں جو پلنگ کے پاس سوتی تھیں، ان پر بے ہوشی طاری ہوئی، اور ایسی ہوا ٹھنڈی چلی کہ جو جاگتی تھیں وہ بھی سو گئیں۔ اس وقت وہ دونوں ساحر کوٹھے پر سے اترے، اور ملکہ کے پلنگ کو دو طرف سے دونوں نے اٹھایا۔ عمرو کہ باطن میں بیدار تھا، سمجھ گیا کہ اب اجلال نے بلایا، دیکھئے اب کیا گزرتی ہے۔ غرض نظر بہ فضل کردگار کر کے خاموش ہو رہا اور ساحر پلنگ لئے ہوئے ایک لمحے میں پاس اجلال کے حاضر ہوئے، اور پلنگ فرش پر لا کر رکھ دیا۔

اجلال چشم براہ انتظار رکھتا تھا۔ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور کہا: ''اب تم دونوں جا کر نیچے کوٹھے کے آرام کرو، اور خبردار کسی کو یہاں آنے نہ دینا۔ اور تم بھی بغیر میرے بلائے یہاں نہ آنا۔''

وہ دونوں یہ حکم سن کر نیچے کوٹھے کے اتر گئے...... اجلال یہاں ملکہ کے قریب آیا، اور دوپٹہ رخ روشن سے سرکایا۔ شعلۂ برق حسن کہ چمک سے نظر اس کی خیرہ ہوئی، عجب حسن خداداد نظر آیا کہ پیر فلک نے بھی کسی ایسے نوجوان کو بہ ایں ہمہ کہن سالی نہ دیکھا ہوگا، اور گوش روزگار نے کسی کے حسن زیبا کا ایسا تذکرہ خوبی نہ سنا ہوگا......

اجلال کو صورت دیکھ کر بے ہوشی طاری ہوئی، مگر اپنے تئیں سنبھال کر لگا پاؤں ملکہ کے دبانے کہ ایک بار عمرو کروٹ لے کر بیدار ہوا، اور کنیزوں کا نام لے کر پکارا۔ اجلال نے سر اپنا

قدم پر رکھ دیا۔ اور عرض کیا کہ ''کنیزیں تو یہاں نہیں ہیں، مگر یہ غلام تازہ حضور کا حاضر ہے......''

ملکہ نے ایک بار تیوری چڑھا کر اجلال کی طرف دیکھا، اور دوپٹہ سنبھال کر اٹھی۔ اور بال بکھرے ہوئے سمیٹ کر جوڑا باندھا۔ اور دونوں پاؤں کو پلنگ سے لٹکا دیا۔ اجلال کی جانب سے منہ پھیر لیا، اس ادائے معشوقانہ کو اجلال دیکھ کر مر گیا۔ اور پروانہ وار گرد اس شمع کے پھرا۔

ملکہ نے کہا: ''آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ تم کوئی جن ہو یا آسیب ہو۔ کون ہو؟ مجھے یہاں کون لایا ہے؟ یہ مکان کس کا ہے؟''

اجلال نے یہ باتیں سن کر عرض کیا کہ ''اے جان جہاں وارام دل مشتاقاں، جیسا آپ کے دادا جی نے مجھ سے فرمایا ویسا حسب الارشاد حضور یہ غلام عمل میں لایا۔'' اور سب ماجرا چوبدار کی گفتگو کا بیان کیا۔

ملکہ یہ حال سن کر مسکرائی، اور دامن کو جھٹک کر اٹھی، اور کہا: ''اے نابکار، ساحر غدار، میں اسی طرح پیادہ پا اپنے گھر جاتی ہوں، اور موئے بڈھے چوبدار کو جس نے مجھ پر طوفان جوڑا ہے، اور تیری عاشقی کا الزام مجھ پر لگایا ہے، دیکھ تو کیسی سزا دلواتی ہوں کہ وہ بھی یاد کرے، اور اس امر کی خبر اپنے باپ سے کر کے افراسیاب کو نامہ لکھاتی ہوں کہ مونڈی کاٹے! اور تجھے وہ ذلیل کر کے طلسم سے نکال دے۔ اسی طرح ننگ وناموس میں بادشاہوں کے دراندازی کرتا ہے، اور پرائی بہو بیٹیوں کا ستیاناس کھوتا ہے۔''

اجلال یہ باتیں غصہ ناک سن کر ڈرا، منتیں کرنے لگا کہ ''اے ملکۂ عالم، ایک لمحہ یہاں تشریف فرما ہوں تاکہ میں شرط خدمت بجالاؤں، اور پھر حضور کو خواب گاہ کی جانب پہنچا دوں۔''

ملکہ نے کہا ''خدمت تو جا کر اپنی والدہ یا ہمشیرہ کی کرنا۔ خبردار! مجھ سے ایسے کلام زبان پر لائے گا تو سزا پائے گا۔''

اجلال نے پھر دست بستہ کہا کہ ''اے ملکہ، آپ تھوڑی دیر مسند پر جلوہ افگن ہوں۔ میں نظارہ گلشن جمال کروں، اور گل چینی باغ حسن کی کر کے دامن نظارہ بھروں۔ مجھے سوائے آپ کی صورت دیکھنے کے اور کوئی کچھ کام نہیں......اے مونس جان عاشقاں وائے شہنشاہ خوباں! میں تیرا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔'' یہ کہہ کر قدم پر گرا، اور ملکہ اس کی منت دیکھ خراماں خراماں......آ کر مسند پر بیٹھی، اور اجلال سامنے مودب بیٹھ گیا۔

اب یہ کیفیت ہے کہ:

چوخانہ خالی و معشوق مست ناز بود
تو انگریست ہرآں کس کہ پاک باز بود

اجلال جب دست ہوس بڑھاتا ہے، ملکہ کبھی تیوریاں چڑھاتی ہے، کبھی روکھی صورت بناتی ہے، کبھی سسکی بھرتی ہے، کبھی مسکرا کر اس کے خرمن جان پر برق آفت گراتی ہے، خنجر موج تبسم کا زخمی بناتی ہے، ہنگامۂ راز و نیاز گرم ہے، ادھر شوق، ادھر شرم ہے۔

جب زیادہ الحاج وزاری اجلال نے کی، ملکہ نے کہا کہ ''تو بھی بڑا بیوقوف، کاٹھ کا الو ہے، پھیکے غمزے کرتا ہے، اور خوان دعوت کو بے نمک رکھتا ہے۔ نہ شراب نہ کباب، اور پھر یہ اضطراب، مہمان کو یونہی بلاتے ہیں، خالی اپنا مطلب بتاتے ہیں۔ سچ ہے، مردوے بھی کتنے خودغرض ہوتے ہیں، اور تجھ میں تو بوئے محبت ذرا نہیں، سوائے اپنے مطلب کے دوسرے کی پرواہ نہیں۔''

اجلال یہ باتیں سن کر شرمندہ ہوا، اور دل میں سوچا کہ ملکہ سچ کہتی ہے، شراب دافع حجاب ہے، دو ایک جام پی کر یہ مست ہو جائے گی اور تیری آرزو بر آئے گی، اب بخت خفتہ بیدار ہے، کوئی دم میں ہم پہلو یہ دلدار ہے۔ بس اسی وقت مے خانہ سے اٹھ کر کشتیاں شراب کی اور قابیں گزگ کے لئے کباب کی لایا۔ گلابی اٹھا کر جام جواہر آگیں میں شراب ارغوانی لبریز کی، اور ساغر ہاتھ پر رکھ کر ملکہ کے پیش کش کیا۔ یہ بادۂ محبت حاضر ہے، اسے نوش کیجئے اور داد عیش وخرمی دیجئے......

ملکہ نے وہ جام دست نازک میں لیا، اور منہ پھیر کر، تیوری چڑھا کر، سسکی بھر کر لبوں سے لگایا، اور اپنا منہ بنا کر ساری شراب اجلال پر پھینک دی، اور کہا، ''یہ شراب میرے کام کی نہیں۔ افسوس ہے کہ تو بادشاہ کہلاتا ہے مگر ٹکے کا ٹھرا پیتا ہے، بلکہ وہ بھی اس سے اچھا ہوتا ہے۔''

اجلال نے عرض کیا کہ ''اے ملکہ، یہاں میرا ملک و مال نہیں۔ آپ ہی کے باپ نے جو مے خانہ بھجوا دیا ہے وہی تصرف میں ہے۔''

ملکہ نے کہا کہ ''بادشاہوں کو سب جگہ ہمہ نعمت مہیا ہے:

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست

اگر تو میرے آنے کے لئے اہتمام کر کے عمدہ شراب کیتکی کھنچوا رکھتا تو کیا مشکل

تھا؟ مگر تجھے سوائے اپنے مطلب کے کسی بات کا خیال کب تھا؟ خیر اب تو آ پھنسی۔ جو کچھ تقدیر دکھائے گی دیکھیں گے'' یہ کہہ کر ایک قلم شراب کی اپنی محرم سے نکالی، اور جام شراب سے بھر کر اس قلم سے چند قطرے ساغر میں ڈالے کہ رنگ شراب کا گلنار ہوا، اور اس جام کو پنجۂ نگاریں خورشید نما پر رکھ کر سامنے اجلال کے ہاتھ بڑھایا، اور کہا: ''او بے مروت، ساقی گری کرنا ہمارا کام ہے۔ یہ جام عنایت ہمارے ہاتھ سے نوش کر......''

اجلال یہ چشم عنائت اپنے ساقی کی دیکھ کر مرہون منت ہوا، اور جام اس گل نام کے ہاتھ سے لے کر پی گیا۔ معاذ اللہ، وہ قطرے جو قلم سے جام میں ٹپکائے تھے وہ بے ہوشی قاتل تھی جو عمرو نے ملا دی تھی۔ یکا یک اجلال کو چکر آیا اور کہا: ''اے ملکہ! بڑی تند و تیز شراب پیتی ہو کہ مجھے تو اس نے ایک ہی چلو میں الو بنایا۔''

ملکہ نے کہا: ''ذرا اٹھ کر ٹہلو، فرحت حاصل ہوگی، اور عجب مزا یہ شراب دکھائے گی۔''

اجلال اٹھا، اور دو قدم چلا تھا کہ ہوا منہ پر جو لگی، بے ہوش ہو کر گرا۔

(جلد اول)

پگ آگے پت رہے

طبل جنگ بجا...... سب لشکر خبردار، چھوٹا بڑا، بہادر و نامور ہوشیار ہوا کہ دم سحر ملک الموت کی گرم بازاری ہے، نقد جاں کی خریداری ہے، سر تن سے جدا ہوں گے، ہار زخموں کے بٹیں گے۔ آج بادشاہ نے سویرے سے دربار برخاست فرمایا۔ ہر ایک سردار اپنی اپنی بارگاہ میں آیا۔ تیاری حرب و ضرب کی شروع ہوئی، تلواریں صیقل و مصقل ہونے لگیں۔ کمانیں سینک کر درست کی جانے لگیں۔ بہادر رزم و پیکار کی تدبیر سوچتے تھے، بزدل گھبرائے ہوئے منہ نوچتے تھے۔ منچلے جو تھے مشتاقانہ مورچوں کو غور کر کے، ہنس ہنس کر رزم گاہ کو دیکھتے پھرتے، نامرد لمبے ہونے کا طور سوچتے، جرار زرہ، جامہ، خود، بکتر درست کرتے تھے، چہروں پر سرخی چھائی تھی، نامردوں کے منہ پر ہوائی تھی...... دو پہر رات سے دونوں لشکروں کے نقیب نکل کر شجاعوں کو ترغیب جنگ دلاتے تھے......

غرضکہ چار پہر رات یہی ہنگامہ رہا......

دم سحر لشکر جانبین سے خیل خیل، ذیل ذیل، گروہ گروہ، فشوں فشوں، میدان کارزار میں مسلح و مکمل آنے لگے۔ اور امیر با توقیر...... فریضہ نماز سحر ادا کر کے درود و وظائف میں مشغول ہوئے، اور دست دعا اٹھا کر دعائے فتح و ظفر درگاہ رب الاکبر میں کرتے تھے......

غرض ان اسلحہ کو زیب جسم فرما کر مسجد سے صاحب قراں برآمد ہوئے...... امیر گردن توسن پر انگشت شہادت سے ''یا علی'' لکھ کر، حلقہ رکاب میں...... پاؤں رکھ کر ایال پر ہاتھ ڈال کر گھوڑے کی پیٹھ پر جلوہ فرما ہوئے۔ جلوہ دار نے دامن قبا درست کیا، بسم اللہ کا شور بلند ہوا۔ غرض دست راست میں نیزۂ دوسرا اژدھا پیکر، بائیں میں عنان مرکب رشک صرصر لے کر نادعلی پڑھا، گھوڑے کو مہمیز کیا۔ سب سردار بھی اپنی اپنی فوج میدان رزم گاہ کی طرف بھیج کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے...... انہیں لے کر امیر در دولت آستان بارگاہ ظل اللہ جہاں پناہ...... پر حاضر ہوئے اور منتظر آمد سلطانی جلوہ خانے میں ٹھیرے کہ یکا یک عیش محل ڈیوڑھی کا پردہ زنبوری چرخی پر کھنچا، صدا غراٹے کی بلند ہوئی، اور انتظام آمد بادشاہ ہونے لگا۔ اول بارہ ہزار طفلان ماہ پیکر، لباس عمدہ پرزر پہنے ہوئے، ہاتھوں میں کڑے سونے کے پڑے، لوٹے لخلخے کے لیے، عمود عنبران پر جھوتکتے نکلے۔ پھر ہزار ہا پنج شاخے والیاں طلائی و نقرئی پنج شاخے لیے وردیاں سرخ سرخ زیب جسم کیے نکلیں، پھر کنول بردارنیاں کنول بلوریں منقش لیے پیدا ہوئیں۔ پھر ہزار ہا نواب، ناظر، خواجہ سرا انتظام کرتے گزرے، اور تخت شاہی کو خادمان محل گھیرے، بادشاہ تخت پر سوار، کہاریاں پیاریاں پیاریاں، لہنگے قیمت کے مہنگے پہنے، ہاتھوں پر کڑے گنگر دھان پڑے۔ کانوں میں بالے، ناز و انداز ہر ایک کے نرالے، جسم گدرایا، شباب چھایا، تمغے اور مچھلیاں سروں پر لگائے، تخت کو اٹھائے ظاہر ہوئیں، مردھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پکارے۔ امیر اور سب سردار مجرا گاہ پر جا کر کھڑے ہوئے۔ ادھر بادشاہ کی صورت زیبا نظر آئی، ادھر سب نے گردن پئے تسلیم جھکائی۔ مردھا پکارا: ''بادشاہ مہابلی، سلطان جہاں! نگاہ روبرو! حمزہ صاحب قراں!''

بادشاہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ صاحب قرآن نے فراشی مجرا کیا۔ شاہ نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھا کہ جگہ تمہاری دل میں ہے۔ امیر تسلیم کر کے بیٹھے۔ پھر سب سرداروں کا مجرا اور سلام ہوا...... ہر ایک نے بعد سلام و مجرا کے پایۂ تخت بادشاہ کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے حکم سوار ہونے کا کیا۔ سب سردار سوار ہو کر تخت شاہی کو مانند دل قلب میں قائم کر کے، گرد حلقہ کیے ہوئے

طرف وادگاہ مصاف کے لے کر چلے۔ ڈنکے پر چوب پڑی......نقیب کڑکا کہتے ہیں......

آنے سے دونوں لشکروں کے کرہ ہوا کرہ خاک بنا، گاہ زمین کا اس ہلچل سے سینہ چاک تھا۔ طائر آشیانہ بھولے۔ صحرائے رزم میں خوف سے ہر ایک کے ہاتھ پاؤں پھولے......

آخر کار بیلچہ کار ہوشیار نکلے، اور میدان کارزار پست و بلند ہموار کرنے لگے۔ کنکر، پتھر، خس و خار چن کر جدا انبار لگایا، کہیں نقب اور کہیں کمین گاہ کو درست کیا۔ جھنڈی، جھاڑی، درخت کاٹ کر زمین آئینہ ساں صاف بنائی۔ پھر سقوں کی آب پاشی کی باری آئی۔ ہر ایک سقہ خواجہ خضر کا دم بھرتا، لنگیاں بادے اور کھاروے کی باندھے، وردیاں پہنے، کٹورے کمر سے لگائے، تسمے گلوں میں اٹکے، آبشار سنبھالے، ہزاری کے فوارے دھانے پر مشکوں کے چڑھائے، چھڑکاؤ کرنے نکلے کہ ان کی آبشار نے ساون بہادوں کی گھٹا کو شرما دیا، سب فوج دریائے آہن میں ڈوبی دکھائی دی......

صف آرائی شروع ہوئی۔ میمنہ و میسرہ و قلب و جناح و ساقہ و کمین گاہ، چودہ صفیں مثل سد سکندر کے آراستہ ہوئیں۔ سواروں کے آگے پیادے، جنگ کے آمادے، دیوار فوج تھے۔ سوار دریائے لشکر میں موج در موج تھے۔ گھوڑے برابر برابر، تھوتنی سے تھوتنی، پٹھے سے پٹھا، دم سے دم، سم سے سم ملائے تھے۔ نقیب جو آگے بڑھ آتا تھا اسے پیچھے کو ہٹاتے تھے، گھٹے ہوئے کو آگے بڑھاتے تھے۔ دم بہ دم باجے رزمی بجتے تھے۔ مرکب الف ہوتے تھے کہ یکا یک نقبائے خوش آواز اور گویتے کے لڑکے سرود نواز کہ لٹ پٹی دستاریں باندھے تھے، رنگیں لباس زیب قامت کیے، انہوں نے بالحان دلکش سرود بجا کر مذمت دنیائے دنی گائی، یہ صدا بہادروں کو سنائی کہ:

"اے مقیمان نہ سقف سپہر غدار
تا بہ کے حسرت فرزند و زن و شہر و دیار
آیۂ فاعتبرو یا اولی الابصار پڑھو
ہو خرابے میں اگر قصر فریدوں کے گزار"

اے بہادران، نہ نریمان ہے نہ سام ہے، نہ صفحہ ہستی پر نشان زال خون آشام ہے، برزو رہا نہ بیژن ہے، نہ اس بلندی و پستی پر اسفندیار روئیں تن ہے۔ کیسے بہادر صف شکن، تہمتن نوجوان، رستم دستان، پیر فلک نے بچشم زدن تہ خاک کیے۔ مگر جرأت سے نام باقی

ہے، ہر ایک کا ذکر شجاعت کافی ہے۔ لڑائی حسن اتفاق ہے، کس لئے:

دور مجنوں گزشت و نوبت ماست
ہر کرا پنج روز نوبت اوست

تلوار کی آنچ مشہور ہے، گیلے سوکھے دونوں جلتے ہیں۔ سر دگردن میں لاگ ہے، یہی غضب کی آگ ہے۔ زندگی دونوں کا نام ہے۔ نام کرلو۔ اے نوجوانو، لڑ بھڑ کر سرخ رو ہو۔ جس کا قدم ڈگ جائے گا وہ پھر کہیں آبرو نہ پائے گا۔

لوہا لوہا سب کہیں اور لوہا بری بلائے
پگ آگے پت رہے اور پگ پاچھے پت جائے''

غرض یہ کہہ کر نقیب میدان سے نکلے، اور یہ صدا دلیروں، نیستان شجاعت کے شیروں کو شراب پرتگال ہوئی۔ بہادری کا نشہ آ گیا، آنکھیں ہر ایک کی لال ہوئیں، قبضہ ہائے شمشیر چومنے لگے، مرکب پر مست ہوکر جھومنے لگے۔

(جلد اول)

کونڈا

امیر بے ہوش پڑے ہوئے تھے...... عورتیں پیٹ رہی تھیں۔ کوئی کہتی کہ ''خداوند، میرے وارث کو بچالے۔'' کوئی پکارتی کہ ''یا خدا، مجھ کو دنیا سے اٹھالے!'' کسی کی فریاد تھی کہ ''مجھ کو میرے وارثوں کا مردہ نہ دکھانا۔ اے کریم، ان کے غم میں نہ رلانا!'' کوئی گود پھیلا کر دعا کرتی، ماتھا زمین پر رگڑتی، کوئی بالوں سے جھاڑو دیتی۔ کسی نے پیرا یکا ایک کا پیسہ اٹھایا کہ ایکا ایک میری مراد بر آئے۔ کسی نے اسی پیادہ سوسوار کو مانا تھا کہ ہم پر سے یہ بلا رد ہووے۔ کوئی ترت پھرت کی نذر مانتی کہ ہماری مدد غیب سے آئے۔ کسی نے سہ ماہی کے روزے اپنے اوپر قبول کئے تھے۔ کسی نے پیر دیدار کے کونڈے مانے تھے۔ کوئی کہتی کہ ''میں کھڑے پیر کا روزہ رکھوں گی، اور میری تمنا بر آئی تو کھڑا دونا دوں گی۔''

(جلد سوم)

وہ دھانوں کی سبزی، وہ سرسوں کا روپ

دہنی طرف کو دور تک دیہات کے باغ دکھائی دیتے، امریوں میں جھولے پڑے، کوئلیں بولتیں، پپیہے شور کرتے، مور کوک رہے۔ سامنے جنگل میں جھیلیں پر آب، تالاب بلب، چقر گرداب مارتے ہوئے، کنول کھلے ہوئے، سنگھاڑوں کی بیلیں پڑی، کوکا بیلی، کوکنار پھولا ہوا، طائر ہر طرف کو غول کے غول اڑتے، کھیتوں میں گرتے۔ ایک سمت کو کھیت دھانوں کے سرسبز لہلہے۔ برابر بانس واڑی اور ببولوں اور تھوہڑ کا پشتہ دیا ہوا۔ ڈھیکلی چلتی، کسان سنچائی کرتے۔

(جلد سوم)

اچھے گھر بیعانہ دیا

ان دونوں عیاروں نے لاکھ لاکھ قصد کیا کہ اندر جائیں، ممکن نہ ہوا۔ اس وقت چالاک نے کہا: ''میں قسم کھا چکا ہوں، اسی جلسے میں گھس کر اس ساحر کو ماروں گا۔'' یہ کہہ کر الگ ایک گوشے میں گیا اور ابوالفتح سے کہا: ''تم ایک ضعیفہ کی صورت بنو۔''

وہ بموجب الارشاد چالاک ایسی عورت بنا کہ کمر جھکی ہوئی، موئے سر سفید، چہرے پر جھریاں پڑیں، چادر گاڑھے کی اوڑھے، پائجامہ سوسی کا پہنے، پاؤں میں چمڑے کا جوتا، پائنچوں میں گرہ لگی، لکڑی ہاتھ میں، عصائے پیری لئے سامنے آیا۔ چالاک نے صورت بنا اس کی پسند کی۔ پھر آپ ایک زن کم سن، حسینہ و جمیلہ بن کر تیار ہوا...... ایسی صورت دل فریب بنا کہ کیسے ہی کوئی عیار چاہے کہ پہچان لوں، کیا مجال جو شناخت کر سکے۔ اور اس حسن و جمال پر از سر تا پا مرصع گہنا جواہر کا پہنا، موتیوں کا کنٹھا گلے میں اور سمرنیں ہاتھ میں پہنیں۔ واقعی وہ ید بیضا کو شرماتی تھیں۔ انگلیوں کے چھلے پہنے، پاؤں میں جڑاؤ پازیب جس کو دیکھ کر ملک بھی کھائے فریب۔ بازو پر جواہر کے اکے، بازار حسن پر جن سے سکے۔ اس طرح غرق بحر جواہر ہو کر ایک چادر سفید سر سے پا تک اوڑھی، سب بدن چرالیا، اور بڑھیا کو آگے کر کے پیچھے پیچھے چلا۔ گلی کوچوں کو طے کر کے قلعے کے اندر جو سرا بنی ہے، وہاں

آیا۔ بڑھیا نے پکار کر کہا: ''کہیں اترنے کا ٹھکانا ملے گا؟''

بھٹیاری اور بھٹیاروں نے بلانا شروع کیا۔ ایک نے کہا: ''بڑی بی، ادھر آؤ۔ ہم بہت اچھا مکان دیں۔ اس میں کوٹھری بھی ہے۔''

دوسری نے کہا: ''میرے یہاں ٹھیرو۔ مسافر کم ہیں، تنہائی ہے، چیز کی حفاظت رہے گی۔''

تیسری نے آتے ہی بڑھیا کے ہاتھ سے گٹھڑی اور پٹاری پان کی لی اور کہا: ''آؤ، میں تمہیں بہت اچھی جگہ دوں گی کہ گوشے میں ہے۔ زنانہ تمہارے ساتھ ہے، پردہ رہے گا۔''

غرض کہ یہ دونوں اس کے ساتھ جا کر ایک کوٹھری میں ٹھیرے۔ بھٹیاری نے چراغ جلدی سے روشن کیا، پانی کا گھڑا بھر کر رکھ دیا، چارپائی بھی بچھا دی۔ بڑھیا کانکھ کر بیٹھی، اور اس نازنین نے چادر اتار دی۔ بھٹیاری کی آنکھ فروغ حسن سے جھپک گئی۔ گھبرا کر بغور متحیر ہو کر دیکھنے لگی۔ ایک کم سن عورت خوبصورت زر و زیور سے آراستہ دیکھی۔ رعب سے کچھ کہہ نہ سکی۔ جا کر بھٹیارے سے کہا: ''ارے، مجھ کو بڑا تعجب ہے کہ یہ عورت جو بڑھیا کے ساتھ آ کر اتری ہے، نہ جانوں کوئی امیر یا شہزادی ہے، یا وزیر کی بیٹی ہے۔ میری عقل حیران ہے کہ بڑھیا کے ساتھ کیوں کر آئی۔ بڑھیا تو پھٹے حالوں سے ہے۔ اور وہ جواہرات پہنے ہے۔''

بھٹیارے نے کہا: ''جا، باتوں باتوں میں پوچھ تو کیا ماجرا ہے؟''

بس بھٹیاری پیٹ پکڑے دوڑی آئی۔ دیکھا تو بڑھیا پٹاری کھولے تمباکو کھا رہی ہے۔ یہ بھی بیٹھ گئی۔ بڑھیا نے اس کو بھی تمباکو دی، اور کہا: ''میں سوتی ہوں، تھک بہت گئی ہوں مہترانی، دو گھڑی رات تڑکے سے مجھ کو جگا دینا، اور میں تجھ کو دو پیسے زیادہ دوں گی۔ میرا حال کسی سے ذکر نہ کرنا۔''

بھٹیاری اس ممانعت سے سمجھ گئی کہ بے شک اس میں کچھ بھید ہے، لیکن بظاہر بولی کہ ''نہیں، میں بھلا کس سے کہوں گی؟ ہم لوگن کا، بی بی، یہ طریق نہیں۔''

غرض کہ بڑھیا نے لیٹ کر نفیر خواب بلند کی، اور اس نوجوان نے چپکے چپکے رونا شروع کیا، بھٹیاری نے پاس آ کر بلائیں لیں، اور کہا: ''بی بی روودت کیوں ہو؟''

اس نازنین نے کہا: ''میں مقسوم جلی، نانصیب، کیا اپنا حال بیان کروں؟ یہ بڑھیا محل میں میرے جایا کرتی تھی، دم دلاسا دے کر بھگا لائی۔ میں ایک زمیندار کی بیٹی ہوں، اور وہ گاؤں کا صرف مالک نہیں ہے، کئی اور بھی گاؤں ہیں، تجارت بھی کرتا ہے، بڑا مال

اپنے پاس رکھتا ہے۔ آج مجھ کو گھر چھوڑے تیسرا روز ہے، نہ گھر جا سکتی ہوں، نہ کہیں میرا ٹھکانہ ہے۔ یہ بڑھیا کٹنی ہے اور میرا زیور اتار کر مجھ کو بیچنا چاہتی ہے، مہترانی، اگر تم سے ہو سکے تو میرا اکہ یہ تم لو، اور اس بڑھیا کے پھندے سے مجھ کو چھڑاؤ۔''

تو بھٹیاری نے وہ اکہ لیا، اور بہت خوش ہو کر کہا کہ ''بیٹی، تو گھبرا نہیں، میں ابھی اس بڑھیا کو سزا دلواتی ہوں۔'' یہ کہہ کر بھٹیارے کی چھاتی پر ہاتھ مار کر بولی کہ ''ارے ایسا اندھیر، یہ ظلم، ایک بھلے مانس اشراف کی بٹیا کو یہ بڑھیا پھسلا کر بھگا لائی ہے۔ وہ آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے۔ یہ اکہ مجھ کو دیا ہے اور ایسا کچھ کہا ہے۔''

بھٹیارا سارا ماجرا سن کر بولا: ''گھبرا نہیں، دیکھ تو میں کیا کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اسی وقت کوتوال قلعہ کے پاس گیا اور کہا: ''خدا حضور کو سلامت رکھے۔ ایک بڑھیا ایک عورت کو بھگا لائی ہے۔ سرا میں غلام کے یہاں ہے۔'' کوتوال مع چند پیادہ سرا میں آ موجود ہوا۔ بڑھیا سو رہی تھی، پیادوں نے بحکم کوتوال باندھ لیا۔ بھٹیارے نے چارپائی بچھا دی، اور کوتوال صاحب بیٹھے، اظہار لینا شروع کیا۔ سرا کے بھٹیارے اور مسافر تمام تماشائی ہوئے۔ پیادے ہٹاتے جاتے ہیں۔ ''ہٹو، کیوں بھیڑ لگائی ہے؟'' لوگ گھسے پڑتے ہیں۔

اول عورت جوان نے چیخیں مار کر رونا شروع کیا۔ پھر وہی ماجرا جو بھٹیاری سے کہا تھا، ظاہر کیا۔ پھر بڑھیا سے پوچھا گیا۔ وہ کوتوال کے پاؤں پر گری، اور کہا: ''مجھ سے خطا ہوئی۔ یہ لڑکی جو کہتی ہے سچ کہتی ہے۔'' جب یہ اقبال جرم کر چکی، کوتوال ہر چند کہ اس عورت کا حسن و جمال اور زیور بےمثال دیکھ کر فریفتہ ہوا تھا، مگر ساری سرا کے لوگ اس قصے سے آگاہ ہو چکے تھے، سوچا کہ سامنے خداوند کے ان کو لے چلنا چاہئے، اور وہاں اس عورت کو مانگ لینا، فی الحال چھپانے سے بدنامی ہے، پرچہ اس حال کا سلیمان عنبریں مو کو ضرور ملے گا، پھر وہ بری طرح پیش آئے گا۔

بس ایسا کچھ سمجھ کر ان دونوں کو لے کر چاہا کہ روانہ ہو، اس نازنین نے کہا، ''میں کچھ مجرم تو ہوں نہیں جو کوتوالی چبوترے میں جا کر رہوں۔ تمام عمر لوگوں کے طعنے سنوں کہ یہ ایسی ہیں جو تھانے پر پکڑی گئی تھیں، اور دوسرے، وہاں کیسی بنے، کیسی نہ بنے۔ میں جوان جہان، غیر مردوں میں بھلا میرا ٹھکانہ کہاں! ہاں، اگر خداوند کے پاس لے چلو تو کوئی عیب نہیں کیونکہ اس کی زیارت کو سبھی آتے ہیں۔ وہ پیدا کرنے والا ہے، اس سے شرم

کیسی؟'' یہ کہہ کر اس بھٹیاری کا آنچل پکڑ کر کہا: ''تو میا، تو میری ماں کبھی کی ہے۔ مجھ کو اس وقت اکیلا نہ چھوڑ، نہیں، میری آبرو جاتی رہے گی۔''

بس بھٹیاری نے اس کو گلے لگا لیا، اور کہا: ''بیٹا، میں تیرے ساتھ ہوں، تو کیوں گھبراتی ہے؟''

اس نے چپکے سے کہا: ''میں اور بھی کچھ تجھ کو دوں گی۔''

بھٹیاری ایک تو محبت، دوسرے لالچ میں آ کر ساتھ ہوئی۔ کوتوال اور بھی ناچار ہوا، اور ان کو لے کر سیدھا در دولت پر آیا۔ وہاں سنا کہ حضور اس وقت باغ میں ہیں، اور ہنگامۂ سرود گرم ہے۔ یہ وہاں سے در باغ پر آیا۔ سب کو ٹھیرا کر اندر گیا۔ سلیمان کو مجرا کیا، خداوند کو سجدہ کر کے دست بستہ سارا ماجرا معرض بیان میں لایا اور کہا ''وہ دونوں مع بھٹیاری کے حاضر ہیں۔'' بختیارک نے پہلے کوتوال کو بہ نظر فراست دیکھ لیا، اور پتے نشان تمام شہر کے پوچھ کر کہا: ''مجھ کو اس وقت تیرے آنے سے شبہ گزرا، کیونکہ معاملات ملکی دن کے دربار میں پیش کرنا چاہئیں نہ کہ اس وقت۔''

کوتوال نے عرض کی کہ ''وہ عورت بہت صاحب عصمت ہے، کوتوالی میں رہنا گوارا نہیں کرتی ہے، اور دیدار خداوند کی مشتاق ہے، اور واقعی کمال درجہ کی خوبصورت ہے اور میں نے سرا میں یا کوتوالی میں ان کا رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ بس حاضر لایا ہوں۔''

بختیارک نے حکم دیا کہ ''اچھا، سامنے لاؤ۔ دیکھیں کیا کیفیت ہے۔''

اخگر وغیرہ بدمستیاں کر رہے تھے۔ عورت خوبصورت سنتے ہی بولے: ''جلد لاؤ۔''

کوتوال نے ان کو روبرو بلایا۔ اس نازنین نے دوپٹہ ہٹا کر خداوند کے گرد پھرنا شروع کیا اور سجدہ کیا، بلائیں لیں۔ یہ تو اس کرشمے میں مصروف ہوئی، لیکن اخگر وغیرہ نے جو اس کے چہرۂ زیبا پر نظر کی، دیکھا کہ ایک ماہ لقا، حور آسا، زینت دہ بزم خوب رویاں، سردار خوبان جہاں، راحت دہ جان عاشقاں ہے۔ جس کے ایک ایک تار مو کی قیمت میں ملک تاتار و ختن ارزاں ہے۔

بانکی بانکی ادا، غضب باتیں — وہ اکڑ، وہ تنی تنی گاتیں
آنکھ میں سحر کی لگاوٹ ہے — بات میں قہر کی بناوٹ ہے
یوں بندھی ہے دوپٹے کی گاتی — دل میں چبھتی ہے نوک چھاتی کی

اخگر دیکھتے ہی فریفتہ ہوا، اور بختیارک سے کہا: ''اس کو مجھے خداوند سے دلوا دو۔''

بختیارک نے خداوند سے کہا کہ ''اخگر اس پر مائل ہوا ہے، اس کو حوالے کرو۔''

لقا نے پہلے سارا ماجرا اس نازنین سے پوچھا۔ پھر کوتوال کو رخصت کیا، اور بڑھیا کر حکم دیا کہ لے جا کر قید کر۔

کوتوال بڑھیا کو لے کر چلا۔ اور اس نازک بدن کو لقا نے اپنے پاس بلایا کہ ''اے بندئی قدرت، میرے پاس آ۔''

چالاک بہ ناز و انداز کمر کو لے کو بل دے کر بہزاراں غنج و دلال قریب جا کر بیٹھا۔ خداوند نے پیٹھ پر ہاتھ رکھا، اور فرمایا کہ ''ہم نے تجھ کو اخگر کے ساتھ منسوب کیا کہ ہمارا سپہ سالار قدرت ہے۔''

اس پری پیکر نے شرما کر نیچی نظر کر کے عرض کیا کہ ''حضور کو میرا اختیار ہے۔ اس بھٹیاری کو کچھ انعام دلوا دیجئے۔ میرا اکہ اس سے لے لیجئے۔''

لقا نے اخگر سے کہا: ''اس کی فرمائش پوری کرو۔''

اس نے کئی ہزار روپے دے کر اکہ لے لیا۔ بھٹیاری دعائیں دے کر چلی گئی۔ بس پھر تو دور مئے سرخ شروع ہوا...... چالاک...... بدن چرائے، آنکھیں جھکائے، دبکا ہوا بیٹھا ہے، اور کنکھیوں سے اخگر کو کبھی کبھی دیکھ لیتا ہے، اور اس کا بھی یہ حال ہے:

شرگیں چتون، مد بھری اکھیاں خاک میں ہم کو ملائیں گی
کیا یہ نگاہیں نیچی اوپر جائیں گی!

ہر چند کہ بے چین ہو رہا ہے، مگر بلحاظ اس کے کہ خداوند سامنے ہیں، اس کو ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔

اس وقت بختیارک اس کا میلان خاطر دیکھ کر گویا ہوا کہ ''بارہ دری میں جا کر آرام کرو، میں اس کو بھی بھیجتا ہوں۔''

اس نے کہا: ''ملک جی، یہ عورت ناکتخدا ہے، اور یہاں صدہا آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خداوند اس حرکت بے جا سے ناراض ہوں۔''

سلیمان نے کہا: ''یہ سچ کہتے ہو۔ یہ کون موقع ہے کہ ہزاروں آدمیوں کے سر پر غل و ہنگامہ مچواؤ، اور پھر اسی کو اپنی جورو بناؤ۔ اب تم کو مل چکی ہے۔ جلدی کیا ہے؟ صبح

قریب ہے، اپنے خیمے میں لے جانا، جو چاہنا کرنا۔"

اخگر چپ ہو رہا...... صبح ہوتے ہی...... اخگر نے بھی محافے میں معشوق کو سوار کر کے اپنے خیمے میں لا اتارا......

اخگر نشے میں سرشار آتے ہی اس ماہ پیکر سے لپٹنے لگا۔ ہاتھ پکڑ کر پلنگ پر لایا، چاہا کہ لٹائے مگر اس گل بدن نے کہا: "ٹھیر تو۔" یہ کہہ کر ملہرا نکالا، گلوری کھائی، اخگر سمجھا کہ اگرچہ زیور وغیرہ پہنے ہے، مگر ملہرا دیہات کی نشانی ضرور ہے، خاصدان کا تو نام بھی نہ جانتی ہوگی، الھڑ بھی ہے، خوب نبھے گی۔ یہ سوچ کر بولا: "جانی، ہم کو گلوری نہ دی؟"

اس ماہ وش نے کچی زبان میں جواب دیا کہ "جانی کس کا ناوں ہے؟"

یہ خوب ہنسا، اور کہا کہ:

"ہے غضب معشوق بیرونی کی یہ کچی زباں
سب تو کہتے ہیں سحر اس کی زباں پر بھور ہے"

پھر اس کو کہا: "ایک بیڑا ہم کو بھی دو" اس نے انگوٹھا دکھا دیا، اور اس کا منہ چڑھا کر مسکرا دیا۔ یہ اس ادائے دل فریب سے اس کی بے چین ہو گیا، اور لپٹ کر بلہرا چھین کئی پان ایک بار کھا گیا۔

ادھر پیک حلق کے نیچے اتری، ادھر بے ہوشی اثر پذیر ہوئی۔ بے ہوش ہو کر گرا۔ وہاں تنہائی تو تھی ہی۔ چالاک نے فوراً سر کاٹ ڈالا۔

(جلد دوم)

برکت ہی برکت

گنج میں جھنڈے گڑے تھے، اناج کے ڈھیر لگے تھی۔ لونڈے کسانوں کی خدمت کر رہے تھے، بنئے چلمیں پی رہے تھے۔ تو لئے تولتے وقت آوازیں دیتے تھے۔

"برکت ہے جی، برکت ہے! دُیا ہیں دُیا، تینا ہیں تینا" خریدار چٹکی میں اناج لے کر پرکھتے تھے۔

(جلد سوم)

احتیاج است، احتیاج است، احتیاج

اس قصر سے علیحدہ چوکی ایک جگہ لگی تھی، مخمل کاشانی سے منڈھی تھی، طلائی طشت نیچے اس کے لگا تھا۔ وہ مقام آئینے وغیرہ سے آراستہ، قرابے گلاب کیوڑے کے منہ کھلے ہوئے رکھے، نہایت عمدگی سے پیراستہ۔ یہ عیار (ملکہ کی شکل بنا ہوا) جو وہاں گیا، ایک لونڈی سے کہا: ''آفتابہ یہاں رکھ کر میرے ناف کے مقام پر اور کمر کے نیچے آہستہ آہستہ مل کہ رفع احتیاج کروں۔''

(جلد سوم)

طریق بے طریق

(اصلی عمرو تو چھپا ہوا ہے، اور ماہ جادو نقلی عمرو کا سر کاٹ کے خوش خوش جا رہا ہے)

دو ہی قدم آگے چلا تھا کہ بروئے ہوا ایک شعلہ سا چمکا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک پریزاد ہوا سے اتر کر زمین پر آئی۔ معلوم کیا کہ کنیزان کوکب میں شاید یہ ہے۔ بس اس نازنین کے قریب گیا، دیکھا کہ آفتاب تاباں گویا زمین پر اتر آیا ہے...... ماہ جادو اس نازنین کو دیکھتے ہی فریفتہ جمال ہوا، اور بہ منت تمام اس گل خام سے کہا:

''اے نو بہار تر، تازہ بہار کیستی
وچہ نگار طرفہ تر، طرفہ نگار کیستی؟
خستۂ رنج فرقتم، کشتۂ درد حسرتم
من بمیان محنتم ، تو بکنار کیستی؟''

وہ گل پیرہن یہ جواب ان باتوں کے مسکرا کر زبان پر لائی کہ ''یہ تعریف آپ نے اپنی گھر والیوں کی فرمائی۔ بندی تو اس لائق نہیں۔ مجھ کو شاہ کوکب نے آپ کی خبر لینے بھیجا تھا۔ فرمایا تھا کہ جا کر دیکھو عمرو و ماہ سے کیا گذری۔ فی الجملہ میں تم کو سر عمرو کا لئے ہوئے دیکھتی ہوں۔ معلوم ہوا کہ وہ مارا گیا۔ بس یہی حال میں جا کر عرض کئے دیتی ہوں کہ ماہ صاحب سر دشمن کا لئے حاضر ہوا چاہتے ہیں۔''

ماہ نے کہا: ''اے حور نژاد، ہم بھی دربار شاہ میں جائیں گے، اور تم بھی وہیں چلتی ہو۔ ہم تم ساتھ ہی ہو چلیں، ایک سے دو بھلے!''

اس حور پیکر نے مسکرا کر جواب دیا کہ ''چل چخے، مردوئے، ذرا ہوش میں آجا، میں فریب تیرا سمجھتی ہوں۔ تیری باتیں میرے ناخنوں پر ہیں۔ کچھ بندی ایسی گدھی نہیں۔ لو صاحب، یہ مردوا مشٹنڈا، میں اکیلی دھان پان سی عورت! اس کے ساتھ چلوں؟ بھلا سن تو، اگر راہ میں تجھ پر شیطان چڑھے تو میں نگوڑی کدھری کی نہ رہی۔ تو مجھ کو چپر غٹو کرے! لے، ترے منہ کھلسا سات چھپروں کا پھونس۔''

ماہ ان باتوں کو سن کر فرط خندہ زنی سے لوٹ گیا۔ پھر اپنے تئیں سنبھال کر اس پری وش کا ہاتھ پکڑا اور کہا، بموجب:

پھیری جو نظر تم نے، سب پھر گئے مجھ سے
کچھ اور تھی، ہاں ہو گئی دنیا ابھی کچھ اور

ہاں میں بغیر ساتھ لے جائے نہ رہوں گا۔''

نازنین نے ہاتھ چھڑا کر کہا: ''دیکھوں تو کیوں کر لے جائے گا۔ نا صاحب، میں نہ جاؤں گی۔ جو کوئی سنے گا یہی کہے گا کہ بوا، تم ننھی تھیں، جنگل، بیابان، سنسان میں مردوئے کے ساتھ چلی گئیں۔ کیا تم نہ جانتی تھیں کہ اکیلے میں سب کچھ کر ڈالے گا؟ پھر میں لاکھ لاکھ قسمیں کھاؤں گی، کسی کو یقین نہ آئے گا۔ سب یہی کہیں گے کہ بہانہ بازی کرتی ہے، یہ رنڈی خود ہی مستانی تھی، جب تو یہ جوان جہان ہو کر مردوئے کے ساتھ چلی گئی۔ میں ایسے چلنے کے قربان جس سے آبرو میں فرق آئے۔ بندی ایسی ادماتی نہیں۔ تم جاؤ، اپنے کام لگو، میرے فراق میں نہ پڑو۔''

ماہ اس کی دوبارہ تقریر سن کر بھی مر ہی گیا۔ اور پکارا:

''ناز سے اترا کے چلنا قہر تھا
ٹکڑے ہو کر دامن محشر گرا''

یہ کہہ کر اس رشک قمر کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ''ہم سے قسم لے لو جو ہم تمہیں بے طریق ہاتھ لگائیں۔''

اس غنچہ دہن نے کہا: ''لے بس بس اپنے، اڑھائی چاول الگ گلاؤ، ہاتھ بے طریق اپنی اماں کے جا کر لگاؤ۔ اور سنو! میرے صاحب، کسی کی مجال ہے جو مجھے بری نگاہ سے دیکھے؟ آج

تک اتنا سن آیا۔ سرکار کی نوکری میں ہزاروں جگہ اکیلی دکیلی، ملکہ براں جئیں جم جم، ان کی سلامتی میں جانا ہوا۔ بھلا کوئی کہہ تو دے کہ اس شخص کو ہم نے کسی سے ہنستے دیکھا تھا، اور میاں، اگر ہمارا جی چاہے کرنے کو تو کوئی کیا ہے؟ سونوج چھائیں پھوئیں، آج تک تو سامری نے بچایا ہے۔''

اس گفتگو میں...... ماہ نے اس کا ہاتھ کھینچا، اس نے اپنا ماتھا کوٹا کہ ''ہے ہے، میں نگوڑی کیوں آئی تھی! میری تو غضب میں جان پڑ گئی۔ جس بات سے سدا میں ڈرا کی، جمشید کی قسم، آخر وہی سامنا ہوا۔ لیکن یہ بخیریت ہے۔ اے، میں ابھی اپنی ملکہ سے کہہ کر دھرے تو اڑوا دوں۔ کوئی مجھے ہاتھ لگائے تو دیکھے، پھر تو دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔ اچھا، چلو میں ساتھ چلتی ہوں، دیکھوں تو کیا کر لیتا ہے۔''

یہ کہہ کر ساتھ چلی۔ راہ میں خاصدان نکال کر اس گلبدن نے گلوری کھائی اور ماہ کے بغیر مانگے آپ ہی انگوٹھا دکھا دیا۔ وہ اس کی اداؤں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ انکار اس کا عین اقرار ہے...... چھیڑتا چل، یہ سوچ کر اس نازنین سے کہا: ''ہمیں بھی گلوری دو۔''

اس نے کہا: ''منہ بنواؤ۔''

ماہ نے کہا: ''نہ دو! ہمارے پاس عطر ہے، ہم بھی نہ دیں گے۔''

اس نے کہا: ''دیکھیں۔''

ماہ نے جھولے سے سحر کے شیشی نکال کر دکھلائی، اور کہا: ''لو ہم تمہاری طرح بخیل نہیں۔''

اس سیم بر نے ہنس کر کہا: ''مجھے کیا کرنا ہے؟ میری محرم بسانے کو خواصیں عطر کی شیشیاں انگیا میں رکھ دیتی ہیں، اور میرے عطر دان میں بھی عطر بہت ہے۔''

یہ کہہ کر اندر دوپٹے کے ہاتھ ڈالا، پھر ہاتھ دوسرا ماہ کی آنکھوں پر رکھ دیا کہ ''سامری، قسم میرا دوپٹہ ہٹا ہے، میری محرم پر آنکھ نہ ڈالنا۔'' یہ کہہ کر خوب زور سے آنکھیں اپنے ہاتھ سے بند کیں۔ اس پر بھی کہتی جاتی تھی کہ ''یا سامری جو میرے تئیں ننگا دیکھے، اس کے دیدے پٹم ہو جائیں۔''

غرضکہ اس حیلے سے آنکھیں بند کر کے عطر بے ہوشی زنبیل سے نکالا، اور آنکھیں کھول دیں، کہا: ''لو عطر موجود ہے۔ موئے عطر کی بھی یہ اصل ہے کہ جس پر کوئی اترائے۔ اور سات پردے میں چھپائے۔''

یہ کہہ کر شیشی ماہ کے ہاتھ میں دی۔ اس نے سونگھی، چھینک آئی اور بے ہوش ہو گیا۔

(جلد دوم)

چاندتاروں کا کھیت

شام ہوتے ہی درختوں میں قندیلیں آویزاں ہوئیں، نورانی ثمر ہر شجر میں لگے۔ گیند بلور کے لٹکائے گئے، بارہ دری میں ہانڈیاں، جھالے کنولہائے جواہر آگیں روشن ہوئے۔ سقف بارہ دری پر نم گیرے زرتار کے، نیچے چاندنی دیکھنے کو شمس سپہر عیاری (یعنی خواجہ عمرو) مسند پر جلوہ فرما ہوئے۔ چار سمت اُس جگہ سے دریا بہتے نظر آتے تھے۔ مثل رفتار معشوق لہراتے تھے۔ باغ میں سمن اندام وسیمیں تن خواصیں اور غلام مقیش اڑانے لگے، زمین کو ہمسر چرخ بریں بنانے لگے۔ گلہائے خوشبو کی بھینی بھینی بود ماغ شاہدان گلشن معطر کرتی تھی۔ زلف سنبل بوئے گل سے ایسی بسی تھی کہ مشام سبز رنگان دہر معنبر کرتی تھی۔ ماہ تاباں کی چمک برگ اشجار زمردیں پر پڑی تھی یا شاہد بہار چاندنی کی پات بالیاں پہنے تھی۔ زمین وزماں نو بیز تھا، عجیب جلسہ عشرت خیز تھا......

یہاں تو یہ سامان راحت وفرحت خیز ہے، مگر ملکہ (بزاں) جو قلعہ ہفت رنگ میں تشریف فرما ہوئی، حکم دیا کہ تمام شہر آئینہ بند ہو، سامان دل پسند ہو، ایک کا مدار لباس زریں پہنے، مکانوں پر چاندی سونے کا مصقلہ کیا جائے، نقش ونگار جواہر کار ہو، مذہب ومطلا کوچہ بازار ہو، موتی باغ قلعہ مذکور کے مابین جو دریا واقع ہوئے ہیں اور بارہ دری سے دکھائی دیتے ہیں، ان کے گھاٹ بھی طلائی اور نقرئی بنیں، ناؤ، بجرے، مورپنکھی، طاؤسان زریں چہرہ کے چہرے درست ہو کر کنارے لگائے جائیں۔ چنانچہ حسب الحکم ملکہ عالم تمام سامان کار پردازان ستودہ شیم نے درست فرمایا، یعنی کنول ہائے زریں دریا میں چھوڑ دیئے۔ اور نمگیرے زربفتی کنارے کنارے فرہنگہا فرہنگ استادہ ہوئے، قبہ ہائے خیمہ قبۂ فلک سے سرکشی جتانے لگے، اپنے روبرو سراس کا نیچا کر دیا، خمیدہ قامت بنانے لگے، ناچ بارگاہوں میں ہونے لگا۔ دریا بھی فرط خوشی سے موج میں آیا، مستوں کی طرح سے جھوم کر لہرایا۔ حباب چشم تماشائے بحر تحیر میں ڈوبے تھے، اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بدیدۂ حیرت یہ سیر دیکھتے تھے، فرط مستی ومسرت سے دریا بھی بلبلا نکلا تھا، حباب نہ تھے، بحر کے دل کا حوصلہ نکلا تھا، عمرو کے مہمان ہونے کی آبرو پائی، ہر ایک صدف بہر نثار گوہر آبدار لائی تھی۔

(جلد دوم)

(۲)

اس اثنا میں شاہد زریں لباس شب نے زلف مشکیں فام کھولی، بزم عالم میں آ کر جلوہ گر ہوئی، اور زینت طراز دہر نے کہکشاں سے مانگ کر عروس چرخ کی سنوازی......

شام ہوتے ہی تمام بارہ دری میں روشنی ہوئی، اور باغ میں قنادیل بلوریں لٹکائی گئیں، سرد چراغاں اپنا فروغ بہار دکھانے لگے۔ نہروں میں کنول روشن کر کے ڈال دیئے، بجرے پڑ گئے، جل ترنگ بجنے لگا۔ خواجہ (عمرو) کو لے کر ملکہ (براں) بجرے پر سوار ہوئی، اور کیفیت پانی کی دکھانے لگی۔ وہ سبز و سرخ وغیرہ ہر رنگ کے گلاس جو گھڑوں پر عکس افگن تھے، عجب طرح کے گل بوٹے پانی میں نظر آ رہے تھے۔ چادر آب منقش و رنگیں تھی۔ شاہد آب کی ہرہفت زیور سے تزئین تھی۔ جہاں کہیں پانی گھومتا تھا، وہاں کنول بھی گرد گھومتے تھے۔ اس وقت کی بہار قابل دید تھی۔ گویا شعلہ رو لباس رنگارنگ زیب جسم کئے گردش کھاتے تھے۔ کنارے کنارے کنیزان دُر دَر گوش، مرصع پوش جل ترنگ کے ساتھ اشعار بہار انگیز گاتی تھیں۔ فوارے سرکشی پر آمادہ سرو قدوں کے قامت رعنا کا لطف دکھاتے تھے۔ غرضکہ تا دیر سیر آب میں مصروف رہے۔

(جلد دوم)

(۳)

باغ مینا میں آراستگی کا حکم دیا۔ کار پردازان خوش انتظام نے بہت جلد بندوبست کیا، باغ کے درخت بادلے سے منڈھے، سنگ مرمر کے تھالے، نادر کار گلاب دکیوڑے سے بھرے، ہر روش پر بادلا کاٹ کر ڈال دیا۔ اس کی چمک ایسی تھی کہ زمین رشک دہ انجم فلک تھی، قمقمے نور کے گیند بلور کے اشجار میں آویزاں کئے۔ ان کے اندر چراغ اس طرح جلے تھے گویا محرم میں کسی گل رخسار کے جگنو چمکتے تھے۔ روشنی کی وہ کثرت ہوئی تھی کہ ماہ فلک کو خوف ہوا تھا کہ لباس میرا کتاں نہ ہو جائے۔ باد صبا کو دھڑکا تھا کہ مجھے یہ روشنی لباس آتشیں نہ پہنائے، نہر گلشن کی اس رات کو اس طرح جھلکاتی تھی کہ چشم لیلیٰ شب ڈبڈباتی تھی۔ جملہ طرح کا سامان راحت مہیا، عجیب جلسہ تھا۔

نور میں ہر چمن تھا صبح امید | پھول ایک ایک تھا گُل خورشید
چاندنی روکش مہ تاباں | موتیا غیرت دُرِ دنداں
مثل خط شعاع سنبل تر | رشک رخسار حور عیں گُل تر
حسن میں وہ ہر ایک گُل سوسن | مسّی آلودہ گُل رخوں کا دہن
جلوہ گر اس کی پڑیوں پر وہ دوب | صورت سبزۂ رخ محبوب
چاندنی کا فروغ ایسا تھا | چشم نرگس کو نور بخشا تھا
تھا سر نہر روشنی کا یہ اوج | چاندنی تھی غبار کوچۂ موج
روشنی عکس افگن آب میں تھی | یا پری شیشۂ حباب میں تھی
سامنے اک چبوترہ ہموار | اس پہ نمگیرہ مثل ابر بہار
شیشہ آلات سارے نور آگیں | نصب ہر جا موافق آئیں
فرش دیبائے چیں سے بھی شفاف | سینۂ زاہداں کی طرح صاف
صدر میں موتیوں کی ایک مسند | گاؤ تکیے وہ خوش نما بے حد
چاندنی رشک چادر مہتاب | اطلس طور سے سوا پُرتاب

(جلد دوم)

پال پال جی کا کال

(ملکہ بلور جادو شہزادہ ایرج کو شکارگاہ میں دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتی ہے اور شہزادے کو اٹھا لانے کے لئے پنجۂ سحر بھیجتی ہے۔ بیچ میں صنوبر جادو شہزادے کو چھین لیتی ہے)

ملکہ چشم براہ انتظار تھی۔ یاد معشوق میں بے قرار تھی۔ آنکھیں جانب درنگراں، یہ بیت وردِ زباں:

وعدہ خلاف یار سے کہنا پیام بر
آنکھوں کو روگ دے گئے ہو انتظار کا

اسی رنج ہجر میں طرفہ یہ ستم ہوا کہ پنجہ سامنے آیا، اور بہ شکل انسان متمثل ہو کر حال کہا کہ میں شہزادے کو لاتا تھا، راہ میں ملکہ صنوبر دختر زرومان، حاکم قلعہ زرومانیہ، نے چھین

لیا۔ یہ خبر سننا تھا کہ ملکہ کو غصہ آیا، رنج فرقت نے کلیجہ کھایا، بے تابانہ زبان پر لائی:

”اے غم تری اب خوشی کہاں تک
کم بخت لہو تو ہو گیا دل“

اسی بے قراری میں اپنی وزیرزادی ملکہ حور چہرا جادو کو بلایا، اور فرمایا کہ ”تو نے یہ گستاخی صنوبر کی دیکھی کہ میرے بلائے ہوئے شخص کو اس نے چھین لیا۔ ہر چند کہ مجھے اس مردوئے سے کچھ مطلب نہیں، وہ نگوڑا چاہے آئے یا نہ آئے مگر غصہ تو یہ ہے کہ امی جان کے جتنے خراج گزار ہیں ان کو یہ حوصلہ ہوا کہ اب مقابلہ کرنے لگے۔ اس ضد پر قلعہ زرومانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔ میں بھی اپنے نام کی ہوں۔ اتنی سی بات پر آفت ڈھاؤں گی۔ تو لشکر جلد درست کر، اور میرے ہمراہ چل۔“

حور چہرہ نے یہ تقریر سن کر بلائیں لیں اور عرض کیا کہ ”بی بی ملکہ صنوبر کو یہ نہ معلوم ہو گا کہ حضور نے اس شخص کو بھیجا ہے۔ وہ کسی اور ساحر کے پنجے کو سمجھی ہوگی، ورنہ یہ اس کی مجال نہ تھی کہ جو ایسی شوخی کرتی۔ اب میں جاتی ہوں اور شہزادہ مطلوب کو لئے آتی ہوں۔“

یہ کہہ کر بزور سحر اڑ کر چلی اور ملکہ فراق دیدہ پھر انتظار آمد جاناں میں باخاطر ناصبور بیٹھی۔ کبھی فرط یاس و بے تابی سے یہ کہتی کہ ”ہائے ری یاس، وائے ناکامی۔ آرزو ہم سے منہ چھپاتی ہے۔“

اور ایک نظر کے دیکھنے سے تصور میں جو صورت یار اچھی طرح نہ آتی تھی تو رو کر یہ فرماتی تھی کہ:

”ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری کہ تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے“

اور خیال محبوب جو دیدۂ دل میں جلوہ گر تھا تو براہ شکایت یہ لب پر تھا کہ:

”لڑا کے آنکھ تم آنکھوں سے ہو گئے پنہاں
پر آنکھ سے مری مثل نظر نہیں جاتے“

......اور کبھی کہتی تھی کہ ”دیکھئے حور چہرہ انہیں لاتی ہے یا نہیں۔ بھلا وہ مغرور حسن و جمال کاہے کو آئے گا! خدا معلوم قاصد کیا پیام لائے گا!

پس فنا بھی ہماری کھلی رہیں آنکھیں
بس اس امید پہ شاید کہ نامہ بر آئے“

(حور چہرہ جا کے ایرج کو اٹھا لاتی ہے، اور اسے باغ میں چھوڑ کر ملکہ کو اطلاع دیتی ہے)

شہزادہ سیر بہار میں مصروف تھا کہ سامنے بنگلے سے ملکہ نے اس کے گلشن حسن کی بہار دیکھی...... ملکہ اس صورت دل فریب کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ انیسوں، جلیسوں نے عرض کیا کہ "اب تو یہ آہوئے صحرائے حسن دام میں آیا ہے، گھبرائیے نہیں، خدا نے روز وصل دکھایا ہے۔ ہم جاتے ہیں اور اس کو یہاں لاتے ہیں۔" یہ کہہ کر روانہ ہوئیں۔

ایرج نے دیکھا کہ بنگلے کی طرف سے گل رخان سیمیں بدن و گل پیرہان سیمیں ذقن آتی ہیں، حسن میں مہر و ماہ کو شرماتی ہیں۔ شہزادہ بھی آگے بڑھا۔

اُن ماہ پیکر نے قریب آ کر پوچھا کہ "اے نوجوان، تیرا کہاں سے آنا ہوا؟ کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا، ملکہ بلور جادو کی سیر گاہ ہے۔"

ایرج نے کہا: "میں گم کردہ راہ ہوں، خود حیران ہوں کہ کس نے میری خواہش کی ہے اور غلبۂ حرص و شہوت سے مجھ کو پریشان کر کے یہاں بلایا ہے۔ شاید تمہیں مستانیوں نے یہ شعبدہ بنایا ہے۔ تو یہ بخیریت ہے، میں کبھی تھوکوں گا بھی نہیں۔"

وہ سب اس کلام سے قہقہہ مار کر ہنسیں، اور بولیں کہ "کیا مردوا باتیں بناتا ہے۔ عورتوں کا مکر مشہور ہے۔ لیکن اس نے ان کے بھی کان کاٹے۔"

ایک بولی کہ "نام خدا ایسے ننھے ہیں کہ راہ نہیں جانتے ہیں۔"

دوسری نے کہا: "مکاری تو دیکھو، کہتے ہیں کہ میں آپ سے نہیں آیا۔ کوئی ان کو گود میں اٹھا لایا ہے۔"

تیسری نے کہا: "کسی کی بلا کو کیا غرض تھی جوان کو اٹھا لاتا۔ ذرا اپنی صورت تو آئینے میں دیکھو۔ کچھ ایسے خوبصورت بھی نہیں ہو جو کوئی ریجھا ہو گا۔"

چوتھی ہنستی ہوئی پاس آئی اور شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر بولی کہ "اس پھیکے شلجم سی صورت پر اتنا اترانا اچھا نہیں۔ آؤ، جو آئے ہو تو ہماری ملکہ کے پاس چلو۔ وہ مہمان نواز ہیں، تمہاری خاطر کریں گی۔ لیکن میاں یہ نہ سمجھنا کہ کسی اور لالچ سے تمہیں بلاتی ہوں۔ تمہاری غریبی پر ترس کھاتی ہوں۔"

ایرج ان باتوں سے ہنسا، اور گویا ہوا کہ "تمہیں تو لاکھ برس بھی نہ پوچھتا۔ مگر جو تمہاری ملکہ کا جی چاہا ہے۔ خیر چلتا ہوں۔"

انہوں نے اس تقریر پر تیوری چڑھائی، اور منہ بنا کر کہا: ''چل، مردوئے حواس میں آ، منہ بنوا، ایسی باتیں کسی مال زادی سے کریو، صاحبو، کیا ہماری شامت آئی ہے جوان کی شکل پر ر تجھیں گے؟ میں سچ کہوں، مجھے تو پھوٹے دیدوں بھی میاں تم نہیں بھاتے۔''

ایک ان میں سے پھر تڑق کر بولی: ''اے بوا، جتنا تم اس مردوئے کو منہ لگاتی ہو یہ جانتا ہے، جو میرے وہ راجا کے نہیں، اور زیادہ اتراتا ہے۔''

دوسری نے کہا: ''سچ تو ہے، اس کا مزاج تو ساتویں فلک پر ہے۔''

تیسری بولی: ''چلی بھی آ، اس کو آنا ہوگا آپ ہی آئے گا۔''

چوتھی نے پھر شہزادے کی طرف دیکھ کر قہقہہ مارا اور کہا ''لو آؤ، چلے آؤ، ہمارا کہا مانو۔ نہیں پچھتاؤ گے۔''

شہزادہ بھی ہنستا ہوا ان کے ساتھ چلا۔ اور بنگلے میں آیا۔ حسن ملکہ سے بنگلے کو رشک برج آسمان پایا۔ دیکھا کہ ایک حوروش، نازک اندام بیٹھی ہے جو ہوا کے جھونکے سے مرجھائی جاتی ہے......

زیور الماس میں غرق۔ طلائے حسن میں مرصع از پا تا فرق۔ فرط نزاکت سے پیشواز اتار ڈالی۔ پائجامہ زربفتی پہنے تھی۔ کرتی جالی مقیش کی گلے میں۔ گھاس کی اوڑھنی سر پر، حسن کی کھیتی ہری تھی۔

شہزادہ یہ حسن وادا دیکھ کر کلیجہ پکڑ کے بیٹھ گیا۔ جب کچھ آپ میں آیا، دیکھا کہ انجمن عشرت آراستہ ہے...... ملکہ نے شہزادے کو اپنا فریفتہ دیکھ کر مسند زریں پر بٹھایا۔ اور جام بادۂ سرخوش سے بھر کر دیا۔ شہزادے نے پینے سے انکار کر کے سوال اسلام لانے کا کیا۔

ملکہ نے ہنس کر کہا: ''کہنا آپ کا بہ ہر صورت قبول ہے، خاطر مہمان کرنا میزبان کا معمول ہے۔''

شہزادے نے جب اس کو مطیع اسلام کر لیا، اس وقت دور جام دمادم چل نکلا۔ رقاصہ طلب ہوئی۔ ناچ ہونے لگا۔ جلسۂ عشرت جما۔ پہاڑ پر سبزہ زار، ابر سیاہ کا لطف، سرد ہوا کی کیفیت، لالہ زار کی بہار، بغل میں معشوقۂ گل رخسار وطرحدار، یہ سامان دین دنیا کی یاد بھلائے اور گردوں کا نام عنقار کھے، شہزادے کو بہ عشرت بٹھائے تھا۔ قمر پیکروں کا ناچنا دیکھ کر پیر فلک گردش بھولا تھا، گانا وہاں کا قوالۂ آسماں کے ہوش کھوئے ناہید سپہر کو دیوانہ بناتا تھا۔

(بلور کی ماں ملکہ آئینہ دار نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آفت جادو کو ایک طلسمی سوار دیا تھا جس کی موت صرف ایک خاص تلوار کے ذریعے ممکن تھی۔ بلور عشق کی وارفتگی میں وہ تلوار ایرج کو دے دیتی ہے۔ ایرج جا کے سوار کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ آفت دوڑی دوڑی آئینہ کے پاس آتی ہے، اور سارا حال کہہ سناتی ہے)

آئینہ اٹھی اور کہا: ''تم ٹھیرو، میں آتی ہوں۔''

غرض کہ خزانے میں آ کر، قفل تڑوا کر دیکھا تو صندوق میں تین تلواریں ہیں، چوتھی تلوار جس سے اس کی اجل تھی، نہیں ہے۔ حیران ہوئی کہ یہ تلوار کون لے گیا۔ یہ خزانہ میری دختر ملکہ بلور کے سپرد ہے، سوائے اس کے اور کوئی یہاں آئے، کیا مجال، پس بلور ہی سے پوچھنا چاہئے کہ تلوار کیا ہوئی۔ یہ سوچ کر خزانے سے نکلی، اور چاہا کہ دختر کو بلوائے۔ پھر خیال آیا کہ آفت بیٹھی ہے۔ مبادا لڑکی نے کچھ شرارت کی ہو، اس وقت وہی مجرم ٹھیری تو بدنامی ہوگی۔ یہ سوچ کر چپکی آ کر بیٹھ رہی، آفت کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

آفت نے اس کے چپ ہونے سے پوچھا کہ ''بہن، تم نے مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ تم تو گھنگھنیاں منہ میں بھر کر بیٹھ رہیں۔ اے توبہ، کچھ آدمی ہست نیست کا جواب دیتا ہے۔ یہ کیا کہ چپ ہو رہیں؟''

آئینہ یہ سن کر جھلا کر بولی کہ ''بہن، حواس پکڑو۔ جو کوئی دوست بانہہ دیتا ہے تو کیا بانہہ کاٹ لیتے ہیں؟ تم انگلی پکڑتے پہنچا پکڑتی ہو۔ تم کیا آئیں کہ طلسم پر آفت آئی۔ اگر تم ایسی ہی بودی تھیں تو کاہے کو گھر سے نکلیں؟ افراسیاب سے کہا ہوتا کہ اور کوئی جائے، میں ڈرتی ہوں، ننھی بھولی ہوں، اور اگر آئی ہو تو کیا میرے تیرے برتے پر؟ اے لوگو! کسی کا کیا بھروسہ؟ بھروسہ تو سامری بھروسہ۔ ایک تو سوار طلسم قتل کرایا، اب طلسم خالی کرایا چاہتی ہو۔ بہن ایسی دوستی سے میں درگزری۔ تم کیا میرے برتے پر آئی ہو؟ ایک تو میں نے یہ بیوقوفی کی کہ اس وقت تمہاری بدحواسی دیکھ کر نہ اونچ سمجھی نہ نیچ، سوار طلسم ساتھ کر دیا، آئین طلسم میں فرق ڈالا۔ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے، طلسم رہتا ہے یا نہیں۔ بہن اب سے آئے، گھر سے آئے۔ میں نے تو کان اُمیٹھے، اب کسی کے کہنے سننے میں نہ آؤں گی۔''

آفت نے جو یہ کلمات سنے، غصہ آیا اور بولی کہ ''بہن، اتنی ٹیڑھی نہ ہو۔ تم نے تو نگاہ طوطے کی طرح پھیر لی جیسے ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ تمہارا سوار کیا حقیقت رکھتا

ہے؟ لوگ تو دوستی میں سر کٹوا دیتے ہیں۔ تم اتنی ہی سی بات پر پھری جاتی ہو! احسان جتا جتا کے مارے ڈالتی ہو۔ نوج کوئی او چھے کا احسان لے۔"

آئینہ نے کہا: "بس بس، حقیقت اپنی ذرا دیکھ۔ گھبرائی ہوئی آئی تھی۔ اگر سوار نہ جاتا تو گور کے پرے جاتی۔ اچھا، پھر اس کا کہنا کیا، چلو اب سہی۔ جب جانوں کہ کچھ مسلمانوں کا تو بنا لے۔"

آفت طیش میں آ کر اٹھی اور کہا: "سامری، ایسی بے مروت سے بات نہ کرائے۔ اچھا بی بی، تم نے مجھ کو سوار کیا دیا کہ جلا لیا، میں حرامزادی خود پچھتاتی ہوں کہ تمہار سوار کیوں لے گئی تھی۔"

یہ کہہ کر وہاں سے چلی، دل سے کہتی ہوئی کہ اب چل کر جو شہنشاہ افراسیاب نے سحر بتلایا ہے، اس کو جاری کر، ایرج کو پکڑ اور مار ڈال، سب کے دانت کھٹے نہ کر دیے تو سہی، سچ تو ہے بل تو اپنا بل، اور کا بل جائے جل۔

(آفت لشکر اسلام پر حملہ کرتی ہے، اور ایرج کو پکڑ لے جاتی ہے)

اب شمہ حال...... ملکہ بلور جادو کا سنئے...... جب وہ دن تمام ہوا، اشتیاق مواصلت جاناں میں زیبائش و آرائش سے کام ہوا۔ لباس اور زیور سے آراستہ ہو کے باغ و مکان کو پیراستہ کر کے انتظار آمد یار میں بیٹھی تھی...... حور چہرہ اور کچھ کنیزوں کو بھیجا کہ "جاؤ، شہزادہ کو کہ قریب نرگس کوہ آئے ہوں گے، لے آؤ۔"

کنیزیں گئیں اور پھر آئیں کہ "اے ملکہ، وہاں کوئی بھی نہیں۔"

یہ سنا تھا کہ صورت آئینہ حیران رہ گئی، اور وہ رات تڑپ تڑپ کر ہجر یار میں بسر کی، رو رو کر سواد شب غم دھو کر سفید چادر سحر کی۔ جب بیقراری ستاتی تو یہ لب پر لاتی کہ:

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسے کٹھن سنیہہ کا کس بدھ کروں اُپاؤ

......آخر یہاں کئی روز شہزادہ مصروف جنگ رہا، اور ملکہ پر رنج سے عرصہ حیات تنگ ہوا۔ شہزادہ مقید ہوا۔ ملکہ کو بے قراری نے ستایا۔ کبھی اٹھتی، اور کبھی بیٹھتی۔ گاہے بستر غم پر پچھاڑیں کھاتی۔ مثل اسپند جو دل جلتا تھا، آہ کے ساتھ دھواں نکلتا تھا۔ یہ حال حور چہرہ وزیرزادی نے اس کا دیکھ کر عرض کیا کہ "اے بی بی، میں قربان گئی، ذرا دل کو سنبھالو۔

پروردگار وہ بھی دن لائے گا جو شہزادہ آ کر صورت دکھائے گا۔''

اس کے سمجھانے سے اور زیادہ تپش دل بڑھی، اور رو کر بولی کہ ''اے گیان، اگر تو میری زندگی چاہتی ہے تو ایک نظر انہیں جا کر دیکھ آ۔''

حور چہرہ اس کا رنج دیکھنے کی تاب نہ لائی اور مثل دود آہ عاشق سحر پڑھ کر بلند ہوئی۔ دم بھر میں لشکر اسلام میں پہنچی۔ یہاں عجیب غریو دیکھا کہ ہر شخص مصروف دعا ہے، لب پر نالہ و بکا ہے۔ سامنے میدان میں حصار آتش کھنچا ہے، سرداروں کا مجمع ہے۔ اس نے حیران ہو کر بزور سحر وضع تبدیل کی۔ ایک سقہ کھڑا اشک حسرت بہار رہا تھا۔ اس سے پوچھا کہ ''کیا ماجرا ہے؟''

اس نے کہا کہ ''ایرج کو آفت پکڑ لے گئی ہے۔ ان کی گردن ماری جاتی ہے۔ یہ لشکر اسلام ہے کہ بہ سبب حصار آتش اندر نہیں جا سکتا۔ اس لئے ہر ایک روتا ہے اور دعا کرتا ہے۔''

حور چہرہ یہ سن کر وہاں سے اڑی۔ مگر دل سے کہتی ہوئی کہ اب تو چپکی ہو رہ، اس کو قتل ہو جانے دے، جھگڑا فیصل کر، ورنہ گھر آئینہ دار کا برباد ہوگا۔ اسی سوچ میں خیال آیا کہ مطلوب کے مرنے سے ایسا نہ ہو ملکہ بھی مر جائے، عوض خیر خواہی کے تیرا بھی سر جائے۔ یہ سوچ کر بدحواسی و مضطر بصد عجلت ملکہ کے پاس پہنچی۔ ملکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گئی، اور مستفسر ہوئی کہ ''کہہ وہ کیا کرتے تھے؟ میں جانتی ہوں کسی معشوق کے پاس بیٹھے ہوں گے۔ اچھا تو گئی تو شرمائے، الگ اٹھ کر آئے؟ کچھ مجھ کو پوچھا یا نہیں؟''

حور چہرہ یہ تقریر سن کر رونے لگی اور کہا: ''بی بی، تم کس کو پوچھتی ہے؟ شہزادے قتل ہوا چاہتے ہیں۔ ان کے دشمن بیڑیاں پہنے تلوار کے نیچے بیٹھے ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ جی سنسنایا، کلیجہ منہ کو آیا۔ پوچھا ''اری، مفصل کہہ، کیا ماجرا گزرا؟ ہائے افسوس، مجھ نانصیب نے ناحق انہیں جانے دیا۔''

حور چہرہ نے ساری حقیقت کہہ سنائی۔ ملکہ آتش محبت میں جلی، دل کی تپش زیادہ بڑھی اور اٹھی کہ ''دیکھوں یہ مال زادی کیوں کر قتل کرتی ہے۔''

حور چہرہ نے کہا: ''واری، یہ کیا کرتی ہو؟ کہاں جاتی ہو؟ جانے بھی دو۔ وہ مرد ہیں، کسی کے ہوئے ہیں اور کس کے ہوں گے؟ کیوں گھر غارت کرتی ہو؟ اپنے تئیں نحس نحس کرنا اچھا نہیں۔ بس جو ہونا تھا ہو گیا۔''

ملکہ نے جھلا کر کہا: ''اری، کیوں باتیں بناتی ہے؟ صاحبو، کسی کی جان جائے، اور

کوئی اڑائے، کچھ خدا ترس بھی ہے۔ بھلا میں کیوں کر در گزروں؟ ناصاحب مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ میں کسی کو ساتھ تو لئے جاتی نہیں؟ پھر کوئی کیوں پھڑ پھڑائے؟ میرا تو خوف خدا سے رویاں رویاں کانپ گیا۔ کچھ مردوئے کی محبت نہیں، صرف خدا راہ کا سودا ہے۔''

حور چہرہ سمجھی کہ یہ نہ رکے گی۔ ناچار بولی کہ ''اے میں تصدق، جو جی میں آئے وہ کیجئے۔''

(ملکہ ساحروں کے لشکر پر حملہ کرتی ہے۔ آفت کا ہاتھ کٹ جاتا ہے۔ ملکہ ایرج کو چھڑا لاتی ہے۔ ایرج ملکہ کو لشکر اسلام میں لاتا ہے، اور اسے درہ کوہ کے قریب اتار کے امیر کو اطلاع دینے جاتا ہے)

امیر نے اسی وقت ایک سکھپال جواہر نگار، اور کنیزوں کے لئے پالکیاں طرحدار درۂ کوہ کی جانب روانہ کیں، اور سامان تزک وجلوس مثل چتر اور نقارہ اور خاص بردار اور نواب ناظر، خواجہ سرا وغیرہ بھیجے۔ شہزادہ بھی مع اپنے سرداروں کے اور سامان جلوس اپنا ذاتی لے کر سوار ہوا۔ یہاں تک کہ درۂ کوہ میں جا پہنچا۔ ملکہ کو سوار کیا۔ پھر تو بڑے تجمل سے سواری روانہ ہوئی کہ سکھپال میں پردے جواہر دوز بندھے، نشان آگے کھلے، نقیب بولے، ڈنکا بجتا، چتر سکھپال پر گردش کرتا، مردھے عصے سونے چاندی کے لئے، پایہ سکھپال تھامے، کہاریاں سروں پر مچھلیاں لگائے، مورچھل جھلتی، لباس پر زر پہنے، گہنے سے لدی۔ سردار نیزہ دار ننگی تلواروں کا سایہ کئے، پیادوں کے جلوس بڑھے۔ زر و جواہر لٹتا، بڑے کروفر سے لشکر میں داخلہ ہوا۔ بارگاہ ایرج میں سواری اتری...... بیبیاں امیر کی اور بہوئیں وغیرہ سب مشتاق بہو کے آنے کی اس بارگاہ میں تھیں۔ جب ملکہ اتری، سب نے بلائیں لیں۔ اس نے بھی ہر ایک کو تسلیم کی۔ گیتی افروز نے پانی اتار کے پیا۔ پھر سب بیبیوں نے گہنا اتار کے پہنانا شروع کیا۔ کسی نے رونمائی میں کنگن، اور کسی نے کڑے ہیرے کے پہنائے۔ پھر جلسہ عشرت شروع ہوا۔ مجرائی ڈومنیاں ہر ایک شہزادی نے طلب کیں کہ وہ اپنے گانے اور ناچ کے سامنے قوالہ فلک کو بے سرا اور ہیچ کارہ بتانے لگیں، خاطر انجمن لبھانے لگیں۔

اس اثنا میں خبر ہوئی کہ امیر بہو کو دیکھنے آتے ہیں۔ بلور نے یہ خبر سن کر سر سے پا تک دوپٹے سے بدن چھپا لیا، گھونگھٹ زیادہ نکال لیا، سر زانو پر جھکا کے ادب سے بیٹھی۔ سب بیبیاں امیر کے استقبال کو اٹھیں۔ جب امیر بارگاہ میں آئے، ملکہ نے شرم سے اٹھ کر مجرا کیا، اور رومال سے ہاتھ چھپا کر نذر دی۔ امیر نے سر سینے سے لگا لیا، اور بھاری جوڑا مع

ایک سو اکیس کشتی زیور الماسی کے ہمراہ لائے تھے، وہ منہ دکھائی میں دے کر فرمایا کہ ''اے فرزند، میں شکر کرتا ہوں خدائے پاک کا کہ تو نے اطاعت پروردگار عالم کرنا قبول کیا۔ اب کلمہ پڑھ اور ادیان باطلہ پر لعنت بھیج۔''

ملکہ نے مع تمام اپنی کنیزوں کے بصدق دل کلمہ زبان پر جاری کیا، اور سحر کرنے سے توبہ کی۔ امیر خوش ہو کر رخصت ہوئے۔ بعد تھوڑی دیر کے اور سب بیبیاں بھی اپنے اپنے مقام پر گئیں۔ ملکہ بارگاہ میں تخت جواہریں پر متمکن ہوئیں۔ سامنے چنگیریں، گلدستے وغیرہ چن دیئے گئے۔ امیر نے باہر جا کر ڈالیاں میووں کی اور طعام لذیذ اور خوان مٹھائی کے بھیجے۔ شہزادہ ایرج بھی خبر سن کر کہ ملکہ اکیلی ہے، داخل بارگاہ ہوا، اور پہلوئے دلدار میں بیٹھ کر داد عشرت دینے لگا۔

مگر آفت جو شکستہ حال، وابستہ ملال، لڑائی سے بھاگ کر چلی، سیدھی طلسم آئینہ میں پہنچی۔ ملازمان ملکہ نے دیکھا کہ آج آفت کا ایک ہاتھ کٹا ہوا، تمام جسم پر لہو کی چھینٹیں پڑی، پیرہن تار تار، بدحواس، گھبرائی ہوئی آئی ہے۔ یہ حال دیکھ کر پوچھنے لگیں کہ ''حضور! مزاج کیسا ہے؟''

اس نے کہا: ''میں آئینہ سے حال کہوں گی۔ جلد بتلاؤ وہ کہاں ہیں؟''

انہوں نے کہا کہ ''اپنے باغ میں تشریف فرما ہیں۔ آپ تو ان کے برابر کی ہیں، بے تامل تشریف لے جائیں۔''

یہ سن کر آفت سیدھی باغ میں آئی۔ از بسکہ پہلے کچھ رنجش آئینہ سے ہو گئی تھی، اس وقت جو اس کو دیکھا، مثل مشہور ہے کہ گھر آئے کتے کو بھی نہیں ہانکتے، آئینہ اٹھی اور استقبال کر کے اس کو لائی۔ حال ابتر بہت دیکھا، جسم خون چکاں، ہاتھ کٹا ہوا، چہرے پر غبار ملال، یہ حالت مشاہدہ کر کے اگلی باتوں کو زبان پر نہ لائی، اور براہ دل سوزی مستفسر ہوئی کہ ''بہن، یہ کیا حال ہے؟''

اس نے جواب دیا کہ ''آپ کی بیٹی کا یہ سارا کرتوت ہے۔ میں پہلے ہی سمجھتی تھی جب تم مجھ سے بگڑی تھیں کہ یہ ملی بھگت ہے، بہن، جو تم کو مسلمانوں کا ساتھ دینا تھا تو مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔ یہ کیا کہ اپنی صاحب زادی کو بھیج کر میرا ہاتھ کٹوا دیا، اور بنی بنائی لڑائی کو بگاڑا۔ میں جانتی ہوں کہ ایرج کو اول بھی تیغ دے کر تمہیں نے بھیجا تھا۔ ہائے

افسوس، کیا زمانہ آ لگا ہے کہ نہ کسی کو برادری کا پاس ہے نہ ایک دین ہونے کا خیال ہے!''

آئینہ اس کی تقریر شکایت آمیز سن کر کچھ سمجھی کہ یہ کیا کہتی ہے۔ ہنس کر بولی کہ ''رنڈی، جب تو آتی ہے، نخرہ بگھارتی ہوئی آتی ہے۔ تیری خفگی میرے سر آنکھوں پر، کوئی مرے پر طوفان لیتا تو جیتے جی! میں کیا جانوں کیسے مسلمان، کہاں میری بیٹی، کہاں لڑائی! وہ بے چاری ماندی، دکھیا سیرگاہ میں اپنی پڑی ہے۔ میں خود دیکھ آئی۔ بھینسوں بخار چڑھا ہے، سر تو اٹھاتی نہیں۔ میں دعائیں مانگتی ہوں کہ سامری نے ایک چھپڑا دیا ہے، کہیں جی جائے، اب اس کو نام سامری سے برس ان گنا شروع ہوا ہے۔ تم آئی ہو اس پر بہتان جوڑتی ہوئی! مفصل کہو کہ میری بیٹی نے کیا تمہارے کلیجے میں چٹکی لی ہے؟''

آفت نے کہا: ''ایک تم ننھی ہو اور ایک تمہاری بیٹی۔ اری کیا باتیں بناتی ہے، جا کے دیکھ تو۔ وہ چالیس ہزار پتلا لے کر گئی اور یہ آفت برپا کی۔''

آفت نے سب احوال مفصل کہہ دیا۔ پس سنتے ہی آئینہ غصے سے کانپنے لگی۔

(رات کو یہ دونوں بلور کو گرفتار کرنے لشکر اسلام میں جاتی ہیں)

آئینہ نے سحر پڑھا کہ طلایہ دار بے ہوش ہو گیا، ہوا سرد چلی، بارگاہوں میں سردار، عیار غافل سو گئے۔ صرف وہ لوگ جو بارگاہ سلیمانی میں تھے ہوشیار رہے۔ ایرج کی بارگاہ میں باری دار وغیرہ، ترکنیں، حبشنیں، سب بے ہوش ہو گئیں۔ اس وقت آفت کے بتلانے سے آئینہ بارگاہ ایرج میں اتری۔ یہاں دونوں شیدائے یک دگر لپٹے پڑے تھے، ملکہ کی کرتی چڑھ گئی تھی، قمقمے دست ایرج میں تھے، پائنچے چڑھے تھے، ران سے ران گتھی تھی۔ زلف عنبر فام قریب دماغ تھی کہ:

دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب
ہم بستر آدمی پری تھی سائے کی بغل میں چاندنی تھی
سرکی تھی جو محرم اس قمر کی برجوں پہ سے چاندنی تھی سرکی

(آئینہ جھپٹا مار کر بلور کو اٹھا لے جاتی ہے)

آئینہ جب اپنی دختر ملکہ بلور کو پکڑ لائی، طلسم میں پہنچ کر دو طمانچے زور زور سے مارے، اور کہا: ''اے اماں پٹی، تجھ کو مسلمان دھگڑا کرنا تھا! نانصیب، کنبے غارت ہوئی، ناشدنی! تیرے جیسے کتا نہ جیے۔ سامری تجھے غارت کرے۔ یہ تو نے کیا کہ تمام برادری

میں ناک کٹوادی۔ اری چپنی بھر پانی میں ڈوب مرا!''

عرضیکہ بہت سا کچھ بک جھک کر اس خوف سے کہ یہ پھر نہ بھاگ جائے، قید خانے میں بھیج دیا...... اور پاؤں میں زنجیر سونے کی ڈال دی۔

یہاں ایرج نے جو معشوق سے بارگاہ خالی دیکھی، چشم گریاں سے دریا آنسو کے بہا دیئے۔ بسان شمع سوزاں کے حال پر دل جلا، اس قدر رویا کہ دست و پا ٹھنڈے ہو گئے، پھر جو ہوش آیا، بستر غم پر پچھاڑیں کھانے لگا۔ پروانہ وار بے قرار ہو کر اس شمع عذار سے لو لگا تا اور یہ کہتا کہ:

''تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا، نہ سکھ ہے دل میں نہ نیند رتیاں
تیرا ہی لیتا ہوں نام ہر دم، جپے ہیں سمرن میں جیسے بتیاں
کہیں سے آمل تو مجھ سے پیارے، جو میرے دل کو ٹک آئے چیناں
تمہاری آسہ لگی ہے نس دن، تمہارے درشن کو ترسن نیناں
دلارے سندر، انوٹھے ابھرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا''

اسی بے قراری میں خیال آیا کہ افسوس! جب تم قید ہوئے تو وہ اسیر سر پنجۂ تقدیر تاب نہ لائی۔ پتلے طلسمی لے کر تم کو چھڑانے آئی۔ اب وہ قید ہو گئی، اور تم بیٹھے رہو۔ مبادا اس کی ماں نے جا کر قتل کر ڈالے، تو کیسی بڑی نامردی ہے، خلقت کہے گی، جو سنے گا وہ یہی کہے گا کہ عورت نے تو یہ مردی جتائی، اور مرد نے بدتر از زنان بات کی۔

(چنانچہ ایرج ملکہ کو قید سے چھڑانے کے لئے روانہ ہو جاتا ہے)

(جلد دوم)

چپڑی اور دو دو

شہزادہ ایرج نوجوان سیر کناں اس مرغزار مینونشان میں رواں تھا کہ دور ایک دیوار یاقوت رمانی کی نظر آئی...... ایرج خوش صفات اس دیوار کی طرف ششدر ہو کر چلا، یہاں تک کہ نزدیک اس کے پہنچا، دیکھا کہ دیوار سر بفلک کشیدہ ہے، اسی کی سرخی سے لالوں لال تمام صحرا ہے...... اس دیوار پر نقش بر دیوار حیرت سے بنا، پابہ گل ہو کر کھڑا ہو

رہا۔ دل سے کہتا تھا کہ یہ کس سکندر منش نے سد کھینچی ہے...... اسی فکر میں تھا کہ عشق فتنہ گر نے رخنہ پردازی کی، تڑاکے کی صدا آئی، اور دیوار میں در پیدا ہوا۔ اس طرف ایک مکان عالیشان نظر آیا...... تحت جواہر آگیں پر ایک عنبرین گیسو خورشید رو کو جلوہ گر پایا...... ایسا حسن دل آویز گردوں کی سات پشت کو بھی نظر نہ آیا ہوگا۔ جفائیں اس ستم خو، ناز پرور کی جور گردوں سے کہیں بڑھ کر، نازک مزاجی میں طبیعت خود پسند...... ناز و ادا میں یگانہ، آفت زمانہ...... حسن سے متوالی، پہلو میں اُف اُف کرنے والی......

شہزادے نے اس بت دل فریب اور صنم با زینت و زیب کو دیکھ کر دل سے صبر و شکیب کھویا، حالت دل مضطر دگرگوں ہوئی، غشی طاری ہونے لگی۔ بہ مشکل اپنے تئیں سنبھالا، اور پکارا کہ:

کس کس نے ہم کو روکا اس در پہ ہم جو پہنچے
لغزش نے پاؤں پکڑے درباں نے ہاتھ کھینچا

یہ صدا اس عاشق دیدار نے جب سنی، شہزادے کی جانب نگاہ کی۔ پہلے تصویر دیکھی تھی اب اصل صورت جاناں نظر آئی۔ ایک جوان خورشید جمال کو دیکھا جو نہانی راز کا بھیدی، شب وصل کا نو امیدی، ہنس کر چھیڑنے والا، ستم اٹھانے سے منہ پھیرنے والا۔ راتوں کا جگانے والا، وصل کے انکار پر روٹھ جانے والا، محبت کا پتلا، عشق کا نقشہ۔ زینت چار بالش الفت، سراپا چاہت کی صورت، لب شیریں کا ذائقہ مند، خانہ حسن کے لوٹنے میں چاق و چوبند، متاع حسن پر دانت لگائے، ہونٹ چوسنے کی آرزو میں منہ پھیلائے، استغنا کا فقیر، بوسوں کا سائل، حسینوں کا امیر، دل لگی پر مائل، دشت عشق کا جوگی، محبت کا روگی، عقیق کو نیلم بنانے والا، ہونٹوں پر دانت لگانے والا، جس کے پہلو میں نہ ہونے سے دل کو شوروشین، انتہا کا بے چین، شوخ و طرار، چلبلا، ذرا سی بات پر قسمیں دینے والا، نمک محبت سے مزے لوٹے ہوئے شوریدہ سری پر آمادہ، ہزاروں دل لوٹ لئے، کروڑوں گھر حسن کے برباد کیے، قید الفت میں پھنسا، انسانیت سے چھوٹے ہوئے معشوقوں کی آنکھ کا تارا، دل و جان سے زیادہ پیارا، پری زادوں کا بناؤ، مہ جبینوں کا کھیل، نازنینوں کے دل کا رکھ رکھاؤ، ہر دل کو اسی سے شکیب، عاشق پرفریب، معشوق با زیب۔

ملکہ یعنی براں جو لوح دینے آئی تھی، یہ اس نے دیوار یاقوت بنائی تھی۔ اس وقت

سراپائے پری تمثال شہزادہ بے مثال کو دیکھ کر غش ہو گئی۔ کنیز جو ہمراہ آئی تھی، اس نے شہزادے کی طرف اُڑ کر کے گلاب چھڑکا۔ جب ملکہ کو ہوش آیا، کنیزوں کو فرمایا کہ ''اس شخص سے جا کر دریافت کرو کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو۔''

کنیز حسب فرمان خدمت ایرج میں آئی، تسلیم کی اور پیام ملکہ زبان پر لائی۔ شہزادے نے فرمایا کہ کہہ دینا یہاں کار دل ناکام تمام ہو چکا، اس بے اعتنائی سے آپ کا نام ہو چکا۔ ماشاء اللہ تم کڑی کمان کا تیر ہو۔ ہم بے خبر آکر دام عشق میں اسیر ہوئے، کبھی شہنشاہ تھے، شاہوں کے شاہ تھے۔ اب جنگل مسکن ہے، افسوس نبیرۂ حمزہ ہے اور بن ہے۔ سب نے ساتھ چھوڑ دیا، یگانہ و بیگانہ نے رشتہ الفت توڑ دیا۔ اب خدائے واحد ہمراہ ہے۔ لب پر نالہ و آہ ہے۔''

کنیز نے یہ تقریر سن کر کہا: ''میاں، تم نے اتنا بڑا سبق پڑھا کہ مجھے ایک بول بھی یاد نہ رہا۔ خیر میں جاتی ہوں، اور ملکہ سے جو کچھ یاد رہے گا کہہ سناتی ہوں۔''

یہ کہہ کر ہنستی چلی گئی۔ اور ملکہ سے جا کر عرض رسا ہوئی کہ ''واری، انہوں نے تو درد دکھ اپنا کہا، اور ایسا باتوں کا تانتا لگایا کہ مجھ نگوڑی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اب خود بلا کر پوچھیے۔''

ملکہ نے کہا: ''اچھا، بلا لا۔''

کنیز پھر آئی اور کہا، ''چلیے آپ کو بلاتی ہیں۔''

شہزادہ اس کے ساتھ سامنے ملکہ کے گیا۔ ملکہ نے شہزادے سے کہا: ''تشریف رکھیے اور قدم رنجہ فرمانے کا سبب بتلایئے۔''

شہزادہ اجازت پا کر پہلو میں ملکہ کے جا بیٹھا، اس نے شرما کر سر نیچا کر لیا، گویا گیا ہوا دل پہلو میں پھر آ گیا۔ آہستہ سے فرمایا کہ ''آپ کی چالاکی کے صدقے! اچھا، فرمایئے کہ آپ کیا مطلب رکھتے ہیں؟'

شہزادے نے فرمایا کہ ''اے ملکہ، حال مبتلائے فراق بہت تباہ ہے، اس کا خدا گواہ ہے۔''

ملکہ نے کہا: ''تو آپ کے سائے سے خدا بچائے۔ ذرا ہٹ کے بیٹھیے، ایسا نہ ہو کہ مجھ پر کہیں پرچھاواں پڑ جائے۔''

شہزادے نے کہا: ''مجھ سے میرا سایہ خود بھاگتا ہے، وہ ننگ راحت ہوں کہ آرام میرے نام سے کانپتا ہے۔''

ملکہ نے جواب دیا کہ ''تمہاری ملاقات کیا گویا جی کا جنجال ہوئی، میں آپ کو بلا کے خوب نہال ہوئی۔''

شہزادہ بولا کہ ''بس اب نہ ٹالو، ہماری طرح ہمیں پیار کرو، عاشق کے کہنے کا اعتبار کرو۔''

ملکہ جواب دہ ہوئی کہ ''چہ خوش، ابھی تو آپ اور دکھڑا کہتے تھے۔ اب نام خدا سے میرے گلے کا ہار ہوئے۔ خوب پاؤں پھیلائے! اے صاحب، تم جس پر مرتے ہو وہی تم کو مبارک رہے (یعنی بلور جادو)۔ ایک کو تو قید الم سے چھڑا لو، جب دوسری پر آنکھ ڈالو۔ یہی شرط الفت ہے کہ ایک تو اسیر دشمن رہے، اور عاشق اس کا دوسرے سے مزے اڑائے؟ واہ وا، آپ کا بھی عشق دیکھا!''

شہزادے نے کہا: ''اے بحر الفت واے دیارِ محبت، واسطہ خدا کا، تسکین دل بیتاب کر، میری جانب ایسا خطاب نہ کر، دل کا حساب لے، ابھی للہ اپنے سوال کا جواب لے۔ جس کی الفت میں صحرانورد ہوں، نہ اس کو چھوڑوں گا نہ تیرے عشق سے منہ موڑوں گا۔ میں اسی لئے پیدا ہوا ہوں کہ سختیاں ہمیشہ سہوں گا۔''

ملکہ نے یہ سن کر ایک قہقہہ مارا، اور کہا: ''یہ شرکت اچھی نہیں کہ بموجب:

میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں
یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں''

شہزادے نے جب نام دل لگانے کا سنا، ملکہ سے لپٹ گیا اور پکارا کہ ''اے حور شمائل، اے راحت دل، تیری رکھائی سے عیش درہم برہم ہو گیا۔ دیکھ تو میرے دل کا کیا عالم ہو گیا۔ جانی، میں دل نازک تیرے مزاج سے زیادہ رکھتا ہوں، بے پروائی سے مر جاؤں گا، جی سے گزر جاؤں گا۔ دیکھ تو میرا دل کیا مزے دکھلاتا ہے، یہ نیا خریدار کیا رنگ لاتا ہے۔''

ملکہ نے کہا: ''صاحب، نچلے بیٹھو۔ یہ ڈھے پڑنا اچھا نہیں۔ لو خیر میں کہے دیتی ہوں کہ ہاں، میں بھی تم سے محبت رکھتی ہوں۔ بس اب زیادہ عشق نہ جتاؤ، بک بک کر میرا مغز نہ پھراؤ۔ تمہارے رونے پر کلیجہ کانپتا ہے، جی ہانپتا ہے۔''

شہزادے نے کہا: ''بارے آپ کو رحم تو آیا، میرے جذبہ دل نے اثر دکھلایا۔''

ملکہ یہ سن کر چپ ہو رہی، شہزادے نے بھی کچھ چھیڑ چھاڑ نہ کی، ملکہ نے کشتی شراب کی کھینچ کر جام شراب بھرا، اور شہزادے کو دیا...... جام ملکہ کے ہاتھ سے لے کر پیا، دور جام احمر شروع ہوا......

۰۰۰ دیوار یاقوت نگار سحر کی مٹادی۔ اب کوسوں تک وہی دشت پر فضا..... نظر آنے لگا اور سبزے پر فرش چاندنی کا روپ دیتا تھا، زمرد پر بلور کو جیسے بچھایا تھا۔ نہروں اور چشموں کی تراوٹ، گرمی کی فصل۔ ہوا... کی خنکی، صحرا کا سناٹا، محبوب گل عذار کے ساتھ شغل مے خواری، سبحان اللہ، اس کو کوئی شوریدگان دشت محبت کے دل سے پوچھے۔ وہ چاند پر تکۂ ابر کا آجانا، دشت میں نور کے تڑکے کا عالم چھانا، پھر چاندنی سے دشت و در کا چمکنا، عجب کیفیت دکھاتا کہ:

صحن میں واہ واہ زور کھلی تھی چاندنی
چاند ہلوریں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یار گل بدن پہن کے بادلہ زری
چمکی تھی تار تار میں مہ کی جھلک زری زری
بوس و کنار و جام مے عیش و طرب ہنسی خوشی
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی
صبح دمید و شب گزشت ماہ شبیں بخانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بدیں بہانہ رفت
کیا ہی مزے سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
چھوٹی تھیں مہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چنی تھیں صف بصف مے کی بھری گلابیاں
ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں آنکھوں میں بے حجابیاں
اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں
صبح دمید و شب گزشت ماہ شبیں بخانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بدیں بہانہ رفت

رات بھر شغل بادہ کشی رہا۔ شہزادہ اس ماہتاب تاباں کو بغل میں لئے لذت بوس کنار حاصل کرتا رہا۔ ران سے ران ہم سری کرتی رہی، بوسوں نے مستی ہونٹوں کی چھڑائی......

ملکہ صبح ہوتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لائی، اور مثل نسیم سحر آہ سرد بھرنے لگی۔ شہزادے نے بھی اپنی حالت تباہ کی۔ ملکہ نے فرمایا کہ "اے نوجوان، میرا راز کسی سے نہ

کہنا۔ میں دختر کوکب روشن ضمیر بادشاہ طلسم نور افشاں ہوں۔ تجھ کو لوح طلسم آئینہ دینے آئی تھی، یہاں دام محبت زلف گرہ گیر میں اسیر ہوئی۔ خیر یہ محبت اپنی جتانا یاد رکھنا۔ یہ لوح حاضر ہے۔ اور طلسم فتح کر کے اپنے لشکر میں پھر جاؤ۔ نظر بہ فضل کریم کارساز رکھنا، وہ خدائے لایزال جب کبھی ہم کو ملائے گا تو پھر دیدار میسر آئے گا۔ ایک طور تم سے ملنے کا نکلا ہے کہ باپ میرا شریک عمرو ہوا ہے۔ جو فلک کو برا نہ معلوم ہو، اور عمرو سے اور میرے باپ سے دوستی رہے، پھر البتہ تم سے ملاقات ہوگی۔ ورنہ ہم کہاں اور تم کہاں؟ دیکھئے اس عشق کا کیا نتیجہ ہوتا ہے، جان جاتی ہے یا محبوب ملتا ہے!''

غم مفارقت سے بیتاب ہو کر رونے لگی۔ شہزادے نے اس ماہ پارہ کو گلے سے لگایا، فرمایا کہ ''......اے مہجوروں کی تسکین دینے والی، اے مشتاقوں کی خبر لینے والی، ہماری دل افگاری مبارک ہو، ہمیں بے قراری مبارک ہو، ہمیں اس جنگل میں جب تڑپیں گے، کون اٹھائے گا، تجھے یاد کر کے جب روئیں گے، کون سمجھائے گا؟ اب ہم کو گلستان جدائی کی بہار دیکھنا ہے، فصل خزاں میں لطف لالہ زار دیکھنا ہے۔ سینہ داغ اندوہ سے نیا رنگ دکھائے گا، ہر تختۂ لالہ باغ کو شرمائے گا...... کیوں اپنا رخسار رشک گلشن دکھایا، اے عندلیب، حدیقہ ناز، کیوں برنگ بلبل مجھ کو تڑپایا...... سچ ہے، آپ کا کچھ قصور نہیں، تقدیر میں یہی تھا......''

ملکہ نے یہ حکایت عشق زبان شہزادہ دل دادہ سے سن کر کہا کہ ''اے معشوق کے منانے والے، ہر بات پر صدقے جانے والے، رنگین مزاج، عاشقوں کے سرتاج، تیری باتیں جب ہم کو یاد آئیں گی تو آٹھ آٹھ آنسو شب ہجر میں رلائیں گی۔ تم تو گلشن ہجر کی بہار دیکھ کر دیوانہ پن بھی کرو گے، بلبل نمط نالہ وشیون کر کے بصد یاس دل پر ارمان کی بھڑاس بھی نکالو گے، ہم مثل طائر اسیر قفس فراق گلزار عشرت سے دور، ریاض وصل کے مشتاق دل ہی دل میں گھٹیں گے، حسرت سے ایک ایک کا منہ دیکھیں گے۔ جب تیری صورت کا خیال آئے گا، خواب میں بھی دیکھنا محال ہو جائے گا۔ غنچہ سربستہ کی طرح خاموش رہیں گے، دل پرخوں میں ارمانوں کے جوش رہیں گے۔ دل کہیں اور ہم کہیں۔ یہ سامان بے خبری نظر آتے ہیں، کیا کہیں، بہت پچھتاتے ہیں......اے دلبر، یہ قصہ فرقت مختصر نہ ہوگا۔ اچھا، خدا حافظ و ناصر......''

ملکہ روتی ہوئی تخت پر بیٹھ کر...... روانہ ہوئی۔

(جلد دوم)

عروس البلاد

مثل بازار مصر ہر بازار　　یوسف وقت ساکنانِ دیار
شہر دیکھا کہ آدمی تو کیا　　گر پری دیکھ لے تو ہو سکتا
شادمانی سے اہل شہر تمام　　محو عشرت تھے صبح سے تا شام
حسن میں ایک ایک ماہ جبیں　　غیرت لعبتان لندن و چین
ہر طرف شعلہ رو سمن اندام　　شکل طاؤس و کبک گرم خرام
واں تو بے کار آسماں کا ہے دور　　گردش چشم مہوشاں کا ہے دور
جو کہ محمل نشیں ہے، لیلی ہے　　ایک معمورہ تجلی ہے
روکش خلد ہے ہر ایک دکاں　　ہیں دکاں دار غیرت غلماں
مشتری کا ہجوم ہے ہر سو　　خود فروشی کی دھوم ہے ہر سو
جنس ہوش و خرد گراں واں ہے　　ایک سودا جنوں کا ارزاں ہے
سرد مہری کے دل جلے ہیں فگار　　ٹھنڈی سانسوں کا گرم ہے بازار
ہر جگر سوختہ جدھر جائے　　سکہ داغ دل بھنا لائے
ہے جو ایک ایک طبلۂ عطار　　ان میں ہے داروئے دل بیمار
پھول والے گلے کے بیچیں عطار　　کوچہ کوچہ ہے کوچہ گل زار
ہے ہر ایک گل فروش البیلا　　پھول والوں کا زور ہے میلا
کیا کھری صورتوں کے ہیں صراف　　دلبری کے چلن میں ہیں حراف
کس غضب کی نگاہ رکھتے ہیں　　خوب کھوٹا کھرا پرکھتے ہیں!
ہیں طرح دار کتنے میوہ فروش　　پستۂ لب پہ ان کے ہے یہ خروش
جان دیں لے کے شاہدان چمن　　بیچ ڈالے ہیں سیب سیب ذقن
''رشک لیلیٰ ہے ایک ایک کنجڑن　　جنس کے بدلے بکتا ہے جوبن''
دل فریب ان کا ہے غضب جوبن　　ناشپاتی ہے ان کا سیب ذقن
بانکی بانکی ادا، غضب باتیں　　وہ اکڑ، وہ تنی تنی گاتیں
جب کہیں بیچنے نکلتی ہیں　　دل کو تلووں سے ملتی چلتی ہیں

ہر گھڑی کہتی ہیں وہ غمزے سے   گھاٹے میں ہیں انار پستان کے
سب کو بن جو کھے چیز دیتے ہیں   ہم تو نظروں میں تول لیتے ہیں
بھنگ نوشوں کی اک طرف ہے بہار   ساقنوں کی دکانیں ہیں گل زار
شام سے صبح، صبح سے تا شام   نشے بازوں کا جمگھٹا ہے مدام
دائرہ اور چکارہ بجتا ہے   بے سری ایک ایک ایچتا ہے
کہتے ہیں ساقنوں سے ساغر نوش   ہم کو بھی کر دے جان من بے ہوش
دید وا دید بھی ادھر ہو جائے   ہم تلک بھی یہ دور ہو جائے
گہ بگڑتی ہے گاہ بنتی ہے   بھنگ نوشوں میں گاڑی چھنتی ہے
ساقنیں حقے جب پلاتی ہیں   عاشقوں کے دھوئیں اڑتی ہیں
نشہ باز ایک دم لگاتا ہے   ایک مخمور غل مچاتا ہے
بی بی ساقن کے دم کی خیر رہے   ہم ہی محروم دم بغیر رہے
ایک جانب کھلا ہے بزازہ   ان دکانوں میں ریزے ہیں کیا کیا
کسی بزاز سے کہیں یہ حال   دو گھڑی تک جھگڑتے ہیں دلال
سیٹھ جی اتنے آڑے ترچھے نہ ہو   واجبی نین سکھ کا مول کرو
جبھی دیتا دلائے گر بھگوان   نفع بھر کھانے میں ہے کیا نقصان
کہیں گاہک سے کہہ رہا ہے کوئی   مشتری آپ سے سوا ہے کوئی
پیر و مرشد کی جیسی مرضی ہو   ہاتھ کی آپ کے ہی بُہنی ہو
کتنے شیریں ادا ہیں حلوائی   مثل شیریں ہے ان میں رعنائی
چاشنی گیر عشق خود بھی ہیں   باتیں قند مکرر ان کی ہیں
شیرۂ جاں کی وہ مٹھائی ہے   جس نے کھائی ہے جان پائی ہے
وہ شکر پارے ایسے ہیں شیریں   چاٹ لے ہونٹ کھائے گر شیریں
ہر دکاں رشک نان نعمت ہے   جان سرمایۂ حلاوت ہے
دل عاشق ہے ایک ایک جرس   ہے وہ زنجیر رشک تار نفس
غل مچاتے ہیں خوانچے والے   دیکھ پچھتاوے گا نہیں، کھا لے
ذکی حلاوت بہت کرارا ہے   من چلوں کے لئے بنایا ہے

ہونٹوں سے ٹوٹے، خستہ ایسا ہے — شور بوسہ صدا سے پیدا ہے
نوجواں نوجواں پری سے تھے — ابرو ریز دلبری سے تھے
وہ مصفا سڑک، وہ ان کا جماؤ — آب گوہر کا چار سو چھڑکاؤ
رات دن جمگھٹا ہے، میلا ہے — مہر و مہ کا کٹورا بجتا ہے

(جلد دوم)

گل وبلبل میں جو باتیں ہیں، ذرا گرما گرم

جب وہ...... معشوقۂ طرح دار و گل عذار یعنی ملکہ بہار زبانی چالاک عیار پیام طلب انجمن یار سن کر عازم روانگی ہوئی، دل سے کہتی تھی کہ الٰہی یہ خواب ہے یا بیداری، اپنے حال پر ہنس رہی تھی، آرزوئیں مبارک باد دیتی تھیں، حسرتیں کہتی تھیں کہ چپ رہو، ایسا نہ ہو فلک کو برا معلوم ہو۔ تمنا کہتی تھی کہ آج خوب ارمان نکالو، کسی کے گلے کا ہار بنو، نہیں نہیں کرتی جاؤ۔ اور گستاخیاں دِکھاؤ، چولیاں خوب مسکیں، دست و پا پھینکیں، ہاتھا پائیاں ہوں، جی کھول کر رسوائیاں ہوں، عصمت کہتی تھی کہ یہ کیا ارادہ ہے؟ شرم پوچھتی تھی کہ ہم کو کیا رخصت کیا ہے؟ یہ ہوس ناک کسی کو کچھ جواب نہ دیتی......

جب لشکر اسلام کی طرف آئی، راستے ہی میں جنگل کی عجیب صورت پائی۔ دیکھا کہ کوسوں تک آگ لگی نظر آتی ہے، جب آگے بڑھی تو ظاہر ہوا کہ ہزارہا قندیل ٹنگی ہے، گیند بلور کے اور قمقمے نور کے آویزاں ہیں...... فرش مخمل سبزہ کا بچھا ہے۔ ہر نیا باغ بنا ہے، درختوں کو سرتراشی کر کے بادلے سے منڈھا ہے، موتیوں کے جال سے ہر نخل چھپا ہے اور نیا تکلف یہ کیا ہے، کہ ہر شاخ پر فوارہ لگایا ہے، تن درخت پر چاندی سونے کا خول ایسے چڑھایا ہے کہ اس میں فوارے کا خزانہ بنا ہے۔ ہر شجر پر ہزارہا ہزارے کا فوارہ چھوٹتا ہے، پانی برستا نظر آتا ہے، درخت سب شرابور ہیں، ہوا کے جھکورے سے دلہن کی طرح جھکے جاتے ہیں، شرم کھا کر عرق عرق ہیں، نیا جوبن دکھاتے ہیں، پتوں پر قطرے پانی کے اس طرح چمکتے ہیں کہ شگوفے نہیں، موتیوں کے گچھے لگے ہیں...... فوارے جو درخت پر چھوٹتے ہیں، واقعی ساون بھادوں کو شرماتے ہیں، پانی کی پھوہار دور تک جاتی ہے، طبیعت مست ہوتی ہے، پھُرپھُری آتی ہے......

ملکہ بہار اس لالہ زار کو دیکھ کر تقاضائے عشق سے آہ سرد بھرتی ہے، اپنے گلعذار کی سرد مہری یاد کرتی کہ دیکھئے وہ مغرور حسن و جمال جو تجھ سے کہیں سوا ہے، نگاہ شوق کیوں کر تجھ پر کرتا ہے، معاملہ دل کا دیکھیں، کیسا گزرتا ہے......

(بارگاہ میں پہنچ کر دیکھتی ہے کہ) بیچ تخت پر مسند بچھی ہے، اس پر ایک جوان جس پر پیر فلک اور زال دنیا ہزار جان سے قربان، بیٹھا ہے...... ملکہ اس دلدار پر از بسکہ شیفتہ نادیدہ تھی، اس وقت سامنا ہوتے ہی بے خودی چھائی...... ادھر بادشاہ اسلامیان نے بھی دیکھا...... دیکھتے ہی نگاہ محبت زا نے اثر کیا۔ بادشاہ کو بھی غش طاری ہوا۔ خواصوں نے جلد جلد گلاب کیوڑہ وغیرہ چھڑکا، دونوں کو جب ہوش آیا، ملکہ آگے بڑھی، تخت سے شاہ نے بہر پیشوائی اس شاہ حسن کے پیش قدمی فرمائی، قریب آکر ہاتھ تھام لیا۔ ملکہ نے نزاکت سے یوں کہا کہ "کیا مرض مجھ کو ہے، اتنی دور آنے سے جی سنسنا گیا، غش آ گیا؟"

بادشاہ نے مسکرا کر کہا کہ "تمہارا شرمندہ ہونا میری آنکھوں پر۔ صاحب، میں تو آپ سے شرمندہ ہو کر غش کر گیا۔"

ملکہ نے کہا: "مجھے آپ کیوں دیکھ کر غش ہونے لگے؟ یہ ڈورے اور کسی پر ڈالئے۔"

شاہ نے کہا: "ہمیں تو کوئی مرض نہیں۔ اب تمہاری زلف کا سودا ہوا ہے۔"

ملکہ نے کہا: "اس مرض کی کیا دوا ہے؟"

شاہ نے فرمایا کہ "شربت وصل سے یہ عارضہ جائے گا۔"

ملکہ نے یہ سن کر سر جھکایا، شاہ نے ہاتھ پکڑے تخت پر برابر بٹھایا۔ کنیزان گل رخسار نے چار طرف سے اس بارگاہ کے پردے اٹھوا دئے۔ برسات کی چاندنی کھلی تھی، چشمے موجزن تھے، چاند پانی میں ہلور لیتا تھا، پہاڑوں سے آبشار ہوتا تھا...... بادشاہ نے جام گلگون مئے ناب بھر کر منہ سے ملکہ کے لگا دیا۔ ملکہ نے پی کر ساغر بھرا، اور شاہ کے منہ سے لگایا۔ پھر تو دماغ دور شراب سے گرم ہوا۔ مستی شر[illegible] آنکھوں میں گھر گیا، امیدیں کھل کھیلنے پر آمادہ ہوئیں۔ مگر آنکھیں شرم سے جھکنے لگیں۔ تمنائیں ہر چند کہ ہنستی تھیں مگر حیا مانع تھی۔ کچھ عرصے میں جب بادشاہ نے آغوش محبت میں کھینچا حیا نے کنارا کیا۔ نظر سے کیف مستی ہویدا، آنکھیں سرخ ہو کر طبیعت کا ڈھنگ بدلا۔ لعاب شوق نے لب تر کر دیئے۔ مسکرا مسکرا کر خفا ہونے لگی کہ "صاحب، نچلے بیٹھو، اللہ قسم، مجھ کو یہ دھمال پھوٹے دیدوں بھی نہیں بھاتی۔ مردوں کی

باتوں سے نفرت ہے کہ جب پاس بیٹھتے ہیں، سوائے نوچا کھوچی کے ان کا ہاتھ رہتا ہی نہیں، قربان کروں، جان ہلکان ہو جاتی ہے۔ ایسی دھما چوکڑی بھلا کس کو پسند آتی ہے۔

یہ کہہ کر اس انداز سے تیوری چڑھائی کہ لشکر غمزہ نے ہوس عاشق کو شکست دی۔ بادشاہ منت کرنے لگے۔ ملکہ نے ہنس دیا۔ شاہ نے پھر دست ہوس دراز کیا۔ اس بانیٔ ستم نے نہیں نہیں کر کے ہاتھ چھڑایا کہ صاحب ''کیا غرض جو ہم اپنے دل پر جبر کریں، اپنے اور بیگانے کے طعنے سنیں؟ جان کیوں آرزو میں آخر کو دیں شوق دید میں جستجو کریں، فراق میں جل جل مریں؟''

بادشاہ نے کہا کہ ''اے مایۂ ناز، ہر چند کہ میں شاہ ہوں، لیکن تیرا غلام بے اشتباہ ہوں۔'' یہ کہہ کر آنسو آنکھوں میں بھر لائے۔ ملکہ نے اپنے دامن سے آنسو پونچھے۔ ہنس کر کہا: ''صاحب، کیا تیری شکل میں رونا لگا ہے! میں رونے آدمی سے گھبراتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اسی طرح آنسو پاک کیے کہ وہ گدرایا جسم سینے سے مل گیا۔ بادشاہ کو تاب نہ رہی، فوراً گلے سے لگایا۔ ملکہ تڑپ کر آغوش سے جدا ہوئی کہ ''اوئی، دم گھٹ گیا!''

اب تو شرم نے آنکھ سے عار کی، آرزوئے ہم کناریٔ دلدار زیادہ ہوئی۔ اٹھکیلیوں کا زمانہ آیا، بیتابیوں کی افزائش ہوئی، مگر پاس شریعت مانع از کار تھا، بغیر نکاح دونوں جانب خیال عصمت و پارسائی کا اظہار تھا۔ ہر چند کہ فعل باطنی یعنی مباشرت سے تو باز رہے، مگر یہ کیفیت تھی کہ حوصلوں کا گرم بازار، آپس میں ہم آغوش، دہن میں مزے بوسوں کے پوشیدہ...... نہیں اور ہاں کی لذتیں، سسکیاں بھرنا، ملکہ کا گردن میں ہاتھ ڈال دینا، جھجکنا، پیچھے ہٹ جانا، شرمانا، لجانا، مسکرانا، پسینے پسینے ہو جانا، چھوٹے کپڑے درست کرتے جانا، کبھی انگوٹھا دکھانا، کبھی زبان کی نوک سے رخسار سہلانا، پہلے آپ بوسے کے لئے منہ بڑھانا، پھر شرما کر فراوائی دکھانا، کبھی منت سے سر قدم پر رکھنا اور کبھی خفا ہو کر پاؤں پر دوسروں کو گروانا۔ کبھی فدائے روئے یار ہو جانا، کبھی نشۂ وصلت سے بے ہوش ہونا، کبھی شمیم زلف جاناں سے مدہوش ہونا، کبھی بغلوں میں منہ ڈالنا، کبھی کبھی شرم کا حیلہ کرنا، گھبرا کر کہنا، کوئی آتا ہے، اور پلٹ جانا کہ دم گھبراتا ہے، کبھی دامن جھٹکنا، تن کر کھڑے ہونا، گات کا جوبن دکھانا، کبھی حیران ہو کر چار طرف دیکھنا، آنکھوں کی گردش سے عالم دگرگوں کرنا، کبھی الگ ہٹ کر ماتھا کوٹ لینا، آئینہ رخسار کی حیرت ناکی سے بہار دکھانا۔ اس

ہنگامے میں چولیاں مسک گئیں، نار پستان ملے جو گئے تو سرخ سرخ نظر آنے لگے، سیب ذقن گدرا کر زیادہ لطف دکھانے لگے، زلف کا مزاج برہم ہوا، منہ پر چھٹ آئی۔ گیسو نے لہرا کر باغ رخسار پر گھٹا چھانے کی کیفیت دکھائی۔ کاکل باوجودیکہ بال بال گنہ گار تھی، لیکن اترانے پر تیار تھی، بادشاہ اس غیرت ماہ سے جب لپٹتے تو آہ سرد بھرتی کہ ''آپ کی وفا کا کیا اعتبار ہے؟ یہ منہ دیکھے کا سب پیار ہے!''

انہیں فقروں سے سدا قسمیں کھلوا لیتی، اپنے اوپر دیوانہ بنا لیتی۔ یہی ہنگامۂ ناز و نیاز تا دیر گرم رہا، ہر ایک بار زو بے شرم رہا۔

کبھی زانو کو باہم پیستی تھی
کبھی کہتی کہ ''صورت دیکھ میری''
کبھی کہنی سے دینا ایک ٹھوکا
لپٹنے میں کبھی دے دینا دھوکا
کبھی کہنا کہ ''ٹھنڈے آدمی ہو
اٹھے ایسوں سے راحت کب کسی کو''

جب خاطر مشتاق متقاضی ہم بستری ہوئی، بادشاہ ٹال کر اٹھے، اور ملکہ بھی ضبط کر کے الگ ہوگئی۔ کہا: ''آؤ، چل کر چاندنی رات کا لطف اٹھائیں، بہار باغ سے جی بہلائیں۔''

بادشاہ اس رشک ماہ کو ہاتھ پکڑ کر لے چلے...... جا بجا جھولے درختوں میں پڑے تھے، گل عذاروں کے برے جمع تھے، ملار گاتی تھیں، چاندنی میں دوڑتی تھیں، چھلی چلیا کھیل کر بہار جوبن کی دکھاتی تھیں۔ درختوں پر بادلے کی چمک، مقیش کا اڑانا، نور ریز زمین و فلک، نہروں میں بجرے اور مور پنکھیاں پڑی، جل ترنگ بجتا، مانجھنیں چہلیں کرتیں، لب ہر نہر جواہر کار بنگلے بنے، فرش و شیشہ آلات سے سجے، مینا کار برج بنے آگے ان کے نم گیرے سلک گوہر تنے......

تناول واں کیا دونوں نے کھانا ہوا آغاز پھر گانا بجانا،
پھرے پھر واں سے آئے خواب گہ میں لپٹ کر دونوں لیٹے اک جگہ میں

لیکن سونا کیسا! وہی نز و غمزے کا دور۔ عالم ہی کچھ اور ہوا...... انہیں باتوں میں، مزے مزے کی حکایتوں میں شمع انجمن فلک بے نور ہوئی۔ یہاں گردن میں باہیں پڑی

تھیں ۔ ٹانگوں سے ٹانگیں گتھی تھیں کہ زلف شب سمٹی، مزاج صحرا سے گستاخی ظاہر ہوئی......

(امیر بہار سے ملنے آتے ہیں، اور دعا دے کر چلے جاتے ہیں)

وہاں جب تنہائی ہوئی، وہی ہنگامۂ عشرت ہوا۔ آپس کی چھیڑ چھاڑ، اختلاط و پیار ہونے لگا۔ لطف ہم آغوشی، باہم بوسہ بازی، حسرت کی نگاہیں، محبت کی راہیں کھلیں۔ گانا ناچ شروع ہوا، شراب کا دور چلنے لگا۔ باہم عہد و پیان ہونے لگے۔ وعدۂ دیدار و وصال پر قرار کے چھلے بدلے، نشانیاں ایک نے دوسرے کی لیں، قسمیں عاشق و معشوق نے کھائیں کہ جانی، ہم کسی حال میں ہوں گے، مگر تمہیں نہ کسی طرح دل سے اپنے بھولیں گے۔ دن ہجر کی مصیبت کے بھریں گے، خدا چاہے گا تو مل رہیں گے......

انہیں شکوہ و شکایت، ذکر ہجر و وصل میں آغوش فلک سے معشوق خورشید نکل کر طلسم مغرب روانہ ہوا...... اس آفتاب آسمان دلبری نے رو کر کہا کہ ''لو جانی، اللہ نگہبان! دل سے نہ بھلانا، زیادہ نہ تڑپانا۔''

بادشاہ بھی ان باتوں پر اشک فشاں تھے۔ عجیب وقت تھا کہ آہوں کا دھواں بلند ہو کر گویا سحاب بنا تھا، اشکوں کی جھڑی لگی تھی، چہرے تمتما کر سرخ ہوئے تھے یا گلزار حسن میں شفق پھولی تھی، ادھر صحرا میں طائر بسیرا لیتے تھے، ندیوں سے آبشار تھا، پہاڑوں سے جھرنا جھڑتا، سارا دشت اس بہار کے جانے سے روکتا تھا، کوئل اور پپیہے اور مور نعرے اور کوک مارتے تھے۔ دونوں وقت ملتے تھے۔ یہ شیدائے یک دگر جدا ہوتے تھے۔ ہر سمت سناٹا چھایا تھا، فلک نے جدائی کا نقشہ دکھایا تھا۔

(جلد دوم)

ڈیرے

......دیکھا کہ ایک بارگاہ عالی استادہ ہے...... چند کنیزاں خوش رو و مہ جمال مصروف انتظام ہیں، روشنی کی تیاری کر رہی ہیں۔ گلاس، ہانڈی، جھاڑ، آتشیں پہاڑ بارگاہ میں لگاتی ہیں۔ مسندیں پر تکلف بچھی ہیں، پردہ ہائے بارگاہ اٹھے ہیں۔ بارگاہ سے ہٹ کر میدان میں چند ڈیرے طوائفوں کے اترے ہیں، کس لئے کہ حسب الحکم ''ساحرہ'' کنیزوں

نے قریہ جات سے رقاصوں کو بلایا ہے...... گاڑیاں کھڑی ہیں، جوئے کے نیچے بچھونا بچھا ہے، رنڈیاں سادی پوشاک پہنے بیٹھی ہیں۔ سازندے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کوئی تھیلی سے کنگھی، آئینہ، سرمہ دانی نکال کر بال سنوارتا ہے، کوئی پاندان سے پان لگاتا ہے، کوئی سارنگی کی طربیں پھیر پھیر کر سُر درست کرتا ہے، کوئی طبلے کے بڑے ٹھونک کر چست کرتا ہے۔ بیل گاڑی کے پیچھے بندھے ہیں، ٹاٹ کے جھولے میں بھوسا رکھا ہے۔ بعض گاڑی کے برابر ٹانگہ بیٹھی ہیں، نوچی کو سپردائی گوا رہے ہیں۔ رنڈی لوٹا لے کر پیشاب کو گئی تھی، ادھر سے جو پھری ہے، ٹوٹنی سے پانی گراتی ہے، کھیلتی آتی ہے۔ دوپٹہ ڈھلکا ہے، جوبن کی بہار دکھاتی ہے۔

(جلد دوم)

حکم حاکم

چاندنی کھلی ہے، چبوترے پر فرش سنہرا بچھا ہے، پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے، ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ بیچ چبوترے پر رنڈی حسین وطرحدار بیٹھی مشغول کرشمہ سنجی ہے۔ منصور پاس بیٹھا ہے، جب لپٹنے کا قصد کرتا ہے، وہ ڈھیلے ہاتھ سے طمانچہ مارتی ہے، پھبتیاں کہتی ہے کہ ''موئے، آتش بازی کے دیو، تیرے منہ کو جھلسا۔ نچلا نہیں بیٹھتا؟'' منصور اس کی باتوں سے مزے میں آکر کبھی چٹکی لیتا ہے، رخسار و پستان پر ہاتھ پھیرتا ہے، شراب کا جام قسمیں دے کر پلاتا ہے، نشہ رنگ جماتا ہے، رنڈی سسکیاں بھرتی ہے۔ ''اوئی!'' ''آہ!'' کی صدا بلند ہے، مستی خانہ دل میں قدم دھرتی ہے۔

وہ بستر سے اٹھا ہاتھوں پہ لینا — وہ لذت میں زباں کا منہ میں دینا
وہ سینے کی رگڑ سے سلسلاہٹ — وہ پہلو کے برابر گدگداہٹ
لپٹ جانا وہ ہم آغوش ہو کر — وہ آنا ہوش میں بے ہوش ہو کر
وہ بڑھ کر سونگھنا ہر عضو تن کا — وہ گھٹنوں میں چرانا کچھ بدن کا
وہ ہونٹوں کو زباں سے سلسلانا — وہ ہاتھوں کو سر پستاں پہ لانا

(جلد دوم)

بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلاد بھی

عمرو صورت ساحر کے مثل بن کر لشکر حیرت میں داخل ہوا، اور اس نے داروغۂ زندان کو قید میں لے جاتے ایک خیمے میں دیکھا۔ سمجھا کہ یہی زندان خانہ ہے، اور وہاں پہرا چوکی بھی زیادہ تھا۔ مرزبان درِ زندان پر کرسی بچھائے بیٹھا تھا۔ اس کو دیکھ کر عمرو نے ایک گوشے میں ٹھہر کر صورت اپنی مثل ایک زن خوبصورت کے بنائی۔ گیسوئے مشک فام کو بل دے کر رخساروں پر چھوڑا، اور مانگ کو موتیوں سے بھرا، جوڑا ترچھا باندھا، چشم غزالی سرمہ آگیں کر کے رخسار تابناک کو گلگونہ کش فرمایا، سر سے پا تک زیور مرصع کار پہنا، اس وقت اس کے حسن دل آویز پر لعبتان دہر ہزار جان سے نثار تھے، بلکہ مہر و ماہ تصدق ہر بار تھے۔ موئے مژہ دیوانگاں حسن کو تنکے چنواتے اور ابروئے اس کے حسام بن کر دل عشاق کو نشانہ بناتے۔ دست و پا میں مہندی رچی دل عاشق کو خون کرتی، دل کی لگی ہوئی آگ کو اور زیادہ بھڑکاتی......

اس خوبی سے درست ہو کر دلائی کا جھرمٹ مار کر، جھاؤلیاں دیتا، کمر اور کولے کا عالم دکھاتا سامنے سے مرزبان کے ہو کر نکلا، اور دلائی ہٹا کر آنکھ سے آنکھ لڑائی، اور رخ روشن کی جھلک دکھائی۔ پھر آگے کو چلی۔ مرزبان شیفتہ و فریفتہ ہو کر بے قرار شعر عاشقانہ پڑھتا اٹھ کر پیچھے چلا، اور جب تنہائی میں پہنچا، بے اختیار یہ زبان پر لایا کہ:

''کون سے دل میں نہیں وصل کی تیرے حسرت
کون سا آئینہ ہے جس میں تری تصویر نہیں''

وہ نازک اندام یہ شعر سن کر پھری اور منہ سے دوپٹہ ہٹا کر مسکرائی۔ مرزبان نے دوڑ کر ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا:

''دور سے بھی کبھی ملنے کے اشارے نہ ہوئے
ہم کہیں کے نہ ہوئے تم جو ہمارے نہ ہوئے''

اس نازنین نے ہاتھ جھٹک کر چھڑایا اور کہا: ''جاؤ، جاؤ، میں ایسے بے مروت مردوں سے بات نہیں کرتی۔''

مرزبان قدم پر گر پڑا کہ ''اے جان جہاں، میں تابع دار ہوں۔ تمام عمر گردن اطاعت سے نہ اٹھاؤں گا۔''

اس محبوبہ نے پاؤں پر سے سر ہٹا دیا۔ اور اپنا ماتھا کوٹ لیا کہ ''ہے ہے! میں نگوڑ ماری اس طرف آ کر کس غضب میں پڑ گئی۔ ارے لوگو، یہ مردوا کیسا چم چچڑ ہے، کیوں میرے پیچھے پڑ گیا؟ اچھا کہو کیا کہتے ہو۔''

مرزبان نے پھر تو گلے سے لگا لیا، اور پیار کرنا چاہا کہ اس گل پیراہن نے کہا کہ ''ہٹو، دیکھو کوئی آ جائے گا۔'' یہ کہہ کر چھوٹے کپڑے اپنے سنبھالے اور خاص دان نکال کر ایک گلوری کھائی، اور چاہا کہ خاص دان بند کرے۔ مرزبان نے کلائی پکڑ کر کہا، ''واہ واہ، ہمیں نہیں!'' اس نے انگوٹھا دکھایا، لیکن اس نے نہ مانا ایک گلوری لے کر کھا گیا، اور کھاتے ہی بیہوش ہو گیا۔

(اتنے میں افراسیاب کو جادو کے ذریعے سارا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ آ کے عمرو کو پکڑ کر لے جاتا ہے اور مرزبان کو رہائی دلاتا ہے۔ پھر وہ مرزبان کی مدد کے لئے ایک زبردست جادوگرنی ناگن کو بھیجتا ہے۔ ناگن کے آنے سے مسلمانوں میں ہراس پھیل جاتا ہے۔ عیار بھی حیران و پریشان ہیں)

اسی طرح افسوس کر رہے تھے کہ قران نے برق سے کچھ کان میں کہا۔ برق ایک طرف ''بہت خوب'' کہہ کر چلا گیا۔ پھر قران نے اور عیاروں سے بھی کچھ کہا کہ وہ بھی ایک طرف گئے۔ جب یہ جا چکے قران بھی ایک جانب روانہ ہوا۔

مگر برق جو اول گیا تھا، ایک مقام پر بیٹھ کر ایک عورت بنا کہ بدن دھرا اور گدبدا ایسا دوا کی دھونی دے کر بنایا کہ ہیئت ہی بدل ڈالی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھ، پتلی پتلی انگلیاں، کمر پتلی، کولے بھاری، موافق کی تیاری، انگیا کسی کسائی ٹھیک، سر میں زری کا موباف پڑا، اونچا سر گندھا، پیشانی ہموار و بلند، جٹی بھویں، ستواں ناک، سبزہ رنگ، گات ابھری، رانیں پُر گوشت بھری بھری، لباس سر سے پا تک ہلکا پیازی رنگا ہوا زیب قامت فرمائے، زیور الماسی مگر مختصر پہنے...... اس صورت دل فریب سے ہو کر ہاتھ میں تھال لئے، کچھ پکوان اور مٹھائی اس میں رکھے، نہایت ناز و انداز سے سامنے اس قلعہ ابر کے آ کر ایک جانب کو روانہ ہوا۔ کچھ دور گیا ہوگا کہ ضرغام سے قران نے کہا تھا کہ تو عاشق بننا، وہ ایک مقام پر ژولیدہ مو، پریشاں حال، گریباں چاک کھڑا تھا۔ دوڑ کر اس نازنین کے قریب آیا، اور پکارا کہ:

''وہ تمہیں ہو جو چراتے ہو ہمیں دیکھ کے آنکھ
ہم سے دل بھی تو کسی طرح چرایا نہ گیا''

یہ کہہ کر پاس پہنچ کر ہاتھ پکڑ لیا، اس زن ماہ پیکر نے کہا: ''صاحب، تم مجھے کیوں بدنام کرتے ہو؟ ان باتوں میں جان جائے گی۔ اب محبت سے ہاتھ اٹھاؤ، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ میں کہاں تک جنگل میں تمہارے لئے آیا کروں؟ جس دن میرا خاوند دیکھ لے گا، بڑی آفت ہوگی۔''

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ قران بشکل مرد، قوی ہیکل، سونٹا ہاتھ میں لئے ایک طرف سے آ کر پہنچا، اور للکارا کہ ''مال زادی، تو ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ مجھے کسی کے ساتھ پکڑ لو تو میں جانوں۔ آج میں نے تیرے یار کے ساتھ تجھے پکڑا، آج تیری ناک کاٹوں گا۔ یہ بیسوا پن تیرا سب ظاہر ہو گیا۔''

اس ڈانٹنے کے ساتھ ہی وہ عورت تو سہم کر بیٹھ گئی، اور وہ عاشق بھاگا۔ پھر کچھ مطلوبہ کا بھی خیال نہ کیا کہ کیا اس پر گزرے گی۔ شوہر مصنوعی نے آ کر بال سر کے پکڑے، اور براہ بناوٹ اس عورت کو مارنے لگا، اور عورت نے شور داد و بیداد فریاد بلند کیا، اور شوہر کو بھی دو ہتڑ مارتی تھی اور کہتی تھی کہ ''تیرا اجارہ ہے؟ جو میرا جی چاہے گا کروں گی، اور تیرے منہ میں پونچھوں گی۔ بھڑوے، آج تجھے بڑی غیرت آئی، اور کل اس نے دس روپیہ کا کپڑا تجھ کو لا دیا تو وہ چپکے سے لے لیا، یہ نہ جانا کہ آخر یہ کس علاقے سے دیتا ہے۔ پھر کسی کا مال کھا لینا ٹھٹے بازی ہے؟ آج آیا ہے اپنا قرق جتانے! اپنی بھینا پر قرق نہیں کرتا جو دن دہاڑے یار بلاتی ہے۔''

غرض کہ عورت تو مرد کو دشنام دیتی ہے، کاٹ کھاتی ہے، اور مرد سونٹے مار رہا ہے، شور و غل بے انتہا مچا ہے۔ از بسکہ چاندنی رات تھی، اور ابر کا قلعہ نزدیک تھا، طاق و ایوان میں وہاں کے ساحر تو بیٹھے ہی تھے، انہوں نے بھی یہ ماجرا دیکھا، اور مرزبان سے جا کر کہا: ''ذرا چل دیکھئے تو جنگل میں عجیب دل لگی ہو رہی ہے۔''

یہ سن اس نے بھی آ کر دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ چاندنی میں عورت کا قد قطع دار ثابت ہوا۔ ایک سحر کا پنجہ بھیجا کہ وہ جا کر عورت کو اٹھا لایا...... پنجے نے عورت کو سامنے رکھ دیا۔ اس نے پاس سے جو رخ زیبا کا اس کے نظارہ کیا، اور از سرتا پا اس کو دیکھا، بیک نظر دیوانہ و فریفتہ ہوا، اور کہا کہ ''اے گل پیرہن، یہ کون تھا جو تجھ ایسے معشوق کو کہ جس کو گل کا بوجھ بار معلوم ہوتا ہوگا زد و کوب کر رہا تھا؟''

یہ کلمات سن کر اس سیمیں عذار نے کہا کہ ''آپ آج کی مار کو کیا کہتے ہیں، جب سے میں اس قصائی کے پالے پڑی، ہڈی ہڈی میری چور ہے۔ اس وقت آپ نے بڑا غضب کیا جو اس کے پاس سے مجھے اٹھوالیا۔ اب وہ بغیر ناک کاٹے یا مار ڈالے مجھے نہ چھوڑے گا۔ مونڈی کاٹا بڑا بدگمان ہے۔ کہے گا کہ بتا کس یار نے تجھے بلوایا تھا۔''

مرزبان نے کہا کہ ''کیا مجال اس کی جو تجھے اب ہاتھ لگا سکے۔''

عورت نے جواب دیا کہ ''کیوں، مجال کو کیا چاہئے؟ وہ میرا شوہر ہی ہے۔ واسطہ سامری کا، اگر مجھ کو آپ نے بلایا ہے تو میرے شوہر کو بھی بلا لیجئے۔ ورنہ بڑی قباحت میرے لئے ہوگی، اور اب میں یوں تو جا بھی نہیں سکتی۔ وہ یہی کہے گا کہ تو آشنا کے یہاں گئی تھی۔ ہائے لوگو، میں کس غضب میں پڑ گئی! ارے صاحب، جلد اسے بلوائیے۔''

مرزبان نے چاہا کہ پنجہ بھیج کر بلائے۔ عورت نے کہا: ''پنجہ نہ بھیجئے گا، وہ آدمی جلے تن ہے۔ ناحق مجھ کو آکر مارے گا۔ آبرو کے ساتھ بلوائیے گا کہ وہ خوش ہو، غصہ اس کا اتر جائے، پھر انصاف کر کے، رضامند کر کے اس سے فارغ خطی مجھے دلوائیے گا۔''

مرزبان فارغ خطی کا نام سن کر شاد ہو گیا، اور ایک ساحر کو حکم دیا کہ تخت سحر پر بیٹھا کر اس کے شوہر کو لے آ۔ ساحر حسب الحکم تخت لے کر گیا۔ وہاں وہ مرد بک جھک رہا تھا کہ ساحر نے کہا: ''چلئے، جہاں آپ کی زوجہ ہے، انہوں نے بلایا ہے'' اور سوار کر کے اندر قلعہ سحاب کے سامنے مرزبان کے لایا۔

اس نے بہ عزت تمام بٹھلایا۔ بعد کچھ دیر کے سمجھانے لگا کہ ''زوجہ تمہاری آوارہ ہے کچھ روپیہ مجھ سے لے لو، اور اس کو چھوڑ دو۔''

اس مرد نے کہا: ''اس وقت خستہ وشکستہ بہت ہوں۔ صبح کو اس کا جواب دوں گا۔''

پھر مرزبان نے ایک ساحر کو حکم دیا کہ اس کو لے جا کر ایک خیمے میں رکھو۔ ساحر قران کو خیمے میں لایا، پلنگڑی چاندی کی سونے کو دی۔ ادھر عورت سے مرزبان اختلاط کرنے لگا۔

عورت نے کہا: ''میں بھی اپنے شوہر کے خیمے میں جاتی ہوں۔ جب فارغ خطی ہو جائے گی اس وقت دیکھا جائے گا۔''

مرزبان اس کلمے سے بیتاب ہو گیا، اور کہا: ''تم یہیں ٹھہرو۔''

عورت نے کہا: ''خوب! تم تو پرائی جورو پر لہلوٹ ہو گئے۔''

یہ کہہ کر اٹھی کہ جاتی ہوں۔ مرزبان اٹھ کر لپٹ گیا، اور قسمیں دینے لگا۔ عورت نے کہا: ''ذرا دم لو، میں ابھی تو جاتی ہوں اور جب وہ سو جائے گا تو کسی حیلے سے آؤں گی۔''

یہ کہہ کر وہاں سے خیمے میں آئی۔ قران سے سب حال کہا۔ اور کہا: ''اب جا کر میں مرزبان کو پکڑے لیتا ہوں۔''

یہ باتیں کر رہا تھا کہ ایک طرف سے صدا کراہنے کی آئی۔ برق نے درِ خیمہ پر آ کر ایک ساحر سے پوچھا کہ ''یہ کون آہ آہ کرتا ہے؟''

اس ساحر نے کہا: ''ماں ناگن کی بے ہوش اور ماندی رہتی ہے۔ وہی کراہتی ہے۔''

یہ سن کر برق اسی آواز کی طرف گیا۔ دیکھا کہ ایک خیمہ استادہ ہے، اندر اس کے ایک پلنگ پر ایک مریضہ لیٹی ہے، ایک جانب چوکی پاخانہ پھرنے کی لگی ہے، دو ایک کنیزیں مہ پارہ جوان خدمت کو حاضر ہیں، پلنگ کے قریب کچھ نکلنے بنے رکھے ہوئے ہیں۔ کھیرے کٹے پڑے ہیں، کچھ عورتیں پٹی پکڑے بیٹھی ہیں، پنکھا جھل رہی ہیں، برق نے قریب خیمہ پہنچ کر ایک عورت کو ان میں سے باشارۂ انگشت طلب کیا۔ جب وہ اٹھ کر واپس آئی، کہا: ''کیوں، گیاں، تم نے ہمیں پہچانا؟''

اس کنیز نے کہا کہ میں مطلق واقف نہیں۔

اس نے کہا: ''اب کاہے کو پہچانو گی! میں وہی نوکر مرزبان کی ہوں۔'' یہ کہتے کہتے حباب بے ہوشی مارا کہ تڑاق سے اسے چھینک آئی اور بے ہوش ہوگئی۔ برق اس کو اٹھا اپنے خیمے میں لایا، مگر اوپر سے نہ آیا، پشت پر سے سراچہ چاک کر کے اندر آیا، اور درِ خیمہ پر جا کر پکار کر کہہ دیا: ''اندر خیمے کے ہم زن و شوہر سوتے ہیں۔ کوئی یہاں نہ آئے۔ دوسرے جہاں کہیں میں جاؤں، کوئی میرا مزاحم نہ ہو۔''

ساحروں نے جو یہ کلام سنا تو سمجھے کہ زن بدکار ہے، شاید کہ یہ شوہر کو سلا کر میاں پاس ہمارے جائے، یا کچھ اور کرے، اس کے درمیان میں بولنا اچھا نہیں۔ وہ سب تو یہ سوچ کر چپ ہوئے۔ ادھر اس نے کپڑے اس کنیز کے اتار کر آپ پہنے، اور اپنے کپڑے وہی زنانے اس کو پہنائے، اور مثل اس کی صورت کے شکل اپنی بنائی، اور جس صورت پر آپ عورت بنا ہوا تھا اسی طرح کی عورت اس کو بنا کر فلیتہ دافع بے ہوشی سنگھایا کہ وہ ہوشیار ہوئی۔ دیکھا کہ میری صورت کی ایک عورت سامنے موجود ہے۔ یہ دیکھ کر براہ

استعجاب اس نے کیفیت پوچھی۔

برق نے کہا: ''گیاں میں تم سے کھڑی باتیں کر رہی تھی کہ ایک ہوا کا جھونکا لگا۔ دونوں بے ہوش ہو گئے، اس وقت سامری کو دیکھا کہ تشریف لائے اور میرے تمہارے منہ پر ہاتھ مارا، اور فرمایا کہ ہم دونوں کو کایا پلٹ کر دیا، اس میں تمہارے لئے بہتری ہے، اور ہماری مشیت اسی کی مقتضی ہے کہ کنیز ناگن کو مرزبان کی زوجہ بنا کر اس کا مرتبہ دو مرتبہ بڑھائیں، اور تجھ کو اس کنیز کی صورت بنائیں۔ لو، گیاں، مشیت خداوند میں کیا چارا ہے؟ اب تم میری حقیقت سنو کہ یہ شخص جو پلنگ پر لیٹا ہے، اس کی میں زوجہ تھی، مجھ پر مرزبان عاشق ہے، صبح کو فارغ خطی میرے شوہر سے مجھ کو دلا کر مجھے اپنے پاس رکھنا، لہٰذا جو کوئی پوچھے اسی مرد کی زوجہ اپنے تئیں بتلانا، اور مجھ سے مرزبان نے وعدہ لیا تھا کہ جب شوہر تیرا سو جائے تو میرے پاس آنا۔ اب یہ سوتا ہے، تم اس کے پاس جاؤ اور داد عیش و خرمی دو۔ میں تمہارے عوض تمہاری بی بی مریضہ کی خدمت میں جاتی ہوں۔

وہ کنیز مدت گذری تھی کہ مرد سے واقف نہ تھی، اور تکلیف میں رہا کرتی تھی۔ زرو زیور دیکھ کر، اور زوجہ اتنے بڑے امیر کا ہونا سن کر نہایت خوشنود ہوئی، اور کہا: ''گیاں، اچھا مجھے مرزبان کے پاس پہنچا دو، اور اپنا نام بتلا دو۔''

برق نے کہا: ''میرا نام محبوب ہے۔'' یہ کہہ کر اپنے ساتھ لیا، اور خیمہ مرزبان کا بتلا دیا۔ وہ اندر خیمے کے گئی۔ مرزبان چشم براہ انتظار تھا۔ اس کو دیکھ کر پکارا:

''آج آتے ہیں وہ کچھ آنکھوں میں فرماتے ہوئے
سحر اور اعجاز اک پردے میں دکھلاتے ہوئے''

یہ کہہ کر اٹھ کر گود میں لے کر پلنگ پر بٹھایا، لب سے لب ملایا، شراب کا جام پلایا۔ یہ کنیز نہایت مسرور ہو کر مصروف عیش و طرب ہوئی۔

(اس کے بعد عیار اپنی چالاکی سے مرزبان اور ناگن دونوں کو قتل کر ڈالتے ہیں)

(جلد اول)

بڈھی گھوڑی

اس جادوگرنی کے گلے میں جھولی بادلہ نگار پڑی ہے، ماتھے پر بندی لگی ہے۔ قشقہ سیندور کا کھینچا ہے، ماتھا فیل کی مستک کی طرح رنگا ہے۔ صندل اور چندن سے تمام جسم رنگین ہے، ماران سیاہ سے گردن کو تزئین ہے۔ رنگ سیاہ، نقشہ بھونڈا، گدی پر جوڑا بڑا سا بندھا، گدنا ٹھڈی پر گدا۔ منہ بھاڑ سا کھلا۔

(جلد سوم)

آفت کی پڑیا

اس نے بانے عیاری کے جسم پر لگائے، فلاخن سر سے لپٹی ہوئی، کمندوں کے لچھے بازوؤں پر پڑے ہوئے، توبڑا پتھر کا شانے میں لٹکا ہوا، ترکش مثل دم طاؤس کے چتر پہلو پر کیے، کمان شانے پر لٹکی ہوئی۔ قنطورے زربفتی اور پیتاوے سقرلاتی سے آراستہ تھپائے نفتی گھاٹیوں میں دبے، توڑے شیر کیے ہوئے، حباب بے ہوشی ہاتھوں میں لئے، حیلہ ہائے ناحق سے چست ہو کر ایک لٹیا برنجی اس طرح سے تیار کی کہ کناروں پر اس کے کنڈلے لگے، اور ان میں زنجیریں بند ہیں، اور سب طرف سے زنجیریں مل کر ایک زنجیر اوپر گرفت کرنے کی جوتھی اس میں اٹکی ہوئیں، مثل اس کے جیسی انگیٹھی لوہے کی زنجیر دار ہوتی ہے اور اہل کشمیر گلے میں فرط سرما سے ڈال لیتے ہیں۔ پس اس لٹیا میں نیچے ایک مخزن ایسا بنایا کہ آگ اس میں دھکتی تھی اور اوپر اس کے سیماب اور روغن مثل تیزاب کے چرخ کھاتا نظر آتا تھا۔ اس لٹیا کی زنجیر پکڑ کر گوپھن کی طرح جب یہ گھماتا تھا، سیماب اس میں سے گرتا نہ تھا، ایک شعلہ چرخ کھاتا نظر آتا تھا۔

(جلد سوم)

واکے بچھڑت پھٹے ہیا

(افراسیاب کو پتہ چلتا ہے کہ برق عیار نے اس کے ایلچی کو مار ڈالا ہے)

بادشاہ مذکور یہ حال سن کر آگ ہو گیا، اور سامنے، باغبان، وزیر کھڑا تھا، اس سے کہا کہ ''کیوں اے وزیر خوش تدبیر، ہو سکتا ہے کہ تو اس برق ناعیار کو گرفتار کر کے سامنے میرے لائے، اور اس کا لیے قران کو براہ کیفر کرداری پہنچائے، سر اس کا کاٹ کر قلعۂ طلسم کے کنگرے پر چڑھائے؟''

وزیر مذکور نے عرض کیا کہ ''اقبال حضور شریک حال چاہئے۔ ابھی گیا اور ان دونوں کو پکڑ کے روبروئے بندگان والا شان شہنشاہ لایا۔''

بادشاہ نے یہ سن کر خلعت رخصت عنایت فرمایا، اور وزیر روانہ ہوا۔ جب یہ چلنے لگا تو زوجہ اس کی ملکہ گل چین جادو کہ حاضر دربار تھی، بہ نگاہ حسرت منہ اس کا دیکھنے لگی۔ یہ صورت جو بادشاہ نے دیکھی، ہنس کر فرمایا کہ ''کیوں، اے ملکہ، تمہارے شوہر کو نہ بھیجیں؟''

ساحرہ نے بہ ادب تمام عرض کیا کہ ''میں کنیز شہنشاہ ہوں، اور شوہر میرا غلام ہے۔ میری مجال ہے جو اس کو منع کروں؟ بلکہ چاہتی ہوں کہ میں ہمراہ اس کے جاؤں۔''

بادشاہ نے ہنس کر کہا: ''تمہیں بغیر خاوند چین کہاں؟ اچھا، جاؤ۔''

یہ حکم پا کر عقب وزیر یہ بھی چلی، اور بہت جلد اپنے باغ میں گئی۔ ایک کنیز سے کہا: ''جلد جاؤ، وزیر اعظم صحرا تک باغ سیب کی حوالی کے قریب پہنچے ہوں گے۔ ان کو میرے پاس بلا لا۔ کہنا بیوی نے کہا ہے گھر میں ہوتے جاؤ، ایک بات سن لو، پھر جانا۔''

کنیز حسب ارشاد ملکہ بہ تعجیل عجیل اڑ کر پاس وزیر مذکور کے پہنچی، اور پیام وزیر کو دیا، وزیر ناچار خفا ہوتا ہوا کہ ''کام شہنشاہ کے دیر ہو گی۔ ان کو ایسے وقت میں کچھ نہ کچھ جھگڑا نکالنا آتا ہے'' گھر میں آیا۔

زوجہ نے اس کی اٹھ کر، ماتھا اس کا پکڑ کر، دل داری کر کے مسند پر بٹھایا، جام شراب پلایا، اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اور کہا: ''سنو صاحب، میں نے اس لئے تم کو بلایا ہے کہ جہاں تک ہو سکے سمجھاؤں۔ تم عیاروں کو پکڑنے چلے ہو تو زندہ نہ بچو گے۔ تم کو لازم نہیں ہے کہ عیاروں کے معاملے میں دخل دو۔''

وزیر نے کہا: ''صاحب، مثل مشہور ہے۔ نوکری کیا ہے، خالی جی کا گھر ہے، مالک نے جس کام کو فرمایا، ملازم کو بجالانا اس کا ضرور ہے۔ اس میں جان جائے یا رہے۔''

بی بی نے اس کو جواب دیا کہ ''میں آگ لگاؤں ایسی نوکری کو، اور منگل اتوار صدقے اتاروں اس تابعداری کو جس میں میرے وارث کے دشمنوں، مدعیوں، کہنے والی بندی کی جان پر بنے۔ نہ صاحب، میں کبھی نہ جانے دوں گی۔ کیا میں میاں شاہ افراسیاب کی سلامتی میں رنڈیا ہو کر بیٹھوں گی، اپنا راج سہاگ لٹواؤں گی؟ وہ اپنی نوکری تہ کر رکھیں۔ اس وزارت کے پیچھے مجھ کو نخصمی بننا منظور نہیں۔ وہی مثل کہتے نہیں کہ پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ میرا وارث سلامت ہے تو ایسی پچیس نوکریاں ہو رہیں گی۔ اور نہ ہو گی تو جوتی کی نوک سے، پاپوش کے صدقے سے! ہم دونوں میاں بیوی بھیک مانگ کھائیں گے، دیس چوری، پردیس بھیک، اور کسی ملک کو نکل جائیں گے۔ کیا ہمارا طلسم ہوشربا میں نال گڑا ہے؟''

باغبان نے کہا: ''سنو صاحب، آپے سے باہر نہ ہو۔ تمہاری تو وہ مثل ہوئی کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو! جب تک گھر بیٹھے تنخواہ ملا کی، وزارت کا کاروبار رہا۔ جاگیر پائی، منصب ملا، انعام پایا، اس وقت تک تو ہم اچھے، تم اچھے، دنیا کا عیش چین کرتی رہیں، وزیر کی بیوی کہلائیں۔ اب جو سرکار دولت مدار کا کام پڑا ہے تو ایسی باتیں کرتی ہو۔ تمہاری تو وہ مثل ہے کہ:

کیا کریں گے نوکری، رہیں گے اپنے گھر
کرتے رہے عاشقی اور خالہ جی کا ڈر

واہ وا، نمک حلال ایسے ہی ہوتے ہیں! اے بی بی، جان و مال، جورو لڑکے، اس وقت جو سرکار کے کام آئیں، ملازم کے لئے دریغ نہ کرنا چاہئے۔ افتخار ہے، فوراً حق نمک آقا سے جان آبرو دے کر ادا ہو۔ یہی امر باعث نام آوری جہاں میں اور سبب خوشنودی خدا ہے۔''

گل چین نے یہ سن کر دامن جھٹک، تیوری چڑھا کر کہا: ''اے مردوئے! ہوش پکڑ، حواس میں آ۔ تو مجھ پانچ بچوں کی ماں کو سمجھانے آیا ہے! میں کیا ایسی ننھی ہوں جو دنیا کے اونچ نیچ نہیں سمجھتی؟ تو میرے صاحب بادشاہ کو کیا ایسی گاڑھ پڑی ہے جو تجھ کو عیاروں پر بھیجتا ہے؟ کیا جانتا نہیں کہ موئے عیار آفت کے پرکالے، تمام دنیا کے جعل ساز،

مکار و دغا باز ہیں۔عورت بنیں، مرد بنیں، بھوت ہو کر لپٹیں، منت کریں، ہیکڑی دکھائیں، ہر رنگ میں پانی ہو جائیں اور پھر ہت چھٹ، ستیا ناس گئے ایسے ساحر جو اس طرح مار ڈالتے ہیں جیسے کوئی جوں یا کھٹمل کو مارتا ہے۔انہیں کم بختوں پر بادشاہ تم کو بھیجتا ہے۔ یہ دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ بادشاہ کا جی چاہتا ہے کہ وزیر نہ رہے تو نہ رہے...... وہ جم جم رہے، وہ نہ رہیں جو اس کا برا چاہتے ہیں...... اس بادشاہ کی نوکری نہ کریں گے...... وہ جو کہاوت ہے، ندیا تو گھبراتی کیوں ہے، بندی پاؤں ہی نہ دھرے گی۔''

باغبان نے کہا: ''بس بس، زبان روکو۔قسم ہے مجھ کو سامری کی کہ میں شہنشاہ کی غلامی سے گردن تابی نہ کروں گا اور ان کے کام پر جان دوں گا۔نمک حلالی کر جاؤں گا، نمک حرامی مجھ سے کبھی نہ ہوگی کہ میں حکم بادشاہ کا نہ مانوں۔''

یہ سننا تھا کہ گل چین کھڑے ہو کر پیٹنے لگی۔''لوگو، دوڑو! اس مردوئے کو سمجھاؤ۔ یہ مجھ کو رانڈ بناتا ہے۔میرا راج لٹا جاتا ہے، ارے بیو یو، میرا وارث مجھ سے چھٹتا ہے!''

باغبان گھبرا گیا، اور سمجھانے لگا کہ: ''اجی ذرا آپ میں آؤ۔ دیکھو، سو دوست سو دشمن ہیں، کوئی شہنشاہ سے جا کر لگا دے گا۔مفت کی بدنامی ہوگی، میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔''

گل چین نے کہا: ''لگا دے گا تو کوئی لگا دے، میرا کیا کرے گا! جب نہیں کہتی تو اب کہتی ہوں کہ یہ بادشاہ ہمارا دشمن ہے۔اب وہ دیکھئے جلا جاتا ہے۔اس کے منہ کو سات چھپروں کا پھونس جو میرے وارث کو دیکھ کر خار کھائے، وہ موا اپنے ہوتوں سوتوں کو نہ دیکھ سکے۔''

وزیر نے کہا: ''تو دیوانی ہوگئی ہے۔ میں جاتا ہوں۔تو پانچ بچوں کی ماں ہوئی، پچاس برس کا سن آیا، مگر گدھی رہی۔سوائے پیٹنے کو سنے کے اور کچھ نہ آیا۔قسم ہے جمشید کی میں ہی ایسا مرد تھا جو تیرے ساتھ نباہ کرتا رہا۔''

یہ کہہ کر اٹھا اور قصد چلنے کا کیا۔بی بی نے اس کی اسے پکڑا اور کہا: ''یہ تو میں جانتی

ہوں کہ جو تم کہتے ہو وہی کرتے ہو۔ میرا کہنا نہ مانو گے، اس افراسیاب کے لئے میرا پہلو اجاڑ دو گے...... یا سامری...... بندی سہاگن مرے۔"

یہ کہہ کر گردن شوہر میں ہاتھ ڈال کر بولی کہ: "سنو تو بھلا یہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں بیٹھے رہو، اور ایسا سحر کرو کہ موئے عیار قید ہو جائیں؟ تم بادشاہ سے کہہ دو کہ لیجئے، میں آپ کے نمک سے ادا ہو گیا۔"

وزیر مذکور نے کہا: "تم ڈرتی کیوں ہو؟ میں بہت ہوشیاری سے رہوں گا اور خبرداری اور کیا، یہی چاہئے کہ اپنے پاس کسی کو نہ آنے دے، اور کسی کے ہاتھ کچھ کھائے پئے نہیں۔ میں جاتے ہی ان کو گرفتار کرلوں گا اور اپنے، بیگانے، ساحر، غیر ساحر، جورو، لڑکے، بھائی جس کسی کو آتے دیکھوں گا، عیار سمجھوں گا، اور اپنے قریب نہ آنے دوں گا۔ پھر بھلا ان کی عیاری مجھ سے کیا چلے گی؟"

یہ کہہ کر بی بی کو تسکین و دلداری کر کے گھر میں بٹھایا اور آپ روانہ ہوا۔ اس کے جانے کے بعد زوجہ اس کی تا دیر نالاں و گریاں رہی، مثال شمع اشک ریزاں رہی۔ انیسیں، جلیسیں سمجھانے لگیں کہ: "بی بی، بدشگونی نہ منائیے، میاں کے لئے دعا کیجئے کہ دشمنوں پر فتح یاب ہوں۔" اس نے ایک نہ سنی، اور جذبہ عشق میں یہ ترنگ آئی کہ تو بھی عقب شوہر چل، اور دیکھ کہ اس سے اور عیاروں سے کیا معاملہ گذرتا ہے۔ بس یہ سوچ کر شوہر کے جانے کے پہر بھر کے بعد یہ بھی بزورِ سحر اڑی اور ڈھونڈتی ہوئی چلی......

(قران عیار اپنی چالاکی سے وزیر کو بے ہوش کر دیتا ہے)

قران...... بغدہ تانے دوڑا...... بس قریب پہنچ کر چاہتا تھا کہ...... بغدہ مارے کہ زوجہ اس کی ملکہ گل چین جادو جو بزورِ سحر ساتھ اس کے چلی تھی آ کر پہنچی، اور...... بدحواس ہو گئی۔ سحر بھی یاد نہ رہا۔ پکاری کہ "ارے، واسطہ تجھ کو اپنے خدا کا کہ میرا بادشاہی تخت نہ الٹ، میرے سر کا چھتر نہ اٹھا، میرے وارث کو نہ مار، اور مجھ کو بیوہ نہ بنا۔ میں کہتی تھی موئے شامتی، غارت گئے سے کہ عیاروں سے لڑنے نہ جا، نہ مانا، کم بخت اب کیسے چت اناغفیل پڑے ہیں! کوئی پوچھے کہ اب وہ ہوشیاری اور خبرداری کہاں گئی۔"

یہ کہتی ہوئی جب زیرِ شجر آئی، یہ بھی چھینک مار کر بے ہوش ہوگئی۔ لیکن یہ اپنے ساتھ پتلے سحر کے رکھتی ہے۔ وہ پتلے زمین سے پیدا ہوئے، اور انہوں نے پچکاری منہ پر پانی کی ماری کہ اس کو ہوش آیا۔ اس نے گھبراہٹ میں ہوش آتے ہی سحر پڑھا کہ قران کے پاؤں زمین نے پکڑ لئے۔

قران نے کہا: ''رہ تو کم بخت، میں تیرے خاوند کو تو مار ڈالوں۔ آخر تو پکڑا گیا ہوں۔'' یہ کہہ کر پھر بغدہ تانا۔ وہ سمجھی کہ جب تک میں سحر پڑھوں گی، منتر ختم نہ ہوگا کہ یہ بھیجا پاش پاش کر دے گا۔ بس یہ سمجھ کر قریب آئی، اور ہاتھ جوڑتی ہوتی پاس آکر قران کو زمین سے نکالا، اور کہا: ''مجھ سے قصور ہوا تھا۔'' یہ کہتے کہتے ہوئے پھر بیہوشی نے تاثیر کی، اور یہ پھر چرخ کھا کر چلی مگر کہتی ہوئی کہ ''اے عیار، یہ کیا تو نے کرتب رکھا ہے کہ باتیں کرتے کرتے انسان بے ہوش جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر پھر بے ہوش ہوگئی، پھر پتلوں نے ہوشیار کیا، اب جو اٹھی تو اس جگہ سے بھاگ کر الگ کھڑی ہوئی۔

قران نے قتل وزیر میں تامّل کیا کہ زوجہ اس کی منت پذیر ہے۔ شاید یہ دونوں مطیع اسلام ہو جائیں تو لشکر کو ہمارے بڑی تقویت حاصل ہوگی۔ غرضکہ اب جو ساحرہ اس درخت سے دور جا کر کھڑی ہوئی، پھر اس خیال سے سحر قران پر کر دیا کہ قران مار نہ ڈالے...... منت کرنے لگی کہ ''...... جہاں کہیں بہ مقابلۂ ساحران طلسم تو اسیر ہو جائے گا تو افراسیاب جادو سے چھپ کر تیرے پاس آؤں گی، اور تیری مدد کروں گی، اور ہمیشہ تیری پرستار...... رہوں گی، اور موقع پا کر جاں نثاری میں دریغ نہ کروں گی۔ تجھ کو واسطہ اپنے دین کا، اور صدقہ اپنے پیر پیغمبر کا کہ میرے خاوند کو میرے حوالے کر، مگر بخوشی اور اپنا کرتب اس سے اتار لے جس میں اس کو ہوش آئے، اٹھ کے بیٹھے، کھائے پیئے، اپنے بیگانے کو پہچانے۔''

قران نے جو یہ خوشامد آمیز باتیں سنیں، کہا کہ ''تیرا نام کیا ہے؟''

اس نے کہا کہ ''تمہاری لونڈی ہوں۔ گل چین جادو مجھے کہتے ہیں۔''

قران نے کہا کہ ''تو نے اپنے خاوند کو پہلے سمجھایا کہ ہم لوگوں کا مقابلہ نہ کرے؟ اور اچھا، آج ہم نے عاجزی سے چھوڑ دیا، اور میرے بھائی بند مار ڈالیں گے اور یہ تو غرور

نہ کرنا کہ میں نے قران عیار کو سحر سے قید کر لیا۔ سن، میں نظر کردہ غالب کل، مولانا، مقتدانا مظہر العجائب والغرائب، مشکل کشائے عالم ہوں۔ میں ابھی کہہ تو سحر سے نکل جاؤں۔"

ساحرہ نے کہا: "اے میاں سچ ہے، قربان ان کے نام کے۔ مولا مشکل کشا تمہارے بڑے زبردست پیر ہیں۔ میں نے بھی ان کا نام سنا ہے، اور یہ سحر تو میں نے اپنے میاں کے بچانے کے لئے کیا ہے۔ لو میں ابھی اتارے لیتی ہوں۔"

(وہ عیار پر سے جادو اتار لیتی ہے) قران نے وہی فلیتہ دافع بے ہوشی جلتا ہوا لا کر گل چین کو دیا، اور کہا: "ناک اپنی بند کر کے قریب اپنے شوہر کے جا، اور فلیتہ سنگھا، وہ اچھا ہو جائے گا، اور کہہ دینا اس نالائق سے کہ کبھی ہمارا اور ہمارے استاذ کا، اور ہمارے بھائیوں کا سامنا نہ کرے، نہیں تو اس کو گھر میں اس کے گھس کر مار ڈالوں گا، اور تیری ناک کاٹ ڈالوں گا۔"

ساحرہ دوڑ کر قدم پر اس کے گری اور کہا: "اب کیا مجال جو غلام تمہارا تم سے بے ادبی کرے۔"

یہ کہہ کر شوہر کو ہوشیار کرنے چلی۔ یہ دونوں عیار تو درہ کوہ میں جا کر چھپ رہے، اور اس نے باغبان کو فلیتہ سنگھا کر ہوشیار کیا۔ جب آنکھ کھلی تو اس نے پوچھا: "اے بی بی، یہ کیا ماجرا ہے؟"

اس نے کہا: "تم اس جگہ سے ہٹ کر الگ آؤ تو میں بیان کروں۔"

وہ سایہ درخت سے علیحدہ آیا۔ اس نے کہا: "اے میاں، جو میں کہتی تھی وہی ہوا نا؟ تم اس طرح چت پڑے تھے ایک لحظہ میں اور نہ آتی تو کام دشمنوں کا تمام تھا۔"

باغبان کے کل ماجرا سن کر...... ہوش اڑ گئے کہ کیا عیاری کی ہے...... یہ تو ثنا خوان عیاراں ہے، زوجہ نے اس کے پاؤں پر سر رکھ دیا ہے اور سمجھانا آغاز کیا ہے کہ "اے میاں، واسطہ سامری جمشید کا کہ اب عیاروں سے مقابلہ نہ کرنا، میری ناک نہ کٹوانا۔ سامری کی قسم، وہ چلتے چلتے کہہ گئے ہیں کہ میں ناک کاٹ لوں گا، اور مجھ کو بڑا خوف تمہاری جان کا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم اب کی بار بغیر مار ڈالے نہ چھوڑیں گے، اے میاں، میں نے ان کے سامنے قسم کھائی ہے۔ اب تم بھی باز آؤ ان کے مقابلہ سے ہاتھ اٹھاؤ۔"

باغبان نے کہا: "یہ سب سچ ہے کہ وہ ایسے ہی عیار ہیں۔ لیکن مجھ سے نمک حرامی کبھی نہ ہوگی۔ میں شہنشاہ افراسیاب سے کچھ ہی کیوں نہ ہو، نہ پھروں گا۔"

زوجہ نے اس کی کہا کہ "اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے تو میں زہر کھا لوں گی، اپنا گلا کاٹ

کر مر جاؤں گی۔ سنو صاحب، شہنشاہ سے مہرخ و بہا وغیرہ نئی جادوگرنیاں پھر گئیں اور مقابلہ کرتی ہیں، تو ان کا شہنشاہ کچھ نہیں بنا لیتے۔ تمہارا کیا کریں گے؟ اے میاں، اپنی جان ہے تو جہان ہے۔''

باغبان اس عیاری کو دیکھ کر عیاروں کو مان تو گیا ہی ہے، گھبرا کر گویا ہوا کہ ''اے ملکہ، میں عجیب طرح کے مخمصے میں گرفتار ہوں، کیا کروں کیا نہ کروں؟ خیر اب دو چار روز کے بعد تمہیں ان باتوں کا جواب دوں گا، اور جیسا تم کہو گی سمجھ لوں گا۔''

یہ کہہ رہا تھا کہ یکا یک آواز آئی، ''اے باغبان جلد آؤ!''

اس نے گھبرا کر کہا: ''حاضر ہوا!''

زوجہ نے اس کی پوچھا کہ ''کس نے پکارا؟''

اس نے کہا: ''مجھ کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ ساحراں پکارتے ہیں۔''

یہ کہہ کر بہت جلد بے تابانہ اڑا، اور آن واحد میں باغ سیب میں آیا۔ شاہ طلسم تخت پر بیٹھا تھا، اور پتلے نے سحر کے سب گفتگو زن و شوہر کی سن کر عرض حال کیا تھا، اور یہ آواز اسی کی تھی......

بادشاہ نے بطور تجاہل غصے کو ضبط کر کے مسکرا کر فرمایا کہ ''کیوں، اے باغبان، تم دو چار روز میں بی بی گل چین کو کیا جواب دو گے؟''

باغبان نے یہ سن کر تخت شاہی کو بوسہ دیا، اور گڑ گڑا کر عرض کیا کہ ''اے بادشاہ، میں آپ کا بہ دل غلام ہوں، مجھ سے یہ امید نہ رکھئے گا کہ میں نمک حرامی کروں گا......از بسکہ بی بی میری ناقص العقل بیوقوف عورت ہے، اس کے بہلانے کو میں نے کہہ دیا تھا کہ چندروز میں جواب دوں گا......

افراسیاب نے فرمایا کہ ''اے باغبان میں تجھ کو اپنا قوتِ بازو سمجھتا تھا، اور ترقی خواہ سلطنت اور بڑا نمک حلال جانتا تھا، مگر افسوس ہے کہ تیری زبان سے ایسا کلمہ نکلا...... اس وقت خطا تیری تو معاف کی، مگر آئندہ جو تیری زوجہ سے یا تجھ سے ایسا کوئی کلمہ سنوں گا تو بڑے عذاب الیم سے تجھ کو ماروں گا......''

وزیر یہ کلمات سن کر تھرایا اور تخت شاہی کے گرد پھر کر سات بار تصدق ہوا اور عرض کیا کہ ''اے شہنشاہ و فلک جاہ، عورتوں کی نسبت قول بزرگاں ہے کہ:

اگر نیک بودے سر انجام زن
زناں رامزن نام بودے نہ زن

واقعی میری زوجہ نے مجھ کو کہیں کا نہ رکھا تھا، آپ کا کرم میرے آڑے آیا جو اس روسیاہی سے کونین کی میں بچ گیا۔ ورنہ دین بھی جاتا اور نمک حرام بھی کہلاتا۔ اب مجھ کو دامن عاطفت خداوندی میں چھپا لیجئے، اور میرے گناہ پر قلم عفو پھیر دیجئے۔''—

(جلد سوم)

سوت کے نام تو سوتیا آم بھی نہیں لیتی

(ایک جادوگر شہزادی ظلمات جادو، عمرو عیار اور برق کو گرفتار کر لیتی ہے، اور انہیں لے کے افراسیاب کے پاس جاتی ہے)

طائران سحر نے خبر اس کے آنے کی شاہ جادواں کو پہنچائی...... جب خبر آمد ظلمات اس نے سنی، جملہ سرداروں کو حکم دیا کہ برائے استقبال جائیں، اور یہ بھی کہا کہ سب ساحران جلیل القدر اس ملکہ کو میری بی بی سمجھ کر تسلیم کریں۔

یہ کلمہ جو ملکہ حیرت نے سنا، تیوریاں چڑھا کر پوچھا: ''کیوں صاحب، یہ محل تم نے کب کیا تھا؟ اے میاں، جس دن سے میں نگوڑی نصیبوں جلی تمہارے گھر پڑی جلتی رہی، میں کیا خوش ہوئی جو دوسری آ کر خوش ہو گی؟ وہ تو کہو میری تقدیر سیدھی تھی جو ملکۂ طلسم بنی، نہیں تو وہی نوکری لاچین تاجدار کی تم کو نصیب تھی۔ یہ میری ہی جوتیوں کا صدقہ ہے جو تم بادشاہ بنے، میری تقدیر میں ہے تو ہر جگہ چین کروں گی۔ تم مجھ کو جلاؤ گے کیا؟ میری پاپوش کی نوک کی جھوک پر سلطنت ہے۔ جہاں جا بیٹھوں گی، لالوں کی لال رہوں گی۔ میں کیوں کسی مال زادی کو سوت بناؤں؟ یہ تو وہی مثل ہے کہ کرتا ارمان، نہ کرتا پشیمان۔ جو تمہاری آس رہے وہی جانے، وہ جو کہتے ہیں کہ موزے کا گھاؤ میاں جانے یا پاؤں۔''

افراسیاب نے یہ تقریر سن کر تیور بدل کر جواب دیا کہ ''اے جی، یہ بدزبانی تمہاری میں بہت اٹھا چکا ہوں، میں ہی ایسا سامری کی قسم، مرد ہوں جو الف سے ب نہیں کہتا ہوں، کوئی اور ہوتا تو ناک کاٹ لیتا، بھلا کہو، عورت کو اس مقدمے میں دخل دینے سے کیا مطلب؟ مرد سو سو رنڈیاں کرتے ہیں، بادشاہوں کے سینکڑوں محل ہوتے ہیں، تو کیا ان کی بیبیاں نکل نکل جاتی ہیں؟''

یہ کلام جو حیرت نے سنے، اور ناک کاٹنے کا نام سنا، ایک دو ہتڑ اپنے منہ پر مارا، اور کہا: ''میں خاک میں ملاؤں اس مرلیے کو جو میری ناک کا نام لے۔ سامری اس کا ستیاناس کھوئیں، لو صاحب، ابھی سے اس سوت حرام زادی کا ایسا پیار رہا کہ اس کے بدلے ناک ہماری کٹنے لگی۔ میں اس کو اپنی ایڑی چوٹی پر صدقے اتاروں۔ اس کو وہاں تصدق کروں جہاں میری دائی نے ہاتھ دھوئے ہوں۔ اس مردوئے کی وہ مثل ہوئی کہ دیکھا نہ بھالا، صدقے گئی خالہ، ابھی اس کی صورت نہیں دیکھی، اور اس کو عوض پھیپڑا تلنے لگے، ہماری ناک کاٹنے پر موجود ہوئے، جب وہ گلے لگ کر سوئے گی اس وقت تو میاں اپنے ہوتوں سوتوں بھر کی ناک کاٹیں گے۔ میں مردار کے منہ کو منگل اتوار سات جھاڑوئیں ماروں۔ نا صاحب، مجھ سے تم سے نباہ نہ ہوگا۔''

شاہ نے یہ سن کر گھرکا کہ ''بس، چپ رہ، نہیں تو مارے کوڑوں کے کھال گرادوں گا۔ تو نے مجھ کو بھی کوئی اور مقرر کیا ہے؟ بہت چل نکلی ہے جو ٹر ٹر بکے جاتی ہے۔ یہی شرط ہے کہ حکم دوں جلاد کو ابھی سر تیرا کاٹ ڈالے!''

ملکہ مذکور یہ سن کر تخت سے اتر کر پیٹنے لگی کہ ''آگ لگاؤں اس سلطنت کو اور بھاڑ میں جائے تیرا ساتھ!''

اب کنیزیں اور جادوگرنیاں معزز بیچ میں آگئیں۔ بادشاہ مارنے اٹھا۔ ایک سمجھانے لگی کہ ''اے میاں، جانے دیجئے۔ حق بجانب ملکہ ہے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا مصیبت جھیلی۔ ہا، کوئی عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے!''

بعض عورتیں ملکہ کو سمجھانے لگیں کہ ''اے بی بی، بہت مرد کے منہ نہیں چڑھتے، یہ سب جانتے ہیں کہ جو تم ہوگی اور کوئی نہ ہوگی۔ ایسی ادماتیاں بیسیوں آئیں گی اور چلی جائیں گی۔ اور بی بی اس کا برا ماننا کیا؟ وہ مرد ذات ہیں ایک جوتا چڑھاتے ہیں ایک اتارتے ہیں۔ اور ان کو تو سامری نے چار پیسے دیئے ہیں۔ والئی ملک کیا ہے، یہاں تو غریب آدمی جن کو اس بات کی لت ہے لنگوٹی میں پھاگ کھیلتے ہیں۔ پھر بیویاں، صاحبزادیاں جلتی ہیں اور بھرتی ہیں۔ لے آؤ، اب جانے دو۔''

یہ کہہ کر بعض بادشاہ طلسم کے قدموں پر گریں کہ ''اے میں واری، میرے بھولے کنور کنھیا بادشاہ، اب ملکہ کو کچھ نہ کہنا۔ اس کا دل تھوڑا ہے۔''

بادشاہ بحالت غضب تھراتا ہوا جا کر تخت پر بیٹھا، اور ملکہ کو عورتیں سمجھا کر وہاں سے لے چلیں۔ اس وقت اس صاحب حسن کا اور ہی نقشہ تھا۔ اس بگڑنے سے دونا بناؤ ہویدا تھا۔ ہونٹ غصے سے تھراتے تھے، برگ گل کو بادخزاں جنبش دے رہی تھی، حرارت غیظ سے لب کا نیلا ہونا، مجلس حیراں ہونٹوں پر گویا آراستہ، برگ سوسن کا نقشہ ہویدا، یاقوت کا نیلم بننا پیدا، مسّی کی اداہٹ اس پر شیدا۔ زلفیں پریشاں ہو کر تمام رخ پر بکھری ہوئی، اور اس میں چشم نرگسی مخمور، رنج سے لال لال، گویا مے خانے پر کالی گھٹا چھائی تھی، چہرہ تمتمایا ہوا تھا، آفتاب سے تمازت زیادہ رکھتا تھا یا کسی مخمور کو نشہ زیادہ تھا۔ دوپٹہ کاندھے سے ڈھلکا ہوا، سینہ کھلا ہوا، پائنچے پائجامے کے چھوٹے ہوئے، سلوٹیں رانوں اور پیڑو اور چڑھوں کی نمایاں، صفحہ کتاب حسن پر خطوط عبارت مستانہ عیاں۔ حاصل الامر ملکہ کو تو انیسیں سمجھا کر ایک باغ میں کہ قریب تر اس مقام سے تھا، لائیں اور سامان آسائش مہیا کر کے وہاں بٹھایا......

(بادشاہ ظلمات کو بصد تکریم بلواتا ہے، اور اس سے شادی کر لیتا ہے)

یہ دونوں سینہ بسینہ، لب بلب، مزے وصلت کے اڑا رہے ہیں، ادھر باغ میں ملکہ حیرت کو غش پہ غش آ رہے ہیں...... انیسیں دم بہ دم صدقے قربان جاتیں، اس طرح سمجھاتیں کہ ''بی بی، ان مردوں کی چاہت کا کیا اعتبار ہے؟ جب تم ایسی پریزاد کو دم بھر میں چھوڑ دیا تو اس نگوڑی نئی نویلی کی کے دن محبت؟ یہ کہو ابھی نئے ارمان ہیں، کچھ دنوں یہ بھی کھیل سہی۔''

ایک انیس بولی کہ ''میں سچ کہوں، ابھی تو کچھ دن اس کی چڑھی بارگاہ رہے گی، پھر دیکھنا بات بھی نہ پوچھیں گے۔''

دوسری نے کہا: ''اے بوا، تمہارے کہنے کی بات ہے؟ ہماری ملکہ کی برابری وہ چڑد کیا کرے گی وہی مثل ہے نیا نو دن اور پرانا سو دن۔ ان کا سنجوگ تو سامری نے شہنشاہ کے ساتھ اتارا ہی ہے۔ اے، دیکھ لینا جو چار دن میں ان کو نکالا نہ ملے، اے تو سہی، میرا نام جو منہ کالا کر کے دیس نکالا نہ ملے۔''

تیسری بولی کہ ''بہن، میری بھی اس وقت کی بات لکھ رکھنا۔ یہ بیسوا جو آج تخت چڑھی ہیں کل کوئی دو کوڑی کے ان کے ہاتھ سے بیر نہ کھائے گا۔''

اسی گفتگو میں ایک مغلانی بولی کہ ''اے بی، ایک میاں جی میرے گھر کے پاس

رہتے ہیں۔ساہی کا کانٹا خوب پڑھتے ہیں۔ملکہ عالم فرمائیں تو پڑھوالاؤں۔''
یہ سن کر آتو جی نے کہا''سات جمعراتیں اگر اس سوت کا نام لے کر ملکہ نیم کی پتی اور نمک کنوئیں میں چھوڑیں، یہ ایک پر ایک ہے، فوراً وہ مال زادی نکل جائے گی۔''
یہ تو سب اس طرح باتیں بنا رہی تھیں، اور ملکہ چشم پرنم سے سیل اشک بہا رہی تھی۔ آخر اسی بے تابی میں عقل نے یہ راہ بتائی کہ اپنی بہن ملکہ بہار کو بلاؤں اور بطور مخفی اسی کی شریک ہو کر اس ظلمات کو راہ ظلمت عدم دکھاؤں۔ یہ تجویز کر کے کنیزوں اور انیسوں سے کہا:''تم نے کیوں بک بک کر میرا مغز کھایا ہے؟ جاؤ، اپنے اپنے مقام پر سو رہو، مجھ کو اکیلا رہنے دو۔زیادہ ہجوم سے میرا دم گھبراتا ہے۔دل الٹا جاتا ہے۔''
وہ سب عورتیں یہ حکم سن کر اپنی اپنی جگہ پر چلی آئیں، ملکہ نے باری دارنیوں کو بھی ہٹا دیا۔ جب تخلیہ ہوا، شمع کے سامنے بیٹھ کر بسان شمع اشک بار ہو کر ایک نامہ اپنی بہن کو لکھا۔ مضمون یہ تھا کہ،''میرے ساتھ ماں کی کوکھ میں پاؤں پھیلانے والی، اے میری ماں جائی، اے میرے ساتھ کی دکھ اٹھائی، اے میری جان، جان و دل سے بہتر، اے میری نور نظر، لخت جگر، تیری ماں جائی پر بڑی آفت آئی ہے، گھر برباد ہوا۔ جان لینے کے رنج نے دھوم مچائی ہے۔ اے میرے کلیجے کے ٹکڑے، ذرا مجھ کو اپنی صورت دکھا جا۔ اے بھینا، ذرا مجھ تک آجا کہ ایک نظر تجھ کو دیکھ لوں، پھر خدا جانے کہ میں جیوں یا مروں۔''
یہ لکھ کے جوڑے سے ایک پتلی نکالی۔ وہ لوٹ کر بصورت پری بن گئی۔ اس کو وہ خط دے کر کہا:''جہاں میری بہن ملکہ بہار ہے، وہاں لے جا۔''
(پتلی ملکہ بہار کو بلا لاتی ہے۔اس کے ساتھ ضرغام عیار بھی عورت کے بھیس میں آتا ہے)
حیرت منتظر اپنی ہمشیرہ کی بیٹھی تھی، صورت دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی اور گود پھیلا کر آگے بڑھی کہ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرا دل تجھ بغیر تڑپتا تھا۔''
بہار نے سر سینے سے لگا دیا۔اس نے بلائیں لیں، اور سر سے سر اتارا۔ پھر رونے لگی۔
ملکہ نے کہا:''باجی اماں، آخر کہو تو کیا ہوا؟''
اس نے کہا:''اے بیٹی، یہ بھی میرا مقسوم! تمہارے دولہا بھائی نے رنڈی کی ہے۔ ہم کو دودھ کی ایسی مکھی جان کر نکال دیا۔ اے جانی، میرا دل الٹا ہوا ہے۔ جان دینے کو جی چاہتا ہے۔ وہ مثل کہتے ہیں کہ لاٹھی مارے پانی جدا نہیں ہوتا۔ میں نے چاہا کہ تجھ کو ایک نظر

دیکھ لوں۔'' یہ کہہ کر جملہ کیفیت رو رو کر آتے ظلمات کی اور تخت نشینی اس کی بیان کی۔

بہار نے کہا ''اے باجی، میں تمہاری چھوٹی بہن ہوں اور تم کہو گی کہ مجھ پر یہ سانحہ جو گزرا اس سبب سے یہ بھی کہتی ہے۔ قصور معاف، میں تو سچ کہوں، میرا شوہر جو رنڈی کرتا تو اس کے منہ کو جھلسا دیتی، سر بازار کھڑی ہوتی کہ جا بھڑوے، تیری یہ راہ ہے، میری یہ راہ ہے۔ اور اے باجی، مجھ کو جو تم نے بلایا ہے تو میں دولہا بھائی کا کیا لوں گی؟ اگر لڑنے کو کہو تو میں مدت سے لڑتی ہوں۔ ہاں، اگر تم خواجہ عمرو کی شریک ہو جاؤ تو وہ اس قحبہ ظلمات کی ناک چوٹی کاٹیں اور شہنشاہ کو بھی ناک چنے چبوا دیں اور میری ماں کے برابر، یقین جاننا کہ میں جب سے شریک خواجہ سلامت کی جا کر ہوئی ہوں، ہر وقت تمہارے بچھڑنے کا خیال رہتا ہے، کسی وقت آنسو نہیں تھمتا ہے۔ باجی، اپنے دیدوں کی قسم، تم بڑی سنگ دل ہو کہ برے دل سے بھی کبھی یاد نہیں کرتی ہو۔ اچھا، اب ان باتوں کو جانے دو۔ لو آؤ، اٹھو۔ میرے ساتھ لشکر خواجہ میں چلو۔ میں تم کو تخت حکومت پر بٹھاؤں گی۔ دولہا بھائی کو بھی قدر عافیت کھل جائے گی کہ ہاں، کسی کو جلانا ایسا ہوتا ہے، اور رنڈی بازی کا یہ مزا ہے۔ اور دوسرے، میں سچ کہوں مجھ کو تو خواجہ عمرو کا دین سچا معلوم ہوتا ہے، اے بہن، اس دین میں حرام نہیں کرتے ہیں، اکیلے خدا کو پوجتے ہیں۔ جادو کرنے والے کو نام دھرتے ہیں، غریبوں کے حال پر ترس کھاتے ہیں، ہر وقت پاکیزگی اور صفائی لباس اور جسم کی رکھتے ہیں، عبادت خدا کی دل لگا کر کرتے ہیں اور باہم الفت محبت ہوتی ہے، ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آتا ہے، جو کچھ بڑائی اس دین کی ہے میں بیان نہیں کر سکتی۔''

حیرت نے کہا: ''بیٹی، یہ تو سچ کہتی ہے، لیکن میں تو ماں باپ کی لاج کرتی ہوں، جب تو اس موئے کا ساتھ کر کے مصیبت بھرتی ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ خواجہ صاحب کو بھی یہ موئی ظلمات بکٹے لائی ہے۔ اس کے ساتھ برق فرنگی ہے۔ اگر خواجہ یہاں آتے تو میں ان سے کچھ شرطیں کرتی۔''

یہ اس کا کہنا تھا کہ ضرغام عیار...... قریب ملکہ آیا اور کہا: ''حضور، خواجہ کے قید رہنے کی جگہ بتلائیے تو میں چھڑا لاؤں۔''

حیرت نے پوچھا: ''تو کون ہے؟''

اس نے کہا: ''میں ضرغام عیار ہوں۔''

حیرت کو اس کی صورت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کیا خوب صورت بنائی ہے۔ بس اس نے کہا کہ ''ایک خیمہ قریب بارگاہ ظلمات ہے۔ اس میں متین جادو رہتا ہے۔ اس نے قفس جس میں عیار ہیں، اپنے سینے کے مقابل لٹکایا ہے۔ کئی سو ساحروں کا در خیمہ پر پہرا ہے۔ اندر خیمے کے ساحر مذکور خود حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے پاس جائے تو وہ مارا نہ جائے گا، اس سبب سے کہ نقش جمشیدی اپنے پاس رکھتا ہے۔ چنانچہ جو کوئی خواجہ کے چھڑانے کا قصد کرے تو اول کسی تدبیر سے نقش جمشیدی اس سے لے، کیونکہ خواجہ کا قفس بھی بغیر اس نقش کے لگائے نہ کھلے گا۔ جب نقش عیار حاصل کرے گا تو اس کی تاثیر یہ بھی ہے کہ خواجہ وغیرہ کو کوئی باہر خیمے کے آتے نہ دیکھے گا۔''

ضرغام یہ حقیقت سن کر گویا ہوا کہ ''اے بی بی، میں ابھی جا کر خواجہ کو لاتا ہوں۔''

حیرت نے کہا: ''یہاں سے نہ جاؤ، اپنی جگہ پر سے جانا۔''

عیار مذکور تامل پذیر ہوا۔ ملکہ بہار بھی کچھ دیر ٹھیر کر رخصت ہوئی، اور اپنے تخت پر بیٹھی۔ ضرغام باغ سے باہر نکل گیا، تخت سحر پر نہ بیٹھا ملکہ نے تو سحر پڑھ کر لشکر میں اپنے تئیں پہنچایا، اور اس نے لشکر ملکہ ظلمات کا راستہ لیا، اور اسی خیمہ متین کے پاس حسب نشان دہی حیرت آیا۔ یہاں دربانوں نے روکا۔ یہ زن حسینہ تو بنا ہوا تھا ہی۔ ان سے گویا ہوا کہ ''موؤ، کچھ شامت تمہاری آئی ہے۔ مجھ کو بھی کوئی اور مقرر کیا ہے؟ لو دیکھو، سوجھو'' یہ کہہ کر ایک کاغذ مہری بادشاہ طلسم کا کمر سے نکال کر دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ''اے متین، ہم تمہارے حسن انتظام سے بہت خوش ہوئے۔ ازبسکہ تم بسبب حفاظت قیدیاں شریک جلسہ عشرت شادی نہ ہو سکے اس لئے رتبہ بھی تمہارا افزوں کیا گیا کہ جس کا حال آئندہ تمہیں ظاہر ہوگا۔ اب یہ عطیہ دعوت کے لئے تمہاری بھیجا ہے۔''

یہ مضمون اس کاغذ کا دیکھ کر دربان تو خاموش ہوئے، اور یہ اندر خیمے کے گیا۔ دیکھا کہ بہت آراستگی ہے، شمعہائے مومی وکافور روشن ہیں، فرش پر تکلف بچھا ہے، پلنگڑی پر جواہر کی ساحر لیٹا ہے، قفس اس کے سینے پر ٹنگا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے آگے جا کر ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا۔

متین کچھ نیم خفتہ تھا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ آنکھ مل کر جو دیکھا تو بالیں پر آفتاب محشر نظر آیا، جس نے خواب عدم سے فتنۂ خفتہ کو جگایا، کتنوں کو خواب گہ گور میں سلایا، یعنی ایک نازنین شوخ وبیباک، قاتل خلق، پرفن اور سفاک...... بایں شکل وشمائل وہ قمر پیکر میرے

سامنے کھڑی ہے، شمع و چراغ کو بھی تو اس کے دیدار کی لگی ہے، فروغ وضیائے رخسار شمع کی روشنی کو اندھا بناتی ہے، چھوٹ اس کے حسن کی پڑ رہی ہے۔ یہ دیکھتے ہی ہنستا ہوا اٹھا اور ہاتھ اس گل بدن کا تھام کر گویا ہوا کہ:

"جان من با آنکہ خاص از بہر رفتن آمدی
ساعتے بنشیں کہ عمر جاوداں گویم ترا"

اس نازک اندام نے ہاتھ چھڑا ما تھا کوٹ لیا "اے میرے سامری، میں نگوڑی جہاں گئی، مردوں نے مستانی ہی سمجھا، لگے دھر پکڑ کرنے، اور موؤں کو غیرت نہیں آتی یہ مستی جتاتے ہوئے وہ جو کہتے نہیں کہ:

ہونٹوں سے ہونٹ منہ سے مرے منہ ملا لیا
چھیڑا کچھ اس طرح کہ گلے سے لگا لیا

اے میاں، کچھ سوتے سوتے بدخواب تو نہیں ہو گئے۔ کچھ جان کی خیر ہے، ذرا اپنے ہوش میں آؤ۔ میں صدقے میں دوں اس نوکری کو جس کے کارن آبرو جائے۔ میں نگوڑی کہتی تھی کہ اے ملکہ، اس ادھ رتیا کو مجھے غیر مرد کے پاس اکیلے میں نہ بھیجئے۔ تو نہ مانا، میری قسمت کا لکھا آخر وہی پیش آیا نا کہ یہ مردوا مجھ کو اُدماتی سمجھا کہ:

ہر کجا رفتی ہلالی عاقبت رسوا شدی
جائے آں دارد کہ رسوائے جہاں گویم ترا"

متین نے جو یہ باتیں سنیں، اس کی ادائے دلبری پر اور زیادہ فریفتہ ہوا۔ ایک تو وہ سادی سادی وضع، دوسرے یہ متانت، یہ ناز معشوقانہ، تیسرے گوشہ تنہائی، بیتابئ دل نے مسند ہوس پر پاؤں پھیلائے اور پکارا کہ "اے جانی، خفا نہ ہو۔ میرا دل اس وقت قابو میں نہیں ہے...... اور میرا تو تیرے عشق میں یہ حال ہے کہ ایک مدت سے جان دینے پر آمادہ ہوں۔" اس دلربا نے ہنس کر کہا "مردوئے، کیوں باتیں بناتا ہے؟ آج کے سوا تو نے میری پرچھائیں بھی نہ دیکھی ہوگی۔"

اس نے یہ سمجھا ملکہ ظلمات کے پاس سے یہ آئی ہے، اسی کی یہ ملازم ہے، لاؤ اپنا عشق قدیم جتا کر اس بت کو رام کروں۔ یہ سمجھ کر گویا ہوا کہ "واہ وا، اے صاحب، آپ ملکہ عالم پاس اس دن بیٹھی نہیں تھیں جو مجھ کو ملکہ نے ایک کام کو بلوایا تھا؟ بس اسی دن میں آپ کو دیکھ کر فریفتہ ہوا تھا۔"

اس عیار نے یہ تقریر سن کر دل سے خیال کیا کہ اب خوب عشق میں تیرے بے خبر ہے کہ اپنے دل سے باتیں بنا کر مکر تراشتا ہے اور فقرے کرتا ہے۔ یہ معلوم کر کے شرما کر بہ ناز و ادا گردن جھکا لی۔ اس نے یہ ادا دیکھ کر دست ہوس زیادہ دراز کیا، اور پکارا کہ:

''پوچھا جو میں نے دل کوئی تم نے چرا لیا
اتنا ہوا کہ شرم سے سر کو جھکا لیا
بوسے سے چوکتا تھا کہیں دیکھے دل ریاض
لاکھوں میں ایک شخص تھا یہ بھی لیا دیا''

اس گل فام نے مسکرا کر کہا: ''مستیاں پھر جتانا، لو، یہ عطیہ شاہی تو لو۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھ پر مدت سے مرتے ہو۔ تم چاہنے والے سلامت رہو۔''

یہ کہہ کر پاس اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی، اور ایک خاصدان طلائی کمر سے نکال کر اس کے سامنے رکھا۔ اس نے اس کو کھول کر دیکھا تو کچھ گلوریاں اور جواہر رکھا تھا۔ اس پری وش نے اس وقت ایک رقعہ بھی نکال کر دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ''اے متین، یہ جواہر تمہاری دعوت کے لئے بھیجا ہے اور چونکہ خالی کوئی چیز نہیں بھیجتے ہیں، پس حسب دستور گلوریاں بھیجی ہیں۔''

غرضیکہ یہ عنایت اپنی ملکہ کی دیکھ کر وہ ساحر بہت خوش ہوا، اور اس نازک بدن سے کہا: ''اے جانی، ایک گلوری اس میں سے مجھ کو اپنے ہاتھ سے کھلاؤ، میرے قتل پر بیڑا اٹھاؤ۔''

اس گل گوں پیرہن نے مسکرا کر منہ چڑا دیا، انگوٹھا دکھایا، پھر ایک گلوری ہاتھ میں لے کر کہا: ''مردوئے، تو نے بڑی آفت ڈھائی ہے۔ وہی مثل ہے کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ اور پھر نام خدا سے ارمان بھی دل میں بھرے ہیں۔ اور میں نگوڑی تو یہاں آ کر بلا میں پھنس گئی۔ لو، منہ کھولو، گلوری زہر مار کرو، خیر اب تو میری یہ مثل ہے:

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے''

وہ یہ سن گلوری اس کے دیتے ہی کھا گیا، اور کہا کہ:

''اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوق فضول و جرأت رندانہ چاہئے''

یہ کہہ کر چاہتا تھا کہ سرگرم اختلاط ہو، مگر گلوری میں بے ہوشی ملی تھی۔ اس نے اثر کیا،

یہ بے ہوش ہو گیا۔

(ضرغام عمرو اور برق کور ہا کرتا ہے، اور یہ سب اپنے لشکر میں پہنچتے ہیں)

خواجہ سے ہر ایک سردار ملا۔ ملکہ بہار نے جملہ حقیقت اپنی بہن ملکہ حیرت کی بیان کی۔ خواجہ نے فرمایا کہ ''تمہاری ہمشیرہ اپنا وقت گانٹھتی ہے، مسلمان کبھی نہ ہو گی۔ اور اس سے کہہ دینا کہ تم اطمینان رکھو، ہم ظلمات کو قتل ضرور کریں گے۔''

(آخر بہت سے معرکوں کے بعد عیار ظلمات کو قتل کر دیتے ہیں۔ افراسیاب اس کی لاش پر آتا ہے)

بادشاہ اس کے جسم خون آلود سے لپٹ گیا، اور رخسار پر رخسار اپنا رکھ کر پکارا کہ ''اے صاحب، ایسا سوئی ہو کہ تن بدن کا بھی ہوش نہیں، اپنے شیدا کی محبت کا جوش نہیں۔ اے شرم و حیا دکھانے والی، لوگ آتے جاتے ہیں، تن اپنا ڈھانکو، اے صاحب ہاتھا پائی کرنے میں ہانپو، اے جانی، پھر شرما کر نیچی نظریں کر لو۔ پھر جھجک کر گلے سے لپٹو، پھر ہم سے روٹھو، اپنا ماتھا کوٹو، ہائے، وہ دور ناز و غمزہ کدھر گیا، اس چاندی تصویر کو کون خون میں بھر گیا۔ اے میری پیاری، اس جنگل کی فضا تم کو بھا گئی، شب وصل میں جاگی تھیں جو ایسی نیند آ گئی۔ ہائے کونسی نظر بد تمہیں کھا گئی، تخت سلطنت تمہارے بغیر سونا پڑا ہے۔ ارکان دولت میں رونا پیٹنا پڑا ہوا ہے۔ سب مجرائی واسطے تسلیم کے حاضر ہیں، تمہارے برآمد ہونے کے منتظر ہیں۔ اے صاحب، نذریں اٹھ کر لو، خلعت سرفرازی دو۔ اے دلدار، میں تجھ کو اب کہاں پاؤں گا، اور کس کس ادا کو دل مضطر سے بھلاؤں گا!''

(ظلمات کی تجہیز و تکفین ہو جاتی ہے)

بادشاہ...... ازبس کہ مدت سے فریفتہ جمال ظلمات تھا، اور وصل وہ ملکہ قبول نہ کرتی تھی، اب مراد بر آئی تھی، بس جدائی اس کی بہت شاق گزری، اور اہل دربار سے شکایت کی کہ ''دیکھو ہم پر یہ سانحۂ عظیم تر گزرا، لیکن ملکہ حیرت نے جھوٹوں بھی مجھ کو نہ پوچھا کہ تم کیسے ہو۔ کیا بادشاہوں کے محل نہیں ہوتے ہیں؟ پھر اس کا رشک ایسا کرتے ہیں کہ اپنے وارث کے دشمن بن جاتے ہیں؟''

وزیروں نے کہا: ''واقعہ میں یہ ان کی نادانی ہے۔ اب حضور ان کی خطا معاف کریں۔''
یہ کلمات تو بادشاہ سے کہے، اور مخفی ملکہ مذکور کو لکھ بھیجا کہ ''اے ملکہ، تم کو لازم ہے

نامہ مشتمل بر عذر لکھ بھیجو۔''

حیرت مرگ ظلمات کی خبر سن کر خورسند ہوئی تھی کہ عرضی اعیان سلطنت کی پہنچی۔ اس نے مناسب سمجھ کر نامہ لکھا کہ ''اے بادشاہ، مجھ کو نہایت صدمہ آپ کی معشوقہ کے مرنے کا ہوا۔ قسم ہے سامری کی، میں ان کے آنے سے ناراض نہ ہوئی تھی، بلکہ اتفاقیہ یہ امر ہوا کہ حضور سے اس وقت کج بحثی ہوگئی۔ اب میں اس فعل پر نادم ہوں، اور دعا کرتی ہوں کہ رنج خاطر شریف دور ہو، دوست شاد دشمن پامال رہیں، ملازم خوش حال اور آپ بااقبال رہیں۔''

یہ نامہ زمرد جادو لے کر آئی۔ بادشاہ کو نذر دی، گرد پھری اور نامہ دے کر کہا: ''ملکہ نے رو رو کر جل تھل بھرے ہیں۔ یہی کہتی ہیں کہ میرے وارث کو سامری اس صدمہ جانکاہ سے بچالے، اور مجھ کو چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ میری طرف سے بہت سمجھانا، میری جان کی قسم دلانا۔ اے بادشاہ، چلیے ملکہ کے پاس اور انہیں منا لائیے۔''

شاہ طلسم نے فرمایا کہ ''وہ میری جان و مال کی مالک ہے۔ سوا اس کے کون میری دلداری کرے گا؟'' یہ کہہ کر وہاں سے اسی باغ میں کہ جہاں حیرت فروکش تھی آیا۔

کنیزوں نے تسلیم کی، انیسان ملکہ نے بلائیں لیں۔ ملکہ موصوفہ بادشاہ کی صورت دیکھ کر رونے لگی، بادشاہ نے اشک اپنے ہاتھ سے پاک کیے، ملکہ نے ہاتھ ہٹا دیا اور کہا: ''چلو میں ایسے پھلاسڑوں میں نہیں آتی۔ وہی مثل ہے کہ جب آنکھیں ہوئیں چار، دل میں آیا پیار، آنکھیں ہوئیں اوٹ، دل میں پڑی کھوٹ۔ آج تک نہ پوچھا کہ تم پر کیا گزری۔ جب رنڈی بازی سے فرصت ملی تو یہاں آئے۔ میں ایسی الفت سے درگزری۔''

انیسوں نے یہ کلام سن کر کہا: ''اے شہزادی، یہ تمہاری بیکار کی لڑائی ہے۔ اے بیوی، رہتا پانی رہ گیا اور بہتا پانی بہہ گیا۔ اب ان باتوں کا ذکر کیا؟ شہنشاہ خود رنجیدہ خاطر ہیں۔ ہمارے سر کی قسم، ان کی دل جوئی کرو۔''

شاہ جاوداں نے انیسوں سے خطاب کیا کہ ''جمشید کی قسم، میں ان کی انہیں باتوں سے گھبراتا ہوں۔ جب دیکھیے تب جلی کٹی کرتی ہیں۔''

انیسوں نے کہا: ''اے میاں، ناز کر ناز بردار سے اور سودا کر خریدار سے، مثل چلی آتی ہے، دوسرے یہ کہ آخر بیوی ہیں، کوئی ہاتھ پکڑی تو ہیں نہیں۔ پھر رنڈی منڈی سے جلیں گی نہیں کہ گھر برباد ہوتا ہے؟ آپ کو مناسب ہے کہ ملکہ کو گلے لگا لیجیے۔''

بادشاہ ہاتھ پھیلا کر بڑھا۔ ملکہ نے اس انیس کی طرف تیوری چڑھا کر کہا کہ "خوب تو نے مجھ کو خیلا بنایا ہے تو آپ بادشاہ پر مرتی ہے۔ حسرت میں بھری ہے۔ گلے سے کیوں نہیں لپٹتی ہے؟"

انیس نے کہا "چلو، میں ہی سہی۔ کیا کروں، تمہیں کو گلے ملتے دیکھ لوں، قصور معاف میں ہی تو رویا کرتی تھی؟ اے بیوی، بس باتیں نہ بناؤ۔ لو آؤ، گلے سے مل جاؤ۔"

یہ کہہ کر ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، اور بادشاہ کے قریب کر دیا۔ اس نے آغوش محبت میں لیا، ملکہ نے غصہ ہو کر کہا: "ارے مردوے، میرا ہاتھ دکھا جاتا ہے! کچھ تیری شامت آئی ہے؟ واہ، مجھ کو یہ ہنسی نہیں بھاتی ہے۔ لو، اور چونچلے کی خوبی دیکھو۔"

ملکہ کا بکنا کسی نے نہ سنا، گلے لگا کر ایک بوسہ رخسار نازک کا لیا۔ پھر تو ملکہ نے خوب اپنے دل کا حوصلہ نکالا، اور گلے اور شکووں کا دفتر کھولا:

"مبارک ہو جو بھایا خوب بھایا
مزا اچھا کوئی دل میں سمایا
مبارک آپ کو ہو آپ کا گھر
بلا سے گر پھروں میں خوار مضطر
پیاس عشق چھوڑا مجھ کو تنہا
اجی اچھا کیا اس سے مجھے کیا
کسی کے دل پہ میں حاکم نہیں ہوں
بلا سے ہو تمہاری میرا گر خوں
بنایا تم نے مجھ کو فاحشہ کیا
کہ جب چاہا گلے آ کر لگایا؟
کبھی تم سے تعلق اب نہ ہو گا
زیادہ اور اس سے اب کہوں کیا؟
مناسب ہے کہ مر جاؤں اسی دم
کہ پھر باہم نہ ہوں تا حشر ہم تم"
یہ کہہ کر اک نکالا اس نے خنجر
یقیں تھا اس کو پہنچائے جگر پر

وہیں سلطاں نے روکا ہو کے بیتاب
کہا اس سے کہ "سن اے رشک مہتاب
میں صدقے، ہوش کیوں کھوتی ہو جانی
ابھی دیکھو بہار نوجوانی
مجھے دشمن تم اپنا جانتی ہو
طبیعت کو نہیں پہچانتی ہو"
یہ کہہ کر پس گلے سے اس کو لپٹا
بہایا اشک کا آنکھوں سے دریا
بہم زاری رہی تا دیر باقی
پھر اس کے بعد بدلا رنگ ساقی

غرض دونوں میں اتفاق ہوا، دور دلوں سے نفاق ہوا۔ انجمن عشرت مرتب ہوئی، دور ساغر چلنے لگا۔ خلوت میں وصل کا ڈھنگ جما۔

(جلد سوم)

رنگ میں بھنگ

(ملکہ) بہار نے حکم مہیائے سامان دعوت کار پردازان ریاست کو دیا اور فرمایا کہ باغ میرا آراستہ ہو...... اس گلشن پر ویرانی چھائی تھی، اداسی ہر رخ پر آئی تھی۔ سوسن کا لباس کبود تھا، سرو آزاد غم سے جھک گیا تھا، گویا درد آلود تھا۔ چنبیلی زرد ہوگئی تھی، سنبل کے بالوں بالوں پر گرد جمی تھی، نرگس حیران تھی، زلف بنفشہ پریشان تھی۔

مختصر یہ کہ اب اس میں بہار از سر نو آئی، شمع رخسار گل پر ضو آئی، مالنیں کھرپیاں جواہر کار لے کر برگ و بار خزان دیدہ چمنستان سے دور کرنے لگیں۔ درخت سینچے گئے۔ تھالوں میں آب رحمت بھرنے لگیں۔ سر تراشی سے جوانان چمن کا خط اصلاح پذیر ہوا، دن بھر چاندنی دیکھنے کا انتظام ہوا۔ یہ کیفیت ہوئی کہ شجر گل بصد تجمل قبائے ارغوانی زیب قامت فرما کر اور رنگ چمن پر جلوہ گستر ہوا۔ بہار کو نظم و نسق سپرد ہوا، ہوائے فصل بہار پیش

کار ہوئی، نئے نئے گل کھلانے پر تیار ہوئی۔ رعب شہریار گل سے دبے پاؤں آنا، صرصر خزاں کو بھگانا کہ زیادہ شاخوں کو نہ ہلائے، جسم نازک ان کا نہ دکھائے۔ دیوان کدۂ گلشن میں صیاد پر بیدخلی کا پروانہ جاری، گل چیں کے لئے تجویز سزا کی بہت بھاری، بلبل وخزاں کی در پیشی روبکاری۔ خزاں کو حکم شہر چمن سے نکل جانے کا ملنا، بلبل کا مقدمہ سرسبز رہنا۔ غنچوں کا چٹخنا، نقارۂ در دولت بادشاہ گل تھا، گل عباس شہنا نواز بے تامل تھا۔ تدرو و طاؤس بسان نقیب و چاؤش صدائے دور باش موسم مہرگاں کو دیتے۔ نہال پوشاک سندس واستبرق زیب قامت رعنا کر کے انجمن گلشن میں جم گئے۔ شاخیں گھنگرو غنچوں کا باندھ کر رقاصہ بنی تھیں۔ رامش گری کا عالم دکھاتیں، پتے تالیاں بجاتے، مرغان خوش الحان ترانۂ مبارک بادی گاتے۔ عندلیبان خوش الحان غزلیں گاتیں، مبارک باد کی دھوم مچاتیں......

ملکہ بہار ملکہ زلزلہ وغیرہ کو ہمراہ لے کر داخل گلستان عشرت کار ہوئی۔ پچھلا پہر، دن باقی تھا کہ لب نہر یہ گل عذار زیب وسادۂ سبزہ زار ہوئی۔ خواصان گل پیرہن و یاسمن بدن نے آ کر جام مئے گل رنگ دینا آغاز کیا۔ کنارے جو سبزہ لگا تھا، لطف مے کشی تھا کہ مینا کے فلک سے آفتابی خورشید ساغر مغرب میں ساقی دھرنے بھری، اور سرور نشے کا سواد چشم شاہد شب میں آیا۔ ہر سمت عالم نور نظر میں سمایا...... باغ میں مقیش اڑنے لگا۔ رقص ہونے لگا، بام بارہ دری پر ملکہ بہار مع مہمانوں کے زیر نم گیرہ زرتار میں آ کر جلوہ بخش ہوئی۔

اس وقت کی کیفیت قابل دید تھی۔ وہ جلسہ اگر نظر سے گزر جائے، تمام عمر اسی کی حسرت میں بشر افسوس کر کے مرجائے۔ نازنینوں کے جسم منور کی چمک اور پھولوں کی مہک شبنمی دو پٹوں کی آڑ میں جوبن کی بہار، سینوں پر کچوں کا ابھار۔ قہقہے ان کے خندۂ گل کو شرماتے، لب لعلیں غنچہ نیم بشگفتہ نظر آتے، بھٹلیاں چھاتیوں کی اودی اودی، کنول پر بھونرے کی کیفیت دکھاتیں، زاہد صد سالہ کو جوش مستی میں لاتیں۔ چاندنی کا کھیت کرنا، نہروں کا موج مارنا، پھولوں سے دماغ دھر بس جانا۔ عجیب ایک ہنگامۂ عشرت تھا، سامان مسرت تھا۔

اس عالم میں ملکہ کو صحبت بادشاہ اسلامیان یاد آئی۔ شب ہجر وہ شب مسرت پائی، آہ کا دھواں ایسا بلند ہوا کہ سرو ستان باغ محبت بن گیا۔ درد جگر نے لب خوش رنگ پر جم کر مستی کا عالم دکھایا، دہن تنگ غنچۂ سوسن نظر آیا۔ سینہ داغوں سے گلشن بنا۔ ملکہ زلزلہ سے کسل سفر کا حیلہ کر کے...... وہاں سے آنکھوں میں آنسو بھرے، کاسۂ نرگس کو صدف گوہر بنائے،

موتیوں سے ساغر حباب لبریز کئے بارہ دری میں آئی۔ پردے اس کے چھوڑ کر کنیزوں سے فرمایا کہ خدمت مہمان جا کر بجالاؤ۔ وہ سب چلی گئیں۔ جب تنہائی ہوئی، بے قراری سے کروٹیں بدلنے لگی۔ مگر کسی پہلو قرار نہ آیا۔ قلزم عشق نے جوش مارا، طائرِ عقل اڑ گئے۔ غم ہجر نے بے ہوش کیا۔ چشمۂ چشم اس لئے فرط گریہ سے گہر ریز تھے کہ آنکھوں میں صورت پھرتی تھی، اس پر یہ موتی نثار کرتی تھی۔ جسم دم بھر میں زعفران زار رنج نے بنا دیا، اشک گل رنگ نے رخ رنگیں پر گلگونہ لگا دیا۔ قفس تن میں بلبل جان گھبرائی، برنگ گل چاک گریبان کی نوبت آئی۔ وہ گلشن بن سے بدتر نظر آیا، ابر غم گھر آیا، غنچہ نمط بے کلی ہوئی، گلوں نے یاد اپنے گل کی دلا کر بسان خار کھٹک دل میں پیدا کی۔ پلنگ پر فرط بیتابی سے پاؤں لٹکا کر بیٹھی، اور باد صبا سے مخاطب ہو کر یہ زبان پر لائی کہ:

"اے باد، اگر بہ بنی خوبان سرو قد را
عرض نیاز من کن با ناز پرور من"

(ادھر افراسیاب دور بیٹھا جادو کے ذریعے ملکہ کا حال دیکھ رہا ہے) تا دیر ادائے مستانہ، اور تڑپنا اور بلبلانا ملکہ مسطور کا دیکھا کیا، اور اس میں بھی ہزاروں طرح کا بناؤ اس کا دیکھا کہ زلفیں چہرے پر بکھری ہوئی، دوپٹا طوق گلو میں گھڑ سا ہوا، پاؤں پلنگڑی سے لٹکے ہوئے، چہرہ تمتمایا ہوا، پسینہ رخسار و جبیں پر آیا ہوا، قطرات اشک بسان شبنم رخ گل رنگ پر ڈھلکتے ہوئے، سرمہ بہنے سے نشان خال خال روئے نمود پر بنے ہوئے۔ وہ بیتابی میں اُف اُف کرنا، اور کبھی آہ کرتے وقت منہ بنا کر ہاتھ سینے پر دھرنا، کبھی گھبرا کر ہر سمت دیکھنا کوئی میرا حال نہ دیکھتا ہو، کبھی کسی کی آہٹ پا کر شرما جانا کہ کوئی آتا نہ ہو، کبھی ہونٹوں پر زبان پھیرنا، کبھی تصور یار میں حیران ہو جانا، کبھی کچھ سوچ کر آپ ہی پشیمان ہو جانا۔

(جلد دوم)

نہلے پہ دہلا

جادوگرنیاں آپس میں سمدھنیں بن کر ڈھول بجاتیں اور گالیاں گاتیں، پھکڑ لڑتیں۔
باہم ڈھول جھکڑ ہوتا۔ ہر ایک اپنی خودی سے گم، دل لگی کا عالم۔

دکھلاتی تھی جوتی کوئی آئینہ بنا کے
مٹکاتی تھی پیڑو کوئی تالو کو بجا کے
آنکھوں کو کوئی پھیر کے چمکاتی تھی ابرو
کہتی تھی کہ ”یوں دیکھو پلٹ جاتا ہے جادو“
بیخود کوئی ایسی تھی کہ پشواز الٹ کر
ہو جاتی تھی غصے سے کوئی جامے سے باہر
دکھلا کے انگوٹھے کو بجاتی کوئی تالی
ہنس ہنس کے کوئی دیتی تھی سمدھن کو یہ گالی
”بھاتا نہیں سمدھن ترا غمزہ مجھے پھیکا
ہانڈی کا مزا تیری جو چکھے تو ہے میٹھا
کیاری تیری کیا پیاری ہے، سبزہ بھی اگا ہے
لہلوٹ اسی سبزے پہ سمدھی کا ہے بکرا
سب چاک دلائی ہے تری نیچے سے سمدھن
ثابت نہیں استر ہے نہ مضبوط ہے ابرا“

(جلد سوم)

سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی

بال بنگالے کے، طول شب ہجر عشاق
صورت پاک بنارس کی، زمانہ مشتاق
لکھنؤ کا وہ غضب ٹھسکا، پریرو وقاق
حسن کشمیر تھا مشہور میان دفاق
چشم پنجاب، کمر دہلی کی، شملے کی گات
جسم لاہور کا اور قامت و قد گجرات

(جلد سوم)

جس میں کھائیں، اسی میں چھید کریں

شہزادہ مصروف عیش وعشرت تھا کہ خاطر پر کدورت دہر کا غبار نکلا، نیا ماجرا پیدا ہوا۔ یعنی درۂ کوہ کی جانب سے گرد اڑی۔ جب دامن گرد پنجۂ ظلم صبا سے چاک ہوا۔ دیکھا کہ کئی ہزار زنگیان آدم خور، مسلح و مکمل گینڈوں پر سوار آتے ہیں، اور آگے سب کے ایک حبشی سیاہ قلب و تیرہ رو بالکل الو، جاہل و بدخو، بے ایمان، نطفہ شیطان، مردم آزار، خدا ناترس، کاہل و زبوں شعار...... وہ خبیث بھی کرگدن پر سوار، ارہ پشت، نہنگ گراں وزن باندھے، اور ہر ایک ہمراہی اس کا جلادی اور ستم گری پر کمر کسے، ایک دیو خصلت، چہرے سے قزاقی ظاہر، بے حیائی ان سے اور وہ بے عزتی سے خوب ماہر، قامت جن کے دراز، سچ ہے کہ بے عزتی کی عمر دراز، ہاتھ دامن ہمت کی طرف سے کوتاہ، دل حرص وآز کی طرف گزوں بڑھا ہوا، پاؤں عرصۂ ہمت و پائمردی میں سرگرم رفتار، ایک سمت کو سوار اور پیدل، توے کی طرح ہنستے، بیگن پھٹے ہوئے چہرے ان کے نظر آتے۔ برچھے تسموں میں لگے، سنانیں چمکتیں، ترکش کے پردار تیروں سے بوموں کی دم لگی، یا سنیچر اور ذنب کا قران۔ غرضکہ اسی شوکت و شان سے رواں تھے، اور پیچھے ان بدشعاروں کے کئی سو عورتیں بے مقنع و چادر شتران برہنہ پر سوار بحالت سوگوار تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے آگے ان کے بیٹھے، بال ان بیکسوں کے رخ پر کھلے ہوئے، پیشانیاں ان کی خاک میں بھریں، پیٹھ تازیانوں کی ضرب سے زخمی۔ ہر ایک زن ماہ سیما و مہر طلعت آلودہ غبار، رنج و مصیبت ہجوم یاس و بے کسی ہمراہ، سب کے لب پر نالۂ جان کاہ۔ کسی نے طمانچوں سے منہ اپنا نیلا کیا تھا، گل کو سوسن بنا دیا تھا، کوئی بسان گل گریبان چاک، کسی کے سر پر خاک، غم سے ہر ایک نوحہ گر......

وہ بے چاریاں، آفت کی ماریاں تو شرم سے سر در گریباں تھیں، مگر بچے سہمے ہوئے ماؤں کے کلیجے سے لپٹے اور پانی مانگتے۔ حرامیان لعین ان کے رونے پر ہنستے اور پانی نہ دیتے۔ اس سب بے کسوں کے آگے ایک زن خوب رو شتر پر سوار تھی کہ بال اس کے رخ پر جو کھلے تھے وہ صحرا سنبلستان نظر آتا تھا، یا کعبے پر کافروں کا دھاوا تھا۔ یا ملک حلب زنگیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ آنکھوں سے جوئے اشک اس کے جاری تھے یا مشاطۂ حسن برنگ باغبان گلستان رخ کے لئے مصروف آبیاری تھی۔ گریبان اس کا چاک تھا یا آفتاب ظلم نے

قرص ماہ کو تخت شعاع کیا تھا۔ ایک لڑکا پانچ برس کا سن، بھولی صورت، امیدوں کے دن، گلاب کی پتی اس کے رنگ و رخ کے روبرو، شرمندہ چہرا کملایا ہوا سر برہنہ، کرتا پھٹا، سہما ہوا، آگے اس زن مہ سیما کے بیٹھا تھا۔

(شہزادے کو ان پر رحم آتا ہے۔ وہ حبشیوں کی فوج پر حملہ کر کے سب کو قتل کر دیتا ہے، اور عورتوں کو بعد تکریم لا کے بارگاہ میں ٹھیراتا ہے)

جب وہ بیکسیں آب و طعام سے آسودہ و سیراب ہو چکیں، شہزادہ در بارگاہ پر گیا اور اپنے آنے کی خبر بھیجی۔ وہ عورت جو سب کی ملکہ تھی، اس نے اندر بلا بھیجا۔ جب شہزادہ بارگاہ میں آیا، اس نے جسم اپنا سرتاپا چادر میں چھپا کر تسلیم کی، اور فرزند پنج سالہ کو بھی بہر آداب خم کرایا۔ شہزادہ مسند پر جلوہ گر ہوا اور وہ لڑکے کو لے کر گاؤ کی آڑ میں بیٹھی۔

شہزادے نے فرمایا: ''تم اپنی کیفیت سے مجھ کو ماہر کرو۔ میں تمہارے خاندان تک باآبروئے تمام تمہیں پہنچادوں گا، اور جو کوئی تمہارا دشمن ہوگا اس کو سزا دوں گا۔''

وہ زن نیک سیرت یہ کلمات شفقت سن کر عرض رضا ہوئی کہ: ''اے وارث غریباں، خضر راہ گم کردگاں، تیری ذات ستودہ صفات ہم لوگوں کی حیات کا باعث ہے۔ مجھ شوریدہ بخت کی یہ حقیقت ہے کہ شوہر میرا ملک سلطان تاج بخش نام، کوہ ارم کا حاکم ہے۔ قلعۂ کوہ مذکور میں ساٹھ ہزار فوج جرار اور سرداران کے نام دار تھے۔ یہ لڑکا بھی اسی بادشاہ کا میرے بطن سے ہے۔ میرے جہیز میں ایک لونڈی آئی تھی تو سنگ زرد رونام کہ قوم کی زنگن تھی، اسی کا یہ زنگی کہ جس کو آپ نے قتل کیا ہے، بیٹا تھا۔ چنانچہ یہ حبشی خیرہ سر از بسکہ گھر کا خانہ زاد تھا، اس سبب سے گھر میں آتا تھا، اور اس کا نام میں نے شمشاد رکھا تھا۔ اس بے حیا نے میرے اوپر نگاہ بد ڈالی، اور بے ہودہ ہنسی ہنسنے لگا۔ ایک روز اکیلے میں میرے قدم پر گرا، اور منت کر کے کہا کہ ''اے شہزادی! میری جاں تجھ پر جاتی ہے! واسطہ اپنے دین مذہب کا، اپنے وصل سے مجھ کو شاد کرو۔''

''میں اس وقت اکیلی تھی۔ اس خوف سے کہ یہ مجھ کو ہلاک نہ کرے، گویا ہوئی کہ اچھا میں آج نہیں، اور کسی دن تجھ کو اپنے ساتھ سلاؤں گی۔''

''وہ بے حیا یہ سن کر بہت خوش ہوا، اور مجھ کو اس فعل شنیع پر راضی سمجھ کر پیار کرنے کا ارادہ کیا۔ میں اس مقام تنہا سے ہنستی ہوئی بھاگ کر جہاں اور لوگ تھے، چلی آئی۔ اور وہ

روسیاہ یہ سمجھا کہ ناز معشوقانہ کرتی ہے، خیر آج نہیں، پھر اور کسی دن سہی۔ یہ سمجھ کر باہر محل سے چلا گیا، اور جہاں باورچی، فراش، نائی، درزی وغیرہ ایسے پیشے کے لوگ جو رذیل کہلاتے تھے، بیٹھے تھے، اور انہیں لوگوں سے اس سے یارانہ تھا۔ وہاں بیٹھ کر شیخی بھگارنے لگا۔ یعنی درزی سے مخاطب ہو کر بولا کہ ''خلیفہ، اب ہم نے بھی ایسی کتر بیونت لگائی کہ کچھ دونوں میں قطع ہی اور ہو جائے گی۔''

''نائی بولا کہ ارے میاں، وہ جو تم ہم سے ذکر کرتے تھے، وہی معاملہ ہے؟''

''اس نے کہا، ہاں، وہی۔''

''نائی قہقہہ مار کر ہنسا کہ واہ، یار، لا ناہاتھ! اب کیا پوچھنا ہے۔ مگر، یار، کہیں ایسا نہ کرنا جو سر منڈاتے ہی اولے پڑیں۔ بھئی، اب اور کسی سے ذکر نہ کرنا۔''

''واہ، کیا معقول یار ہیں، اور کتنی فصاحت آمیز اور مہذب گفتگو ہے، اور پردہ دار کا راز کس قدر ہے کہ ایک جلسہ عوام میں اس کا ذکر بے باکانہ ہو رہا ہے! غرضکہ اسی طرح باورچی نے بھی اپنے اڑھائی چاول گلائے کہ ''میاں، تم بھی صاحب قسمت ہو۔ وہاں اپنا ہانڈی میں ساجھا کیا ہے کہ جہاں فرشتے کی بھی دال نہ گلتی تھی۔ اب کیا ہے؟ بڑھ بڑھ کے ہتے مارو۔ پانچوں گھی میں، سر تمہارا کڑھائی میں!''

''فراش بولا کہ ارے میاں، چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ۔ ابھی تو وہ ان کی ایسی مطیع ہوگی کہ سامنے بچھ جائے گی۔ انہیں یہ چاہئے کہ فرش نہ ہو جائیں، اس پر چھائے رہیں، جب تو وہ ان پر قناعت کرے گی، نہیں تو اور کسی کو تاکے گی۔ پردے میں زردہ لگانا انہیں بیسواؤں کا کام ہے۔''

''حبشی بولا کہ اب تو اپنا خیمہ ڈیرہ پڑ گیا۔ پھر سمجھ لیں گے جیسا ہوگا۔''

''غرضکہ یہ تو اپنا فخریہ بیٹھا بیان کر رہا ہے، ادھر میں نے خواجہ سرا کو بھیج کر سلطان کو بلا بھیجا۔ بادشاہ محل میں آئے، میں نے تعظیم کر کے مسند پر بٹھایا، اور صاف صاف تو اپنے حال کا اظہار نہ کیا، باب سخن اس طرح کھولا کہ سنو صاحب، میں ان میں تو ہوں نہیں کہ اپنی پارسائی جتاؤں، اور کہوں کہ لوگ میرے دامن پر نماز پڑھیں، میرا منہ اس قابل کہاں! سو خرابیوں کی خراب، ہاں، خاک چاٹ کے کہتی ہوں اور خداوند، بڑا بول نہیں بولتی ہوں، جہاں مجھ نگوڑی کو کوئی پارسا نہ کہے گا تو بدکار بھی نہ کہے گا اور کچھ میں ایسی خوب صورت بھی

نہیں، لیکن اچھی نہیں تو اب اتارنے جوگا بھی نہیں؟ خیر، جو سو سے بری تو دس سے اچھی ہوں۔ اے میرے خالق، تیرے صدقے جاؤں، تو نے ناک نقشہ درست بنایا، لولا لنگڑا، کانا کھدرا نہیں پیدا کیا۔ اے بادشاہ، اس گئے حال پر اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے کنبے میں جو شہزادیاں ہیں، ان میں بیٹھوں تو یہ کوئی نہ کہے گا کہ ان میں یہ ملتی نہیں، بلکہ میرا ہی پیلا چہرا ان کے حسن سے کہ جو خوبصورتیں کہلاتی ہیں، اچھا معلوم ہوگا۔''

''بادشاہ نے یہ باتیں سن کر فرمایا کہ اے ملکہ، اس وقت پارسائی اور حسن کا ذکر کیا ہے؟ واللہ تم پری سے بہتر ہو، اور اگر تم بدصورت بھی ہوتیں تو میرے نزدیک حور تھیں، کیونکہ عورت کو پارسا ہونا، اور رضا جوئی شوہر کرنا ہزار حسن سے بہتر ہے۔ آخر کہو، کسی نے تم کو برا کہا ہے یا عیب لگایا ہے؟ کیا ماجرا ہے؟''

میں نے کہا: ''حال تو کچھ نہیں، جوان جہان ہوں۔ یہ موا حبشی شمشاد محل میں نہ آیا کرے۔ دیکھو صاحب، کل کو تمہیں مجھ کو بدراہ کہنے لگو گے۔ میں سچ کہوں، یہ حبشی موا بدنظر ہے، آج مجھ سے دل لگی کرتا تھا۔''

''بادشاہ نے جو یہ سنا، آگ ہو گئے، اور فرمایا کہ لوگ جا کر اس کو پکڑ لائیں۔ ملازم جب تک جائیں جائیں، ماں اس کی جو محل میں موجود تھی، پیٹ پکڑے باہر گئی اور مقام عملہ پر جا کر جہاں بیٹا اس کا ڈینگ مار رہا تھا، پہنچی۔ وہاں اور اتفاق سنئے کہ حبشی اپنے یاروں سے باتیں کر رہا تھا اور کپڑا قطع کرانے اور خط نائی سے بنوانے دو ایک ملازم بھی آئے تھے۔ انہوں نے بھی یہ حال سنا، اور سمجھے کہ کسی کا ذکر ہوگا۔ انہیں باتوں میں نائی کہہ بیٹھا کہ ''بھائی، اب تم سے ڈرنا چاہئے کہ آدھی گدی کے تم بھی مالک ہوئے۔ بادشاہ نے آدھم آدھ سا جھا کیا۔''

''یہ سننا تھا کہ ان شریفوں کے ذہن میں آیا کہ شہزادی کا ذکر ہے۔ بس پھر تو جوتا پاؤں سے اتار کر ہٹ تیرے خلیفہ کی ایسی تیسی، آؤ دیکھا نہ تاؤ، پڑاپڑ کی صدا آنے لگی۔ ایک دو اور تین، پھر کون گنتا ہے! نائی کو آشنائی حبشی کی راس نہ آئی۔ چندیا گنجی ہوگئی۔ باورچی کا قورمہ کر دیا، فراش کے مارے جوتیوں کے فرش کر دیا، درزی کی قطع بگاڑ دی، سر میں بخیہ کی حاجت ہوئی۔ ایک غلغلہ ہوا، کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی، سوائے اس کے کہ ''کیوں بے، پھر کہے گا، ارے حرام زادے، اور کچھ لے گا؟'' اور ''تیری نائی کی یوں کی یوں، تیرے باورچی کی یوں کی یوں۔ تڑ تڑ، پڑاق پڑاق، لوگ اور طرف سے آ گئے ہیں، وہ سمجھاتے ہیں: ''ارے بھئی جانے دو۔ ارے میاں، کیا

ہوا؟'' ان سے ذرا بھی کچھ اشارہ اس حال کا کسی نے کر دیا، وہ لوگ بھی مارنے لگے۔

''غرضکہ حبشی کے یار تو خوب پٹے، اور اسی ہنگامے میں تو سنگ زرد رو پہنچی، اور بیٹے کے دو ہتڑ مارا کہ ''ارے، بادشاہ نے تیرے قید کرنے کا حکم دیا ہے، شہزادی نے تیرا ماجرا بادشاہ سے کہا ہے۔''

''یہ سنتے ہی زنگی کا منہ سفید ہوا، وہ سرخی بشاشت کی کافور ہوئی۔ مع اپنی مادر زرد رو کے وہ سیاہ رو گریزاں ہوا، اور یہ دونوں سبز قدم بھاگ کر باہر نکل گئے، اور روپوش ہوئے......''

(تین سال بعد ایک دن بادشاہ شکار میں فوج سے الگ ہو گیا۔ اتنے میں ایک شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس حبشی نے آ کے اس کی جان بچائی۔ بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر دیا اور اس کو سپہ سالار بنایا۔ حبشی نے امرا سے سانٹھ گانٹھ کر لی، اور ایک دن بادشاہ کو دھوکے سے لے جا کر ایک قلعے میں بند کر دیا)

''زنگی رد سیاہ نے قصر شاہی کا محاصرہ کر لیا اور مجھ شوریدہ بخت سے کہلا بھیجا کہ اے زن پر فن، اب مجھ کو منظور نہ کرے گی تو اس حال خراب سے تجھ کو قتل کر دوں گا کہ فلک غدار و روزگار آزار کو تجھ پر رحم آئے گا۔ اور میں ترس نہ کھاؤں گا۔''

میں نے کہلا بھیجا کہ ''اس اژدرِ زہر آلودِ ستم سے کہہ دو کہ خزانۂ حسن میرا تیرے لئے نہیں...... اور میرے بوستانِ جمال میں زاغ و بوم کا گزر نا محال ہے، ہر چند کہ میرے وارث رہے نہیں مگر

گر ھما از جہاں شود معدوم
کس نیابد بزیر سایہ بوم''

''یہ کلام جو اس بد انجام نے سنے، کچھ فوج لے کر محل میں در آیا۔ اس وقت عجب طرح کا تلاطم مشکوئے خسروی میں برپا ہوا۔ بحرِ غم گویا جوش میں تھا، نواب ناظر، خواجہ سرا اور قلماقنیاں، ترکنیں، اردو بیگنیاں، کنیزانِ یاسمن پیکر، لاٹھیاں اور تلواریں وغیرہ جو کچھ حربہ کہ ان کو دستیاب ہوا لے کر اس خیرہ سر کے مقابل ہوئے۔ لیکن یہ پریزاد اس دیو قوی ہیکل کا سامنا کیا کرتے؟ قتل ہوتے تھے، مگر جھپٹ کر اس کو گھیرتے تھے، اور چار سمت سے تیغ و سنگ و چوب لگاتے تھے، مگر وہ جب اوجھڑ سپر کی مارتا، دس دس گر کر تڑپنے لگتے۔ جب وہ قبضۂ شمشیر لگاتا، سر پھٹ جاتے، جب کہنیاں ہوں کر کے گھماتا، آدمی آدمی پر گرتا، ایک ہنگامۂ عظیم برپا تھا، جوان عورتیں تو لڑ کر زخمی ہوتیں اور جان دیتیں، بڑھیاں گود پھیلا کر کوستیں کہ: اے، تیرا ز ورڈھے جائے! خدا تجھ کو غارت

کرے! موئے مرنے جوگے، تجھ کو آج ہی ہیضہ آئے۔ میرے قد برابر بجلی کڑکتی تجھ پر گرے۔"

"ایک طرف خواصوں کا زیور لٹ رہا تھا، ایک سمت زخمی عورتیں کراہ رہی تھیں۔ محل میں لاشیں نازنیناں گل اندام کی پڑی تھیں۔ بعض عورتیں خوف سے کنویں میں گری تھیں، بعض کوٹھوں پر سے پھاندی تھیں، بعض تہ خانوں میں چھپی تھیں۔ میرا یہ حال تھا کہ انگشتری الماس کی کچل کر پھانکنا چاہتی تھی، مگر دایہ اور کھلائی وغیرہ میں انیسیں ہاتھ پکڑ لیتی تھیں کہ "اے شہزادی، دیکھو تو کیا ہوتا ہے۔ دنیا میں کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے۔ یکساں زمانہ نہیں رہتا ہے، پلک مارنے میں حال دگرگوں ہے، جان دینا زبوں ہے۔"

"غرض سب رفیقان نیک خواہ میرے بھی قتل و آوارہ و زخمی ہو چکے۔ وہ زنگی میرے قریب آیا، اور مجھ کو بے حرمت کرنا چاہا۔ میں نے کہا "میں اپنی جان دوں گی، مگر تیری آرزو نہ پوری کروں گی۔" وہ موذی سمجھا کہ اس کو اسیر کر کے تکلیف شاقہ پہنچاؤں، آپ ہی راضی ہو جائے گی، یا یہ کہ اس مصیبت میں جان دے گی۔ پس اس نے مع ان عورتوں کے جو آپ نے میرے ساتھ دیکھیں، مجھ کو اسیر کیا، اور اشتروں پر سوار کر لے چلا۔ قلعے میں اس وقت ماتم و شیون برپا تھا، دوست بادشاہ کے میرے حال پر روتے، غم سے جان کھوتے تھے......

غرضکہ وہ زنگی زشت کردار ہم سب کو لے کر اپنے ملک کی طرف (روپوشی کے زمانے میں حبشی نے ایک حبشی نژاد بادشاہ کے یہاں پناہ لی تھی۔ جس نے اس کی ماں کا محل کر لیا تھا) جاتا تھا کہ آپ نے اس دشت میں کام اس شقی نافرجام کا تمام کیا۔ اب باپ اس کا میرا زندہ رہنا سن کر میرے ملک پر یقین ہے کہ آئے اور وہی روز بد پھر دکھائے۔ دوسرے یہ کہ ملک بھی میرا قبضے میں میرے نہیں، اب میں کدھر جاؤں، اور کیا کروں؟ بہتر یہ ہے کہ مر جاؤں!"

شہزادۂ قاسم نے جب یہ سرگذشت اس نیک بخت کی سنی، بے اختیار رو دیا، اور زبان تسکین بیان سے ارشاد فرمایا کہ "اے ہمشیر۔ عصمت مآب و عظمت قباب، وہ سانحۂ عظیم کہ جو تم پر گزر گیا، خواہش و تقدیر و مرضیٔ خدا تھی، کیا اس سے بشر کو چارہ ہے، مجھ کو یہ حال سن کر بہت رنج ہوا۔ اب یہ فرزند سلطان میرا فرزند دل بند ہے، میں اس طلسم میں جا کر تمہارے شوہر کو بھی لاؤں گا، اور انشاء اللہ تعالیٰ اس زنگی کے باپ کو بھی واصل جہنم کر کے اس کی مادر کو سزا دلواؤں گا۔"

(جلد دوم)

شغل بیکاراں

(۱)

......سامان روانگی کرنے لگے۔ سیارہ بن عمرو نے پیش خیمہ اشتر و خاطر پر بار کرایا، بارگاہ طلسم افراسیابی بار ہوئی۔ چالیس ہزار سوار چیدہ روزگار، سات لاکھ کے لشکر سے بہر ہمراہی منتخب ہوئے۔ قراول، بہلیے، میر شکار، یوز باشی جانوران شکاری لے کر اسی وقت کوچ کر گئے، باز دار باز ہاتھ پر بٹھائے در دولت پر حاضر ہوئے، بحری، ترمتی، باشہ، جرہ ،لگھڑ بگھڑ پسند ہونے لگے۔ موسیٰ نیولے کی چونگلیاں ہمراہ لے چلنے کا حکم ہوا۔ جانوران چرند کے شکار کو چیتوں کی کھٹولیاں تانگوں پر لد گئیں، سگان تازی کی جوڑیاں ڈورے لے کر صحرا کو چلے، دام دار دام بر دوش، چڑیمار فرمان گوش پھنکی کمپا درست کیے، دھوکے کی ٹٹیاں کندھے پر لادے روانہ ہوئے۔ ہاتھی جو شیر کو ٹھکرا کر مار ڈالیں، ان پر چار خانے کھنچ گئے، ہودج زریں رکھے گئے، لباس چرمی فیل بانوں نے پہنے۔ دن بھر یہی سامان رہا......

رات کو بکاول اور جھاڑ ساز اور باغبان جو صحرا کو بہ از گلشن جناں کر دکھائیں، بہر آرائش خیام و مقام روانہ کیے گئے، جنہوں نے پانچ پانچ کوس پر خیمہ آراستہ کر کے نہر چشمہ ہائے دشت کے کنارے گلشن نگار بنا دیا، فرش مکلف بچھا دیا، دیگیں چڑھ گئیں، طعام لذیذ تیار ہونے لگا۔ یہاں شہزادے نے سلح خانہ کھلوایا، تیر عمدہ چھانٹے گئے، تیغیں چورنگ جو خوب کاٹتی تھیں، پسند خاطر ہوئیں۔ شمشیر دو دمہ ہندی زیب کمر کی۔ وہ وہ تلوار جو دم شکار گینڈے کی پشت مثل خیار تر کاٹے، سنگ پشت کا بحر میں لہو چاٹے، پسند خاطر دلاوراں ہوئیں۔ آپس میں چہلیں رہیں۔ کوئی کہتا کہ کچھار میں شیروں کا مسکن ہے، اسی طرف ہمارا کل رواں توسن ہے۔ بندہ تو شیروں ہی کا شکار ہمیشہ کرتا ہے واللہ جو للکار کر بنام اسداللہ الغالب شیر کو نہ مارا تو کچھ کام نہ کیا۔" بعض کا مقولہ تھا کہ "شیر سے تیندوا حرامزادہ ہوتا ہے، میں تو اس کو ڈھونڈ کر ماروں گا۔"

غرضکہ وہ رات اسی حرف و حکایت میں بسر ہوئی۔ جھاڑیوں کا ذکر رہا کہ ہر جھاڑی موجب ہیبت قلب ہے۔ کوئی کہتا کہ پہاڑ کی گھاٹی میں جانے سے روح دلاوراں سلب ہے......

صبح ہوتے ہی مہر سپہر صاحب قرانی مامن بارگاہ سے طالع ہوا اور خانہ مزین کو مرکب شبرنگ زہرہ جبیں کے منور و روشن فرمایا۔ سردار مثل خطوط شعاع گرد اس نیر تاباں کے رواں، چالیس ہزار چلتہ پوش ہمراہ، جوڑیاں نقارہائے نقرہ طلا کی بجتیں...... فی الجملہ جب صحرائے سبزہ زار میں پہنچے جانوران شکاری کو صید پر چھوڑا۔ شکار کا لطف، مرغزار کی کیفیت، چشموں کی طراوت اور لہراتے سبزہ زار کی نزارت دیکھتے روانہ تھے، کبھی چیتوں کو ہرن پر چھوڑا، کبھی شیر ببر کو گھیرا، کہیں پاڑھا نشانۂ تیر ہوا، کبھی آہو بچالہ کی کمند میں اسیر ہوا۔

شہزادہ اسی طرح اس بیشہ کی طرف کہ جس کا ہرکاروں کی زبانی حال سنا تھا، چلا، اور بیشۂ حیرت پوچھتا ہوا آخر اسی وادی میں پہنچا۔ دیکھا تو واقع میں ہرکاروں کے بیان سے اس جگہ کو دو چند عمدہ پایا، قدرت کدیور حقیقی کا جلوہ چشم تقدیر نے دکھایا۔ دامن کوہ کے نیچے نہریں جاری، اتراتی پھرتی باد بہاری، جھرنا جھڑتا، فرہاد کی روح کا حوصلہ نکلتا۔ دامن کوہ پھولوں سے بھرا، آغوش پر تمنائے عاشق میں معشوق رنگین ادا، ہر نہر کے کنارے فوارے چھوٹتے، جس کو دیکھ کر روح محرور مزاجاں درود پڑھے۔ فضائے گلزار سراپا بہار سو جان سے اس جنگل پر نثار، طبقہ ارض پُر بہار، برنگ دامن قبائے دلدار۔ ہر طرح کے پھول اور ہر قسم کا میوہ فصل و غیر فصل کا تیار، نہال پُر ثمر و بار آور سبز رنگان دہر سے کہیں بہتر، شاخ سے شاخ بروش مستانہ یا برنگ مشاق جانانہ عشق پیچاں کی طرح باہم دست و گریباں کہیں جھاڑی مثل زلف شکن در شکن محوشاں پر پیچ جس کے سامنے چوٹی سنبلۂ چرخ اخضری کی ہیچ۔ صبائے بہاریں کا مستانہ بھرنا دم، بط و قاز و قرقروں کے خرام پر جان خوش رفتاراں بے دم۔ کوئل کوکتی، پپیہے کے بولنے پر سوداز دگان محبت کی زبان لہو تھوکتی، طاؤسوں کا رقص، عجب طرح کا جھمکڑا، برسات کی آمد، گرمی کا جانا، ہر جگہ چشمہ ہائے سرد کا لہرانا۔ زمین پر فرش زمردیں بچھا، ہر شجر پر بلبلوں کا چہچہا۔ رضوان اسیر دام الفت وہاں کا ہو کر مثل طائر پھڑکتا، نغمہ سنجی مرغان خوش الحان، نئی طرح کا زمزمہ، خوشبو سے گلوں کی دشت مہکتا، بلبل چہکتا، مسافر خیال کا قدم بہکتا۔ کبھی بدلی گھر آتی، کبھی بجلی چمک جاتی۔ یہ بہار ہر سمت تھی......

شہزادے نے لب نہر بارگاہ آراستہ ہونے کا حکم دیا۔ خیام وغیرہ تو پہلے ہی سے آراستہ تھے۔ شہزادہ گھوڑا اٹھا، امریوں میں آکر ٹھیرا۔ وہاں جھولے پڑ گئے، ستار چھڑ گئے۔ بائیں کی کمک نے ناہید فلک کر ہیچ کارہ بتایا۔ معشوقان گل اندام پہلو میں آکر بیٹھ

گئے۔ محبت کے پینگ بڑھے رنڈیاں جو سرداروں کی ملازم تھیں وہ ہر ایک کے ہمراہ جھولا جھولنے لگیں۔ عجب طرح کا سماں بندھا۔ اس وقت ٹھیک دوپہر کا وقت آ گیا تھا مگر وہ زمانہ بھی خالی از لطف نہ تھا۔ بگولے بن بن کر اٹھتے تھے۔ قامت یار، شوخ وطرار نظر آتے تھے۔ جھونکے ہوائے گرم کے گرما گرمی معشوق کا رنگ دکھاتے تھے۔ جو ہرن جست کر گیا کسی خوش چشم کا رم کرنا یاد آ گیا۔ دشت میں دھوپ کا تھرانا تھا یا مشاطۂ فلک کا عروس عنبر آلود کو آئینہ مصفا دکھانا تھا۔ سطحۂ ارض چمک میں مرأت رخسار جاناں تھا، ذروں کی چمک سے ماتھا شاہد زمین کا پر افشاں تھا۔

(جلد سوم)

(۲)

شہزادہ (تورج) اجازت پانے سے سلام رخصتی بجالایا، اور دربار سے اپنی بارگاہ میں آیا۔ سرداروں کو اپنے بلا کر مژدۂ صید و شکار سنایا۔ ہر ایک خوشنود ہو کر سامان روانگی کرنے لگا۔ شہزادے کے لئے ایک بارگاہ معہ سامان زربفتی اشتروں پر بار ہوئی۔ خیمے ڈیرے ہاتھیوں پر سرداروں کے لد گئے۔ چالیس ہزار سوار زرہ پوش بہر شکار تیار ہوئے، بہادر مسلح و مکمل ہو کر عازم شکار ہوئے۔ قراول، بہلیئے میر شکار، یوز باش حاضر ہو کر جانور پسند کرانے لگے۔ چرخ شگار کئے ڈوریے لانے لگے۔ چیتوں کی بھی کھٹولیاں تانگوں پر کھنچ گئیں۔ جانوروں کے طعمے رد کے گئے، بھوکیں دی گئیں۔ یار، باز، بہری، شاہیں، جرہ، شکرہ، ترمتی وغیرہ، ہاتھوں پر بٹھا کر ٹوپیاں آنکھوں پر چڑھا جانب صحرا روانہ ہوئے۔ طبل طغرل پر چوب پڑی، کمانداروں نے ترکش درست کیا، کمند افگن اور دام دار پہلے سے جنگل میں جا کر کمین گاہ میں بیٹھے۔ قراول لاتی لگانے کی فکر میں پھرنے لگے۔ گور و گوزن کا پتہ لگاتے تھے، سب تو جنگل گھرتے جاتے تھے کہ:

درختوں نے صحرا کے سن کر یہ حال — کہ صید افگنی کا ہے شہ کو خیال
کیا جلد ترتیب سامان صید — لگے کرنے بلبل سے گل مکر و کید
کئے بعد سنبل نے گیسو دراز — کہ مجھ کو بھی کوئی کہے جعل ساز
ہوا نرگس مست کو حوصلہ — کہ آنکھوں کو اپنے ہرن کر لیا

بیچ صحرا میں بارگاہ استادہ کرائی۔ شیروں کے لئے ہوا کرنے کی تیاری ہوئی۔ باجے اور آتش بازی کے ٹوکرے روانہ ہوئے۔ رات بھر یہی سامان رہا۔ جس وقت کہ صحرائے اخضر آسمان میں صیاد دہر نے باز تیز پرواز آفتاب کو طائران انجم پر چھوڑا، اور طاؤس فلک نیلی فام نے دانہ کواکب کو چن لیا۔

که چمکا مہر تاباں جب سحر گاہ
دل شہ کو ہوئی پھر سیر کی چاہ
طلب فوراً کیا شب ریز چالاک
ہوا رونق فزائے زیں وہ بیباک
کچھ ایسا خوبصورت تھا وہ مرکب
کہ پہنچے اس کی تیزی پر خرد کب
غرض گھوڑے کو اس نے جب بڑھایا
سوئے صحرائے لالہ زار آیا

ابھی اچھی طرح روشنی نہ ہوئی تھی کہ کنول بردار فانوس ہائے زریں آگے آگے لئے رواں تھے، ہمراہ سواری ہزارہا نوجوان۔ نسیم سحری فرفر چلتی، غنچۂ خاطر شگفتہ کرتی، بسان شاہد صحر رخسار نازملتی۔ گھوڑے طرارے بھرتے۔ جنگل میں نئے نئے گل کھلے، قطرات شبنم سبزے پر پڑے نظر آتے، مور صحرا میں شور مچاتے۔ کچھ عجب ہنگامہ تھا......

(جلد دوم)

دو پھول تو ایک کانٹا

(شہزادہ تورج ایک جادوگرنی کو قتل کر کے ایک جواہر کا پھول حاصل کرتا ہے۔ جس کے پاس طلسم کی لوح ہے، اس کی جان یہی پھول ہے)

شہزادے نے پھول تو کمر سے باندھا...... اور وہاں سے آگے بڑھا۔ سیر طلسمات کرتا چند منزل طے کر کے ایک ملک کے قریب پہنچا۔ دیکھا کہ حصار شہر پر مصقلہ سونے کا کیا ہے۔ آفتاب کی جوت سے ہر سمت آفتاب نکلا نظر آتا ہے۔ دیوار و در جگمگاتا ہے،

دروازے میں تمام جواہر پچی کاری کیا ہے۔ آیند و روند کا رستہ ہے۔ مرد کم ہیں۔ ہزار ہا زن خوب رو و حور شمائل کا پہرا ہے۔

شہزادہ اندرون شہر قدم زن ہوا۔ اندر آ کر جو دیکھا ہر سمت عورتوں ہی کا انتظام پایا، ہر بازار مینا بازار نظر آیا...... ہر طرف راز و نیاز کی گرم بازاری، خوب رویوں کی طرح داری...... دکانوں میں سرمایۂ عمدہ و بدیع، دوکاندار کی شان رفیع۔ کہیں تنبولن اپنی سرخروئی جتاتی، کہیں ساقن دل عشاق کے دھوئیں اڑاتی۔ تنبولن کی دکان پر ہر ایک جان سُپاری دل خون ہو جانے کا بیڑہ اٹھاتا...... سامنے تنبولن کے آئینہ لگا، ادھر ادھر آئینے کے سونے چاندی کے مرتبان جن میں معنبر و معطر کتھا، چونا، پانوں کی سامنے کھلی ہوئی ڈھولیاں، سرمایۂ نقد و ہوش ڈھو لیتی تھی، حسن پر اپنے موہ لیتی تھی...... وہ لب رنگیں پر اس کے مسّی کی دھڑی اور اس پر پان کا لکھوٹا...... ساقن کے حسن کا بھی یہی حال ہے کہ دم اس کا بھی غنیمت تھا...... وہ میزوں پر قرینے سے پیچوان دھرے، پینے والوں کے دماغ خوشبو سے تمباکو کے بسے اور بھرے فرشی حقوں کی تمنا میں لب فراش خریدار کھڑے۔ یہاں ساقن کے رخ کا پسینہ عرق بہار سمجھ کر نئے جان کو اس سے بساتے، دار و مدار یہ ان سے ہوتے جاتے کہ ''دم بغیر ہم نہ محروم پھریں، تیرے عشق میں، اے گل، یہاں جل جل کر مریں۔''

کسی طرف بزازہ گل بدن دکان لگائے بیٹھی...... مہر طلعتوں کا دل اس کے حسن کو دیکھ کر کتان کی طرح پارہ پارہ، عاشقوں کو کم خواب آتا، دل اسی کا یار گاڑھا۔ اسی طرف ایک سمت شیرینی فروش یعنی حلوائن تلخ کامیٔ خریداران کھویا کرتی...... صرافہ...... وہ حرافہ نوجوان عاشق کوڑیوں کے مول لیتی...... محک امتحان میں ہر ایک بہ نظر سنجیدگی تول لیتی، گانٹھ گرہ کا اس کی زلف رسا کھول لیتی...... ایک طرف گندھن رشک چمن، گل پیرہن...... جو کوئی صندل مول لینے جاتا، اس کو دیکھ کر زر دادن و درد سر خریدن کا نقشہ نظر آتا...... ایک جوہری بچی کان جواہر دکان کو بنائے بیٹھی تھی...... بالا اس کے کان کا ہالہ مہر و ماہ سے بالا، عاشقوں کو بتاتی وہ ٹالا بالا......

شہزادہ...... آگے بڑھا تو قسم قسم کی دکانیں نظر آئیں۔ کہیں میوہ فروش، کہیں ترہ فروش اپنی خوبیٔ حسن کی سرسبزی دکھاتیں، سنکرنیں انگیا میں کولے چھپاتیں، عاشق تن، دولت عشق سے نہال، شجر محبت سے باغ دل ہرے، ثمر الفت سے مالا مال، رنگترے رس

بھرے، عاشق چاشنی ان کی چکھنے کو کھڑے...... کسی مقام پر بھٹیاریوں کی طرفہ آبداری...... حسن نمکین ان کا دل میں شور محبت ڈالتا تھا...... کہیں کلال کی دکان تھی......کلورن نشۂ حسن سے مخمور بیٹھی تھی، پیمانۂ چشم سے شراب غمزہ وناز دیتی تھی۔ بادہ کشوں کا اس جا جماؤ، ہر ایک کی زبان پر لاؤ لاؤ......

شہزادہ......قریب دارالامارت شاہی سیر کناں پہنچا۔ یہاں طرفہ ماجرا دیکھا، کہ قصر شاہی سے بہت دور تک ہزار ہا مالن غنچہ دہن ٹوکریاں پھولوں سے بھرے بیٹھی ہیں۔ ہرے ہرے پتوں کی چنگیریں بنا رہی ہیں، چھڑیوں میں گہنا گوندھ کر لگا رہی ہیں۔

(مالنیں اسے بتاتی ہیں کہ اس شہر کی ملکہ ہوادار جادو کو ایک پھول کی تلاش ہے۔ چنانچہ مالنیں دور دور سے پھول لاتی ہیں، اور شہزادی سب خریدے جاتی ہے۔ یہ سن کر شہزادہ بھی اپنا پھول لے کر کھڑا ہو جاتا ہے)

سہانا وقت ہوتے ہی اس بازار میں سقنیاں بھی نوجوان، حسینہ و جمیلہ تھیں۔ دست نگاریں ان کے حنا آلود، جوڑے ان کے ترچھے بندھے، بادلہ نگارہ لنگیاں کندھے پر ڈالے۔ آڑے تسمے گلے میں پڑے، سونے کے کانٹے لگے۔ وہ ان کا اترا کر چلنا، قمقموں میں انگیا کے واژگوں گلاس کا عالم، لبوں پر مسّی کی دھڑی، اس پر لالی جمی، کالی گھٹا میں بجلی چمک رہی۔ کانوں میں بجلیوں کا تڑپنا، دل پر بجلی گرانا، دست رنگیں کا ہر چھلا عاشقوں کو گل کھلواتا۔ پائے نازک میں کڑے پڑے، نرم دل عشاق کو کڑا پن دکھاتے، پامال ہونے کی ہوس بڑھاتے۔ ان رنگیں اداؤں نے تمام بازار میں چھڑکاؤ کیا، اور سڑک کو ہم شکل آئینہ سکندر بنا دیا، کوچہ کوچہ گلاب کیوڑے سے بسا دیا۔

بعد کچھ دیر کے اہتمام سواری کا ہوتا نظر آیا، آگے آگے صد ہا نازنین کو منتظم پایا۔ پھر ترکنیں، حبشنیں، قلماقنیاں، اردابیگنیاں، داغستانیاں بندوقیں کاندھوں پر رکھے گزریں۔ ان کے بعد کئی سو چوب دارنیاں عصاہائے طلائی و نقرئی لئے، وہ بلبل کی طرح چہکتیں، آوازیں طرقوالی دیتیں، ''ہٹو بچو'' کا شور بلند، ''بڑھے عمر و دولت شہنشاہ ارجمند'' پکارتیں، چاؤشوں کی طرح للکارتی نکلتیں۔ ایک ایک ان میں پری رخسار تھی، حسن کا جوش، جوانی کی بہار تھی۔ وہ ان کا اٹھلا کر پاؤں دھرنا، وہ سر پر تمغوں کا چمکنا، مچھلیوں کا ہلنا...... ان کے گزر جانے کے بعد ہزار ہا کنیزان مہر دیدار لباس ارغوانی و زعفرانی زیب جسم کئے، زیور جواہر

آ گئیں پہنے، مرکبہائے بادرفتار پرسوار پیدا ہوئیں۔ کلغیاں مرکبوں کی چوٹیوں پر لگیں، زین جواہر دوز، پاکھریں پر تکلف پٹھوں پر پڑیں، دھانے رشک ہلال چڑھے کندہ کئے ہوئے ...... وہ نازنین شمشاد قامتاں چھیڑ چھاڑ آپس میں کرتی جاتیں۔ کوئی اپنے عاشق کڑاپن دکھاتی، کوئی آنکھ سے آنکھ لڑاتی، کوئی شرماجاتی، تن کر جوبن کا عالم دکھاتی ...... آئینہ رویوں کا برابر صف باندھ کر چلنا، نواب ناظر اور خواجہ سرا، غلمان پیکر سرگرم اہتمام، ہٹو بچو کا غل، نہایت دھوم دھام، کہاریوں کی صورتیں پیاری، مچھلیاں سروں پر لگیں، لہنگے پاؤں میں بھاری۔ ہر ایک اپنے جوبن میں اتراتی، ہنستی کھلکھلاتی تھی ......

ایک سراپا ناز، عربدہ ساز ہوادار پر سوار، گرد اس کے پریوں کی قطار ظاہر ہوئی، شہزادے نے ایسی صورت کبھی نہ دیکھی تھی ...... اس نازک بدن نے بازار میں پھر کر جتنے گل فروش بیٹھے تھے، سب کے پھول مول لئے اور پھرتی ہوئی قریب شہزادہ آئی۔ طرفہ ماجرا دیکھا کہ ایک گل بدن نوجوانی، شہزادہ حسن میں لاثانی ...... ایک پھول ہاتھ پر رکھے کھڑا ہے۔ غور سے جو دیکھا وہی پھول پایا کہ جو اپنی زندگی کے باغ کا ہے۔ پھول تو باعث حیات ہے، مگر پھول والا سبب ممات ہے۔ دیکھتے ہی ہوائے عشق نے گلہائے ہوس ریاض دل میں کھلائے ...... اپنی کنیزوں سے کہا کہ ''جس پھول کی تمنا تھی وہ آج نظر آیا۔ گل مراد بوستان امید میں باغبان قدرت نے شگفتہ فرمایا، تم جلد یہاں سے جاؤ۔ اس جوان رعنا کو جو پھول لئے کھڑا ہے، میرے پاس بلا لاؤ۔''

یہ حکم سن محکم جادو نام ایک انیس مع چند کنیزان بآئین سلیس روانہ ہوئی، اور بصد انداز شہزادے کے پاس جا کر گل فشانی کی کہ ''اے میاں مسافر، چلو ہماری ملکہ نے تمہیں بلایا ہے ......''

شہزادے کا بھی اس آئینہ رو کو دیکھ کر سکتے کا عالم تھا۔ ان کنیزوں کے کلام کا اس حیران مطلق نے جواب نہ دیا۔ پھر تو وہ قہقہہ مار کر ہنسیں اور گویا ہوئیں کہ ''خدانخواستہ، کیا حضور کے دشمن بہرے ہیں؟ ارے صاحب، ہم غریبوں کی طرف نظر مرحمت فرمایئے۔ ملکہ صاحبہ نے بلایا ہے، تشریف لے چلئے۔''

شہزادے نے اب بھی لبوں سے سخن کو آشنا نہ کیا۔ ایک کنیز نے ان میں سے کہا:
''اے بوا، اس مردوئے کو بڑا غرور ہے، اپنے ٹھسے میں کسی سے آنکھ نہیں ملاتا ہے۔''

دوسری نے کہا: ''بہن، نہیں ایسا تو نہ کہو۔ یہ تو ہنستی پیشانی نظر آتا ہے، چہرہ اس کا روتوں کو ہنساتا ہے۔''

تیسری بولی کہ ''مجھے اپنے دیدوں کی قسم، اتنا اغماض بھی چھوٹے دیدوں نہیں بھاتا۔'' چوتھی نے شہزادے کا بازو پکڑ کر ہلایا اور کہا: ''اے میرے اللہ، آپ کو مارے غرور کے بات کرنا بھی دشوار ہے۔ ذرا تو منہ سے بولیے، سر سے کھیلیے۔ کیا ہم سب کو آپ نے کوڑا سمجھ لیا ہے یا دیوانہ بنایا ہے۔''

شہزادے نے یہ تقریر سن کر جواب دیا کہ ''ہماری چشم نمناک ہے، دل وحشت منزل صد چاک ہے۔ جامۂ ہستی اندام شوق پر تنگ، جینے سے ہم کو ننگ، دل پھوڑے کی طرح ٹپکتا ہے، کچھ خون بدن کا خشک ہوتا ہے، کچھ آنکھوں سے ٹپکتا ہے۔ زبان ناطقہ لال ہے تمہیں کیا بتائیں کیا حال ہے۔

وہ بدخو اور میری داستان عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے''

یہ جملہ سن کر وہ گل اندام پھر کھل کھلا کر ہنسیں، اور آپس میں کہا ''اے بوا، میرا مردہ دیکھے، کچھ بھی تیری سمجھ میں اس مردوئے کا کہنا آیا؟''

اس نے جواب دیا کہ ''بہن، میں تو خاک بھی نہیں سمجھی۔''

یہ کہہ کر تیسری کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا: ''اے بھینا، سچ کہنا، کچھ تیری سمجھ میں آیا کہ اس نے کیا کہا؟''

اس نے جواب دیا کہ ''اپنی جان جوانی کی قسم، جو ذرا بھی میرے خیال میں ان کی بات آئی ہو۔ اب اس سے دوبارہ میں پھر پوچھتی ہوں۔'' یہ کہہ کر آگے بڑھی، اور شہزادے سے گویا ہوئی کہ ''حضور کو ملکہ صاحبہ بلاتی ہیں۔ وہاں قدم رنجہ فرمانے کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟''

شہزادے نے بجواب اس کے کلام کے یہ اشعار پڑھے کہ:

''ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھیرا جائے ہے مجھ سے
سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کی قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے، اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

ان نازنینوں نے کہا: ''اے بہن، واسطہ سامری کا، جلد یہاں سے چلو، نہیں تو دق کا عارضہ ہو جائے گا۔ دم گھبرا کر لب پر آ گیا۔ میں تو سڑن ہو جاؤں گی۔ اس الجھن کی کب تاب لاؤں گی؟''

انہیں میں سے ایک بولی کہ ''نوج بیوی، ایسا گُون متھُون مردوا میں نے نہیں دیکھا، اور نہ یہ تین سیپاروں کا سبق آ تو نے مجھ کو پڑھایا۔ پناہ! اے نہ صاحب، بھلا ان سے کون مغز بھونکائے گا؟ ہاں ہاں، چلو ملکہ صاحب جانیں اور ان کا کام جانے۔''

یہ کہہ کر سب وہاں سے پھریں، آن دادا دکھاتیں۔ ملکہ پاس جا کر عرض پرداز ہوئیں کہ ''واری! وہ مردوا تو نہیں معلوم کیا پڑھتا ہے۔ جمشید قسم، کچھ ہم نگوڑیوں کو سمجھائی نہیں دیا، اور نہ کچھ اس نے ہماری بات کا جواب ادا کیا۔ کچھ عشق عشق بکے گیا۔''

ملکہ یہ سن کر سمجھی کہ یہ شخص کسی پر فریفتہ ہے، جبھی اس طرح حیران کھڑا ہے۔ تو خود چل کر اس مریض عشق کی عیادت کر۔ یہ سوچ کر ہوادار کو بڑھا کر قریب تر شہزادہ شوریدہ سر کے آئی اور اتر کر زمیں پر کھڑی ہوئی۔ شہزادے نے دیکھا کہ سایۂ مردماں بھی اس پر بار ہے نازکی سے کھڑا ہونا دشوار ہے۔ شہزادہ ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہوا، اور اس نازک نے پائنچے سنبھال کر کلائی پر ڈالے، کنیزوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت آہستہ سے لبوں کو جنبش دی۔ اور ہوائے کلام نے گلہائے بیان کی خوشبو مشام شہزادہ میں پہنچائی، یعنی وہ پری سخن زبان پر لائی کہ:

''دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

اے گل چیں باغ محبت، اپنا نام بتا، یہاں آنے کا کام بتا۔''

شہزادے نے گلفشانی اس گل رو کی دیکھ کر فرمایا کہ:

''جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے!''

(یہ سن کر ملکہ سمجھ جاتی ہے کہ یہ مجھ پر عاشق ہے، اور شہزادے کو اپنے محل میں لے جاتی ہے۔ شہزادہ اس پر ایسا لٹو ہے کہ پھول اسے دینے کو راضی ہو جاتا ہے)

ملکہ بھی اس پر فریفتہ ہو چکی تھی، ان باتوں سے اور زیادہ آتش محبت شعلہ ور ہوئی۔ پھول تو ہاتھ پر سے شہزادے کے اٹھا لیا، اور کہا: ''اس بنگلے میں جو نہر کے کنارے بنا ہے، تشریف لے چلیے میں بھی آتی ہوں۔''

شہزادہ اس کے کہنے سے اٹھ کر بنگلے کی جانب چلا، کنیزیں چند ہمراہ ہوئیں۔ حال اس کی دایہ محو جادو نے جو دیکھا پکاری کہ ''ارے، کنواری، تو گور سے درگور ہو، تیرا ستیاناس جائے، اب تو مسلمان ہو کر اس مردوئے کے پہلو میں بیٹھے گی؟''

ملکہ نے کہا: ''دایہ اماں، میں نے محبت جتا کر پھول اپنا اس سے لے لیا۔''

دایہ نے کہا: ''او چھوکری، تیری تو وہ مثل ہوئی کہ جن جائے انہیں لجائے، کیوں مجھ کو دم دیتی ہے؟ میں ننھی بھولی نہیں۔ ساٹھ برس کی جروا۔ تو میرے آگے کی چھوکری، کیا میں تیرے فقرے جانتی نہیں؟''

ملکہ نے یہ کلام سن کر دایہ کو گھڑکا کہ ''جا، دور ہو، مردار! جو میرے جی میں آئے گا کروں گی۔''

یہ سنتے ہی دایہ سر پیٹنے لگی کہ ''ارے، تیرا ستیاناس جائے تو نے مجھ کو مردار کہا! اری میں نے بتیس دھار کا تجھ کو دودھ پلایا۔ گیلے میں آپ سوئی، سوکھے میں تجھ کو سلایا۔ اور تو نے او چھنیسی، مجھے مردار بنایا! تجھے کیا کہہ کے نہ کوسوں؟ رہ تو جا تیری ایسی کی تیسی۔''

یہ کہہ کر دوہتڑا اٹھا کر جانب ملکہ چلی۔ ملکہ نے دونوں ہاتھ پکڑ کر دھکیل دیا۔ پھر تو اور بڑی قیامت ہوئی۔ دائی تو پیٹنے لگی، اور کنیزیں جو دایہ سے جلتی تھیں، باتیں بنانے لگیں۔

ایک بولی: ''انا جی، قصور معاف، جوان لڑکی کے منہ ہر وقت تم چڑھی جاتی ہو۔''

دوسری بولی: ''ہاں بی، سچ تو یہ ہے، ہر وقت کی نصیحت بھی نہیں اچھی ہوتی۔ ملکہ ہی کا، میں سچ کہوں، جگرا ہے جو ہوں سے توں نہیں کرتیں۔ بھلا اور کوئی کاہے کو یہ بولیاں اٹھاتا؟''

تیسری بولی: ''ملکہ ایسی نیک کوکھ کی لڑکی ہے۔ سامری اس کی ماں کی کوکھ ٹھنڈی رکھے۔ مگر صاحب، پھر کہاں تک؟ آدمی ہے، بندہ بشر ہے، مچھلی کے بھی پتا ہوتا ہے، کب تک چپ رہے؟''

چوتھی نے کہا: ''صاحبو، مثل چلی آ رہی ہے کہ رکھ پت رکھا پت۔ انا جی نے وہ زور باندھا ہے کہ شہزادی کا ناک میں دم کر دیا ہے اور نہیں معلوم یہ دونتر کا ہے پر ہے، جمشیدان کا دونتر ڈھائیں! یہ محل سے نکلیں تو روز کی دانتا کل کل جائے۔''

پانچویں گویا ہوئی کہ ''شہزادی کا روز کی تانس میں خون خشک ہو گیا، آدھی نہیں رہی۔ وہ ایسی بے زبان ہے کہ دودھ پیتے بچے کی ماں ہے، اور اس کے زبان نہیں۔ پھر، لوگو، یہ ہیں کون جو ہردم حلق کی دربان، جان پر تعین، مالک مختار بن بیٹھیں؟ دودھ کیا پلایا کہ مول لے لیا!''

چھٹی بڑبڑانے لگی کہ ''ادئی نوج، درگور، چھائیں پھوئیں۔ اس انا کے برابر بھی کوئی جھاڑ کا کانٹا ہو! یہ تو بلا ہے۔ موئی بڑھیا، چھو، ڈائن! جس کے لپٹ پڑتی ہے، پیچھا چھڑانا اس کو مشکل ہوتا ہے۔''

دایہ نے یہ باتیں سن کر کہا: ''ارے ستیاناس، کیوں، موئی باندیو، تم کیوں میری جان کھانے لگیں؟''

لونڈیوں نے کہا: ''انا جی، ہم کہے دیتے ہیں، تم ہمارے منہ نہ لگنا۔ یہ ملکہ صاحب ہی ایسی گیگلی ہیں جو تمہاری اٹھاتی ہیں۔ ہم ایسی چرخاؤں کو ٹھیک بنا دیتے ہیں۔''

دایہ ان باتوں سے کانپتی ہوئی اٹھی کہ ''لو، موئی باندیوں کو بھی دن لگے۔ خدا کی شان! رہ تو جاؤ، مارے جوتیوں کے چندیا گنجی کر دوں گی۔''

کنیزیں دایہ کے اٹھتے ہی اس پر جا پڑیں، کسی نے بال نوچے، کسی نے منہ پکڑ کر مل دیا۔ کوئی سر پر جوتی مارنے لگی۔ کوئی کپڑے پھاڑنے لگی۔ غرض خوب مار پیٹ ہوئی۔ دائی نے بھی مارا، اور بس چلا تو کاٹ کاٹ کھایا۔

آخر روتی پیٹتی دائی تو باغ سے نکل گئی، اور ملکہ ہنستی ہوئی بنگلے میں آئی۔ شہزادے کے پہلو میں بیٹھی، لیکن تکیہ بیچ میں رکھ لیا، اور کہا: ''ارے میاں، جاؤ، ہوا کھاؤ۔ پھول مجھ کو چاہیئے تھا وہ میں نے لے لیا۔ اب تم کون، میں کون؟''

شہزادے نے کہا: ''میں تم کو غنچۂ دل دے چکا ہوں۔ اے پیاری، اب اس پھول کا کیا ذکر ہے؟ اب تو بموجب:

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں''

ملکہ کھل کھلا کر ہنسی، اور شہزادے نے دست آرزو بڑھا کر گود میں کھینچ کر بٹھالیا۔ پھر تو عجب سماں بندھا۔ ملکہ نے اُطاعت اسلام قبول کی۔ دور جام مئے رنگین چلنے لگا۔ گائنیں خوش گلو زہرہ جبیں تانیں لگانے لگیں......

بعد تناول طعام تخلیہ ہوا۔ اب آپس میں چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ اختلاط کا بازار گرم ہوا۔ شہزادے نے کبھی اس راحت جان کو دل کی طرح پہلو میں بٹھایا، کبھی لو چوسی، کبھی گدگدایا، کبھی زانو مسک کر دل شاد کیا، خانۂ شرم و حیا برباد کیا، ملکہ کبھی سہی، کبھی جھجکی، کبھی ڈر جانے کے حیلے سے لپٹ گئی، سینے سے سینہ ملا دیا، کبھی تیوری چڑھا کر عاشق کو رلا دیا، کبھی مسکرا کر منہ سے منہ ملا دیا، مہربان ہو کر عاشق کو ہنسا دیا۔

(جلد سوم)

ہتے پہ ٹوک دیا

(۱)

جو نازنیناں...... در بارگاہ پر کھڑی تھیں، ان میں سے ایک کو احتیاج کی حاجت ہوئی۔ اس نے اپنی ساتھ والیوں سے کہا کہ ''بھینا، مجھ کو جائے ضرور جانے کی حاجت ہے، کوئی چلتا ہے میرے ساتھ؟''

سب نے کہا: ''تجھ کو ہر بار ایسی ہی جگہ پر احتیاج ہوتی ہے۔ بھلا یہ کون موقع ہے؟ شہنشاہ آنے والے ہیں۔ نہ بی بی، ہم میں سے کوئی نہ جائے گا۔ یہ کیا تو نے عادت سیکھی ہے کہ ایک تو آپ جاتی ہے اور دوسرے اور کو لے جاتی ہے!''

ایک عورت نے ان میں سے کہا کہ ''یہ رنڈی اپنے پیلے چمڑے پر اتراتی ہے۔ جانتی ہے مجھ سے بڑھ کر کوئی خوبصورت نہیں!''

اس نازنین نے کہ جس کو احتیاج تھی، ان باتوں کا جواب دیا کہ ''اوئی اتنا میرا پوچھنا کہ ساتھ چلتی ہو، غضب ہو گیا۔ ہزاروں باتیں تم نے مجھے پکڑائیں۔ اگر تم میرے ساتھ نہ جاؤ گی تو مجھ کو کوئی کھا نہ جائے گا۔''

یہ بکتی ہوئی وہاں سے چلی، اور لشکر سے نکل کر ایک گوشے میں بھر رفع احتیاج بیٹھی۔
(جلد سوم)

(۲)

(ایک عیار صنعت جادو کو قتل کرنے کی فکر میں کنیز کی شکل بنا کر آیا ہے)

وہ کنیزیں عہدے ہاتھوں میں لئے کھڑی تھیں۔ کسی کے پاس پنکھیا تھی، کوئی چنگیر پھولوں کا لئے تھی۔ چنانچہ وہ کنیز جس کے پاس گلوریوں کا خاصدان تھا، اس کو ضرورت پیشاب کی ہوئی۔ اور وہ بانداز و ناز پائینچے کلائی پر ڈالے برائے رفع احتیاج چلی۔ جب عیار مذکور کے پاس سے نکلی، اس نے کہا: ''دوئی رنڈی، تجھ کو سوائے اترانے کے اور کچھ نہ آیا! اب مٹکتی ہوئی نہیں معلوم کدھر جاتی ہے۔ کچھ بھی تجھ کو مالک کا خیال ہے؟''

اس کنیز نے اس کو اپنے ساتھ کی سمجھ کے ہنس کر کہا کہ ''اے بی بی، اتراتی تم ہو کہ ہر بات میں مین میخ نکالتی ہو۔ کوئی پیشاب کو نہ جائے، پھر کیا تیرے حلق میں موتے؟''

اس نے کہا: ''جردا، تو بولا کیوں گئی؟ میں نے تیرے نفع کی بات کہی کہ تو جاتی ہے اور خاصدان بھی لئے جاتی ہے۔ اگر ملکہ عالم گلوری مانگیں تو کون دے گا؟ پس نیکی برباد، گنہ لازم، تو مجھی کو قائل کرنے لگی! اچھا تو جان اور تیرا کام جانے۔''

اس کنیز نے یہ تقریر سن کر کہا کہ ''بیوی، ہنسی میں کھسیانی کیوں ہو گئیں؟ لو، خاصدان لئے رہو۔ اتنا کام میرا کرو کہ حضور کو گلوری کھلا دینا، اور جو پان کی قسم سے اور مسالے کی ضرورت ہو، سامنے صحنچی میں مقابہٗ حسن دان وغیرہ موجود ہے، لے آنا۔''

جب ملکہ نے گلوری کھا کے عیار کی صورت دیکھی تو کہا: ''گلوری والی کہاں گئی؟''

اس نے آنکھیں نیچی کر کے شرما کر کہا: ''بی بی، مردوئے بیٹھے ہیں۔ میں کیا کہوں کہاں گئی؟ جس بات سے بشر ناچار ہے وہاں گئی ہیں۔''

(جلد سوم)

آڑی ترچھی

(ملکہ حیرت کی کھلائیاں ریحانہ اور نگار مسلمانوں سے لڑائی میں اس کی مدد کرنے آتی ہیں)

ریحانہ و نگار بارگاہ حیرت میں آئیں۔ ملکہ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے دعا دی کہ ''بچی، مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہو۔ بوڑھ سہاگن ہو، وارث جئے، سہاگ بنا رہے۔ تیری ایڑی دیکھ کے میاں تیرا کسی کا منہ نہ دیکھے۔''

(اس کے بعد وہ) ملکہ سے رخصت ہو اپنی بارگاہ میں آئیں۔ نگار ریحانہ سے بہت چھوٹی ہے، اور یہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ ریحانہ چھوٹی بہن کو بجائے دختر کے سمجھتی ہے اور جب سے شوہر اس کا مر گیا ہے، یہ بہت دل جوئی اس کی کرتی ہے......

اس وقت جو بارگاہ میں دونوں آئیں، نگار نے کہا: ''باجی اماں، میرا تو دم گھبراتا ہے، میں تو سیر کو جاتی ہوں۔''

ریحانہ نے کہا: ''بیٹا، یہ مقام پر آشوب ہے۔ دشمن سے مقابلہ پڑا ہے صدقے، یہ بھی کیا تم نے اپنا گھر بنایا کہ جہاں پایا وہاں ماری ماری پھریں؟ اب یہاں تو بیٹھو۔''

اس نے کہا: ''ابھی تو لڑائی موقوف ہے۔ میں خالی بیٹھ کر کیا کروں؟ نا صاحب، میرا دم اکتا کر نکل جائے گا۔ اور دشمن سے مقابلہ ہے تو کیا، میں اس کے لشکر میں تھوڑے جاؤں گی۔ جنگل میں پھر چل کر دو گھڑی دل بہلاؤں گی۔ پھر چلی آؤں گی۔''

ریحانہ یہ گفتگو سن کر سمجھی کہ جائے گی یہ ضرور، کیونکہ اس کی عادت ہے کہ ایک جگہ تلوا نہیں لگاتی ہے...... یہ سوچ کر اس سے کہا کہ ''بیٹا ہوائی دیدہ تو ہمیشہ سے تم ہو۔ اچھا، اس شرط سے جانے دیتی ہوں کہ لب دریا فرش بچھواؤ، جلسہ جماؤ، ہر سمت دوڑتی نہ پھرو۔ میری جان، میں تمہارے ہی بھلے کو کہتی ہوں۔ یہاں نگوڑے عیار غضب کے ہیں۔ ان سے مجھ کو خوف ہے۔''

بہن نے اس کی کہا: ''اچھا باجی اماں، کیا مضائقہ، کہیں نہ جاؤں گی، ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر دل بہلاؤں گی۔''

(نگار دریا کے کنارے جاتی ہے، اور وہاں ناچ گانا ہونے لگتا ہے۔ ادھر برق عیار اسے قتل کرنے کی فکر کرتا ہے)

برق نے...... اپنی صورت ایک زن حسینہ کی ایسی بنائی...... بجرے پر فرش عمدہ بچھا کر شست ہاتھ میں لے کر سوار ہوا...... اور مورپنکھی رواں ہوئی۔ اس چاندنی رات میں ماہی کا شکاری ماہِ تاباں حسن کھیلتی روانہ تھی۔ مورپنکھی ہوا کی طرح سن سن چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اسی مقام پر پہنچی کہ جہاں نگار لب ساحل جلسہ جمائے بیٹھی تھی...... از بسکہ یہ ساحرہ حسن دوست بہت ہے، تاب نہ لا سکی، کھڑی ہوگئی اور آگے بڑھ کر پکاری کہ ''بہن، ذرا ٹھیرو۔''

اس یم خوبی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کا اشتیاق اور زیادہ ہوا، پھر پکار کر کہا: ''اللہ رے غرور آپ کا اور ٹھسا۔ ہم پکارتے ہیں اور آپ جواب نہیں دیتیں! ارے صاحب ذرا ٹھیریئے، اپنے حسن پر مغرور نہ ہو جیئے، اے بوا، ہم کوئی رذیل نہیں ہیں۔ اپنی جگہ کی شہزادی ہیں۔ قربان آپ کی بے اعتنائی کے! ہم جانتے ہیں کہ بجرا بھی آپ کا ہے، مانگے کا نہیں ہے۔ آپ شہزادی ہیں۔ لیکن اتنا غرور سامری کو پسند نہیں کہ منہ ہی سے نہیں بولتے۔ یہ خلاف انسانیت ہے، ذرا ٹھیر جاؤ، کیا حرج ہوگا؟''

اس قلزم جمال نے اس کے بکنے پر بھی کچھ جواب نہ دیا، جب تو اس کو غصہ آیا۔ اور گھٹنوں بھر پانی میں اتر گئی، اور ماتھے پر ہاتھ برسم سلام رکھا۔

اس بحر حسن نے جواب سلام دے کر کہا کہ ''بہن مجھ کو معاف کرنا، میں ایک کار ضروری کو جاتی ہوں۔ ورنہ تم سے ضرور ملاقات کرتی۔''

یہ کلام جو اس نے سنے اور زیادہ جسارت تکلم ہوئی۔ بولی کہ ''رنڈی، اتنی باتیں نہ بناتی تو کیا ہوتا؟ کیا تمہارے دشمن کسی کے نوکر ہیں جو میاں خفا ہوں گے؟ دیر کیا ہوتی ہے؟ ایسی باتیں میں بہت جانتی ہوں۔ تم مجھ کو کیا چٹکیوں میں اڑاؤ گی؟ تم ایسی دس کو رہ دکھاؤں۔ لو صاحب، ہمارا تو اس پیار سے بلانا، اور آپ کا یہ اترانا! جروا، تو ناک چوٹی میں گرفتار کیوں ہے؟ اتنا بھی روکھا آدمی مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ذرا یہاں آجا، چاندنی کا جلسہ دیکھ اور دو ایک جام شراب کے ہم تم ساتھ پیئیں گے، ذرا ہنسیں گے، بولیں گے، اور ہمارا کیا کام ہے تجھ سے؟''

عیار نے یہ گفتگو سن کر تیوری چڑھا کر کہا: ''اے بی، ہوش میں آؤ۔ حواس پکڑو، عقل کے ناخن لو۔ بھلا مجھ سے تم سے کہاں کی جان پہچان ہے جو اتنا جلد پھسل پڑیں، میرے پیچھے بھوت ہوگئیں، بلا کی طرح چمٹ گئیں! واہ واہ، چو چلے خوبی! بزرگی خردی سب

اس دریا میں ڈوبی، نگوڑی میں کیا جانوں کہ تم کون ہو۔ تمہیں میرے روکنے سے کیا مطلب؟ میں اپنی راہ جاتی ہوں، تمہیں کیا معلوم کوئی کس کام کو جاتا ہے کس کام کو نہیں۔ تم سے کوئی کیا بتائے تم تو لپٹ پڑیں کہ یہاں آؤ۔ یہاں آؤ۔ اے بی، ذرا تمیز سیکھو۔ بوڑھی جروا، بدتمیزی یہ کچھ!''

نگار نے کہا: ''ماشاءاللہ، کیا فرفر زبان چلتی ہے! جھاڑ کا کانٹا ہوگئیں۔ ہماری تو یہ محبت اور عاجزی، اور آپ کی یہ بے پروائی! آپ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ آپ کو خود تمیز نہیں ہے۔ آدمی سے آدمی ملتا ہی ہے۔ میں نے پکارا تو کیا قباحت ہوگئی؟ اے بی آدمی کو آدمیت لازم ہے۔ تم کو اتنی تو انسانیت نہ آئی کہ میں پانی میں تمہارے لئے اتر آئی اور تم نہ ٹھیریں۔ ہاں ہاں، سچ ہے، تمہارا کوئی منتظر ہوگا۔ اس کا پاس کروگی یا میرا؟ سامری کی قسم، میں نے ایسی اول جلول اور جلد باز رنڈی نہیں دیکھی۔ خیر، اچھا ہے۔ اپنے منتظر کی جہاں اتنی دیر ہوئی شاق وہاں لحہ بھر اور سہی۔ تم کو اپنے چاہنے والے کی قسم، تمہیں اپنے دیدوں کی قسم، ذرا ٹھیرتی جاؤ بھئی آگے جائے تو دیدے ہی پھوٹیں۔''

اس گوہر محیط خوبی نے جواب دیا کہ ''اے واہ، تم تو خوب فیل لائیں! اے بی، میرا منتظر نگوڑا کون ہوگا؟ یہ تمہیں ایسی ادماتی ہو کہ جنگل میں منگل کررہی ہو۔ یہ کہو کس کے انتظار میں یہاں آکر بیٹھی ہو؟ مجھ کو بھی وہی راہ سکھایا چاہتی ہو؟ یہ میری جان بخریت ہے۔ بندی ایسے بھرے میں نہیں آنے کی، یہاں جمشید کی قسم، میرا کلیجہ دھک دھک کررہا ہے۔ کبھی اتنی دور اکیلی کاہے کو آتی۔ آج شامت جو آئی، ادھر نکل آئی۔ میں کم بخت کیا جانوں اندھیرے اجالے نکلنا، میرا دیدہ ایسا موٹا کاہے کو ہے کہ غیر جگہ اتر پڑوں۔ اس وقت دل کا حال سامری جانتے ہیں۔ بوٹی بوٹی میری کانپ رہی ہے۔ جب گھر پہنچوں تو زندگی دوبارہ ہو۔

اس نے کہا: ''اے بی، یہ باتیں نہ بناؤ۔ یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ ہم بھی ملازم شہنشاہ کے، تم بھی ان کی رعیت، کسی آدمی کی ایسی طاقت نہیں جو ہم سے آنکھ ملائے۔ تم خوف نہ کھاؤ، اتر آؤ۔ ہماری جان کی قسم، زیادہ نہ ٹھیرنا۔ لمحے بھر میں چلی جانا، میں کوئی پاجی نہیں ہوں، کوہ ریحانہ ونگارستان کی شہزادی ہوں۔''

اس نے جواب دیا کہ ''تم سچ کہتی ہو، لیکن بڑے بھیا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ اگر سن لیں گے تو مار ڈالیں گے۔''

نگار نے کہا: ''آؤ بھئی، چلی بھی آؤ۔''

عیار کو تو اترنا منظور تھا ہی، بعد تکرار بسیار مورپنکھی سے اترا۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر مسند پر لے جا کر بٹھایا۔ ساقی نے جام دیا۔ اس نازنین نے شرما کر جام ہاتھ سے رکھ دیا، اور نیچی نگاہ کر کے بیٹھی۔

نگار اس کا حسن و جمال دیکھ کر فریفتہ ہو رہی تھی۔ اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر گویا ہوئی کہ ''اے بہن! تمھیں شرم بہت آتی ہے! تم میدان میں نہ بیٹھو، میری باجی اماں پاس (یعنی ریحانہ کے پاس) چلو۔''

اس عیار شوخ طرار نے جھجک کر کہا: ''اے بی، کیوں مجھ کو دیوانہ بناتی ہو۔ ناصاحب، وہاں مردانہ ہوگا۔ کیا تم میری آبرو کے پیچھے پڑی ہو؟ سامری کی قسم، ابا جان تو خیر بڑے بھیا اگر یہاں کا ٹھیر نا سن پائیں تو میرے دھرے اڑا دیں۔ نہیں معلوم میرا کیا حال کریں۔''

نگار نے یہ تقریر سنی، اور چپ ہو رہی۔ لیکن اس کو تاب کہاں۔ پھر بولی کہ ''اے بہن، تم بہت آدمیوں میں شرماتی ہو تو چلو، وہ جو سامنے سبزہ زار ہے، ہم تم چل کر بیٹھیں۔''

یہ عیار اس کلام پر چپ رہا، اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی مگر مستفسر ہوئی کہ ''تم کو کچھ گانا بھی آتا ہے؟''

اس نے کہا: ''گانا رونا سب کو آتا ہے بس۔''

یہ سن کر خواصوں سے کہا کہ ''ستار اور بایاں لے کر چند آدمی میرے ساتھ آؤ۔''

کنیزیں یہ حکم عمل میں لائیں۔ اور یہ کچھ دور جلسے کے مقام سے آ کر لب ساحل بیٹھی، اور کشتی شراب طلب کی اور اس نازنین سے کہا کہ ''میں بایاں بجاتی ہوں۔ تم ستار چھیڑو۔ گانے میں تم کو شرم آئے گی۔ یہ تو ہاتھ کا کام ہے۔''

اس نے اس کے اصرار سے ستار کی طربیں درست کر کے اس طرح بجایا کہ در و دشت کو مست بنایا......

نگار محو ہو کر تعریف کرنے لگی کہ ''اور!''

(برق نے اپنے پاس سے شراب نکال کر سب کو پلائی۔ جب سب بیہوش ہو گئے تو نگار کو قتل کر دیا)

ادھر ریحانہ کو بھی خیال آیا کہ بہن میری دیر سے گئی ہے۔ میں بھی جا کر دیکھوں۔ پس

اُڑ کر چلی...... یہ زمین پر جو اتری، بہن کا اپنی سر جدا پایا۔ پس اپنا گریبان پھاڑا، اور نعرہ آہ مار کر پچھاڑ کھائی۔ پھر لاشۂ ہمشیر سے لپٹ کر بین کرنے لگی کہ ''اے میری ناشاد و نامراد بہن، ہائے! میں کہتی تھی کہ تو سیر کو آگ لگا۔ میرا کہنا نہ مانا۔ اے بٹیا مجھے اکیلا کر گئیں۔ اے بھینا، اپنی جنڈری پر یہ آفت تم نے کی۔ میری کمر توڑ گئیں۔ ابھی تم نے دنیا کا کیا دیکھا تھا ہائے۔ مجھ دکھیا کو موت نہ آئی اے بٹیا، اپنی نہ کچھ کہی نہ میری سنی، مجھ سے ایسی بیزار ہوئیں کہ اب منہ سے نہیں بولتیں۔ افسوس اب کسی بات سے تمہیں مطلب نہیں۔ اے بٹیا، سیر کرنے کو جاؤ۔ اے فرزند، اب پھر مجھ سے ضد کر کے بٹھلاؤ، میری گود میں مچل جاؤ، پھر چپکے چپکے مجھ کو کوسو، پھر روٹھ کر مجھ سے الگ جا کر بیٹھو۔ ہائے اب تم کچھ نہ کرو گی، تمہارا یہ حال ہے۔''

(جلد سوم)

سانجھے کی ہانڈی

(نور پیرہن جادو شاہ افراسیاب کے نام خط لے جا رہی ہے۔ برق اور ضرغام دو عیار اُن کی فکر میں ہیں)

صحرا میں ٹھیر کر صورت اپنی ساحرہ کی ایسی دونوں نے بنائی۔ مگر خوبصورت جادوگرنیاں بنے۔ مانگ میں سیندور بھرا، بندی ماتھے پر لگائی، سرخ چندریاں اوڑھیں، لہنگے قیمت کے پہنے، سر سے پاؤں تک چاندی کا زیور پہنا۔ پات بالیاں کانوں میں، گلے میں جگنو، توڑا طوق، ہاتھوں میں کڑے، بازو پر جوشن، پاؤں میں کڑے جھانج وغیرہ پہن کر ایک سانولے رنگ کی عورت بنا اور ایک گورے رنگ کی۔ ایک کا حسن زیادہ اور ایک کا کم، مگر دونوں کا حسن نمک پاش......

اس صورت زیبا پر آراستہ ہو کر باہم کچھ مصلحت کر کے ٹھیرے تھے کہ ساحرہ اڑتی ہوئی سامنے سے پیدا ہوئی۔ اس کو آتے دیکھ کر دونوں نے ایک دوسرے کو گالیاں دینی شروع کیں۔ وہ جو کم سن تھی، اس کو سن دار نے دوڑ کر پکڑا، اور اس نے بھی اس کے بال پکڑے۔ دونوں ''مال زادی'' بیسوا، چھنال کہہ کر غل کرتیں۔

ایک کہتی، ''اری قحبہ! رہ تو جا، میں تیرا کورے استرے سے سر مونڈوں گی۔ تو نے

اچھے گھر بیاہ دیا! موئی تھتکاری۔''

وہ دوسری کہتی، ''موئی بازارن، تو جب دھگڑے کرتی ہے، تو نہیں کہتی۔ اور میری پاپوش تیرے خصم سے بات کرتی ہے۔ میرے لاکھوں خریدار ہیں۔ ایسا ہی مجھ کو کرنا ہو تو ایک صبح کروں، ایک شام کروں۔ اور میری کیا شامت ہے جو تیرے خاوند پر گروں گی! یہ تو ہی ایسی ہے کہ میرے دیور کے نیچے پھیل گئی، کچھ تیرے میاں میں لعل لگے ہیں جو میں اپنی آبرو دوں گی۔''

اس نے کہا: ''اری چھتیسی۔ مکرتی ہے! میں نے تجھ کو اور اس کو ابھی ایک جگہ پکڑا ہے۔ یہ تو کہو وہ بچا بھاگ گئے، نہیں تو اس وقت دکھا دیتی، موئے کو داماد تیرا بنا دیتی۔''

اس نے پھر جواب دیا کہ ''اری دیدا پھٹی، تو کیا مجھ کو ایک جگہ پکڑے گی! نہیں ابھی اس سے کچھ واسطہ تھا تو ار ، ہی، لے دیکھوں تو میرا کیا کرتی ہے۔''

یہ کہہ کر جھونٹے باہم پکڑ کر گھونسوں اور طمانچوں سے لڑنا شروع کیا، اور ایسا غل مچایا کہ نور بیرہن قریب پہنچ چکی تھی۔ ٹھیر کر ان کی لڑائی دیکھنے لگی۔ انہوں نے اس کو دیکھ کر پکار کر کہا: ''حضور، ہمارا انصاف کر دیجیے۔'' وہ ان کی لڑائی دیکھ کر ہنس رہی تھی، زمین پر اتر آئی، اور کہنے لگی: ''ارے، تم دونوں کیوں لڑتی ہو؟ آپس میں کیوں بھڑتی ہو؟''

ایک نے کہا، ''سنیے، حضور، میں ان کے میاں کو بلانے نہیں جاتی۔ ان کے گھر میں قدم نہیں رکھتی۔ پھر یہ مجھ کو دکھ کیوں دیتی ہیں؟ وہی مثل ہے کہ دام اپنے کھوٹے تو پرکھیا کو کیا دوش۔''

دوسری نے کہا: ''یہ اس نے سچ کہا۔ لیکن میں آپ سے کہتی ہوں کہ جب مجھ سے اس سے بہناپا ہوا، اور اس کو میں نے اپنے گھر بلایا، جب تو میرے آدمی نے اسے دیکھا۔ اس کو یہ لازم تھا کہ میرا ہی گھر اجاڑے؟ یہ کتوں کے پاس جاتی۔ مگر اس سے بات نہ کرتی۔''

اس نے کہا: ''کتوں پاس تو آپ جاتی! تیرے ہوتے سوتے جاتے، لو، موئی بات کرتی ہے کہ گالی دیتی ہے۔''

اب پھر لڑائی شروع ہوئی۔ نور نے کہا: ''سنو، بات سیدھی طرح کرو۔ لڑو نہیں اور مجھ کو تم دونوں کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' یہ کہہ کر اس گوری عورت سے کہا کہ ''تم اپنے میاں کو ان سے لگاتی ہو، کہ آشنائی ہے، سنو، میری بُو، اس تھپڑی سے فائدہ کیا؟ پھر، میری جان، جو میاں تمہارے گھر سمجھیں گے تو جو ہو گی وہ کوئی نہ ہو گا۔ یہ بھی

چار دن کا ہے۔ چپ رہو۔ دیکھو تو اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔''

اس نے کہا: ''نا صاحب، میں کبھی سوتیا آم نہیں لیتی، ساجھے کا کام نہیں کرتی۔ میرے پڑوس میں دو جورو کا خاوند اگر آ کر رہے تو میں وہ گھر چھوڑ دوں۔ بھلا مجھ کو اتنی تاب کہاں کہ یہ نا جو میرے ہوتے اس سے السیں بلسیں، میں آگ لگا دوں گی ان کے منہ کو!''

اس دوسری نے کہا: ''آگ لگے تیرے منہ کو جھلسا پڑے تیرے گھر میں! موئی کے تن میں کیڑے پڑیں۔ جمشید کرے کوڑھ ٹپکے، جیسا مجھ کو اس نے بدنام کیا ہے، سب خلق میں رسوا کیا ہے، جھنڈے پر چڑھایا ہے۔ سب برادری بھر میں میری ناک کٹ گئی۔ وہی جو کہ کہتے نہیں، تھالی پھوٹی یا نہ پھوٹی، جھنکار تو ہوئی۔ سب خلق کہتی ہوگی کہ اب مداری چودھری کی بہو ایسی ہوگئی، ایک یار صبح بلاتی ہے ایک شام کو۔''

اس نے جواب دیا کہ ''اخاہ، بڑی تو نیک بخت ہے! تیرا آنچل کسی نے نہیں دیکھا! یہ سلاری کے بیٹے سے خصم کے جیتے جی میں پکڑی گئی تھی! بدھو میرے ہی لئے تو دونے مٹھائیوں کے لاتا تھا! ایک دن میرے ہی خاوند نے تو آموں کی بغیا میں جنیا سے مجھ کو پکڑا تھا! آج میں برادری میں بدنام ہوگئی! وہ مثل کہتے ہیں کہ کوری بیٹھ پچھنے لگے۔''

اس نے کہا: ''اری بیٹھ! تو کیا میرے ثابت کرے گی، میں پچاس دھگڑے تو خود تیرے ثابت کر دوں گی۔ یہ بہشتی کے لونڈے سے کون پھنسا تھا؟ اور وہ چکوے والا میرے ہیاں آتا تھا؟''

اس نے جواب دیا کہ ''میں تو ہوں ہی خراب۔ لیکن تو میرے آدمی سے بات نہ کیا کر۔''

اس نے کہا: ''اب تو میں بدنام ہوئی، وہ میاں جاتے کہاں ہیں، میرا من منائیں گے۔'' یہ کہہ کر ملکہ نور کا دامن پکڑا کہ ''میرا فیصلہ اس مرد سے کرا دیجئے۔''

ادھر اس دوسری نے کہا: ''اچھا یا تو یہی رہیں یا میں رہوں۔ مجھ کو اس موئے سے فارغ خطی دلوا دیجئے۔''

نور نے کہا: ''بی بی، یہ کئی دن کا جھگڑا ہے، مجھ سے نہ فیصلہ ہو سکے گا۔ میں اپنے مالک کے کام کو جاتی ہوں۔ اور کام بھی وہ کام ہے کہ ذرا دیر ہو جائے گی تو نہیں معلوم کیا آفت آئے گی۔ موئے عیار ایک ہی آفت کے ہیں۔ وہ میری مالکہ کو کچھ ستائیں اور ضرور ہی ستائیں گے کہ ان کم بختوں کے دل سے لگی ہوگی۔ سارا لشکران کا قید ہے۔''

یہ جوان مصنوعی عورتوں نے سنا، کہا: ''آپ کو جلدی ایسی ہے کہ گھر بھی اپنے نہیں لے جاسکتیں؟''

ایک عورت نے کہا: ''بھاڑ میں جائے لڑائی، چولھے میں جائے قصہ۔ یہ تو آپ بتایئے کہ حضور آتی کہاں سے ہیں؟ آپ نے لشکر کا نام لیا، جب مجھ کو خیال آیا۔ لشکر ملکہ حیرت میں فیروز جادو میرے باپ نوکر ہیں۔ جن کے بھروسے پر میں میاں سے فارغ خطی مانگتی ہوں۔ آپ کو کچھ میرے باپ کا بھی حال معلوم ہے؟''

(اس بہانے عیار سارے راز معلوم کر لیتے ہیں، اور نور جادو کو پکڑ بھی لیتے ہیں)

(جلد سوم)

دھینگا مشتی

(بادشاہ افراسیاب کا ایلچی طمطراق طاق جادو لشکر میں آکے ٹھیرا ہے۔ برق عیار اسے قتل کرنے کی فکر میں ہے)

سرشام عیار مذکور نے ایک مقام تنہا میں ٹھیر کر صورت اپنی مثل ایک عورت کے بنائی...... سینہ انمول، چھاتیاں اس کی گول سڈول، باغ خوبی کے دو رنگترے رس بھرے، بازو کبوتر لقا کس بھرے...... اس صورت زیبا سے درست ہو کر جانب لشکر ایلچی چلا۔

قریب لشکر جب پہنچا، دیکھا کہ کمیدان رسالہ اور افسران لشکر خیموں کے دروازوں پر کرسیاں مونڈھے بچھائے بیٹھے ہیں۔ کسی طرف گھوڑوں کی لین تھی، کہیں سپاہ مشغول آرام وچین تھی۔ بازار لشکر میں کھلا تھا، کٹورا کھنکتا تھا۔ سپاہیوں کے بستر لگے تھے، کڑھاؤ چڑھے تھے۔ ہر سمت گہما گہم، مرد مان لشکر خوش فہم۔ ان لشکریوں نے جو دیکھا کہ ایک معشوق گل بدن وگل پوش، خنداں لب شیریں مگر خاموش، بصد آن وادا اٹھلاتی اس طرف آتی ہے...... یہ دیکھتے ہی ہر ایک لشکری مفتون وفریفتہ ہوا۔ مفلس کا تو کمر بند ڈھیلا ہوا۔ وہ گردن جھکا کر رہ گیا، مال داروں نے سر بلند کیا۔ نوجوان حسن، جوانی اور دولت شباب سے مغرور، تن کر اپنی امنگ دکھانے لگے۔ زوردار تمکنت کا ڈھنگ دکھانے لگے۔ کوئی اس کی زلف پرخم کی تعریف کرتا، اور کوئی رخسار انور کا دم بھرتا۔ کوئی شعر عاشقانہ پڑھتا......

یہ اشعار اس عیار دلدار نے سنے اور زیادہ کمر کو بل دیا کولہوں کا عالم دکھایا، کبھی مسکرائی، کہیں تیوری چڑھائی، دوپٹے کو کاندھے پر سے ڈھلکایا۔ سینہ کھل گیا انگیا میں پستانیں برچھی کی انی بن کر جوانوں کے سینے میں پار ہوئیں۔

ایک خدمت گار سے ایک کمیدان نے اشارہ کیا کہ ''لا اس نازنین کو میری خدمت کے لیے۔''

خدمت گار اٹھ کر ساتھ ہوا، اور ایک مقام تنہا پا کر اس غنچہ دہن کو روکا اور کہا: ''آپ طوائف ہیں تو، بیوی، اپنا معمول بتایئے۔ آپ کے سبب سے دو پیسے ہمیں بھی مل جائیں۔''

اس فتنہ گر نے ہنس کر کہا کہ ''کس طرف سے تو پوچھنے آیا ہے؟''

اس نے کہا: ''بیوی، ہمارے کمیدان صاحب پان سو روپے کے ملازم ہیں۔ ان سے تم سے رسم ہو جائے گی۔ تو آج پر کیا ہے، بہت کچھ فائدہ ہمیشہ ہوا کرے گا۔''

اس پرفن نے کہا: ''میں پانچ اشرفی شب بھر کی لیتی ہوں۔''

خدمت گار یہ سن کر کمیدان پاس گیا، اور اشرفیاں اس ستمگر کے پاس لایا۔ اشرفیاں دے کر اپنے حق کا طالب ہوا۔

رنڈی نے کہا: ''تو مجھ کو میاں کے پاس لے چل، بہت کچھ دلا دوں گی۔''

خدمت گار اس کو ہمراہ لے کر پشت خیمۂ کمیدان مذکور کی طرف آیا، سراپچہ اٹھا کر اندر خیمے کے اس کو پہنچایا، اور آپ آ کر میاں کو اشارہ کیا کہ ''جایئے، میں لے آیا، اندر خیمے میں وہ موجود ہے۔''

کمیدان برخاست کر کے اٹھے اور اندر خیمے کے آئے۔ یہاں فرش مکلّف بچھا تھا، پلنگ ایک طرف آراستہ تھا، نیچے پلنگ کے مسند بچھی تھی، چنگیر پھولوں کی دھری، کشتی شراب ناب کی آراستہ تھی۔ کمیدان نے آتے ہی اس کو آغوش محبت میں کھینچا۔ یہ تڑپ کر علیحدہ ہوئی اور کہا ''صاحب، نچلے بیٹھو۔ مجھ کو یہ دھما چوکڑی، میں سچ کہوں، پھوٹے دیدوں نہیں بھاتی۔ کیا نگوڑا اس نوچا کھوچی ہی میں اخلاص رہ گیا ہے؟''

کمیدان نے کہا: ''اے آرام جاں،

ہے شوق، گھرے ہوئے ہیں بادل
ہے دل کا ابھی یہ جوش اول''

اس عیار کو تو یہ منظور ہے کہ کسی طرح میں طاق ایلچی کے پاس پہنچوں، اور اس کو قتل کروں۔ جب کمیدان کو جوش مستی میں پایا، ہاتھا پائی کرنے لگا، کبھی گود میں آ بیٹھا، کبھی مثل سیماب پہلو سے بے تاب ہو کر نکلا، جیسے عاشق کا دل پر اضطراب بے قرار ہو، یوں پہلوئے یار میں تھا۔ کبھی سسکی بھرتا، کبھی غمزۂ چشم و ابرو سے بسمل کرتا، کبھی ماتھا کوٹتا اور کہتا:

''آیا ہے کہاں سے مرد بے ننگ
میں سخت ہوں اس کے ہاتھ سے تنگ''

اسی ہاتھا پائی، دھینگا مشتی میں اس نے ایک جام شراب کا پیا اور چاہا کہ اب اس شوخ و چنچل کو اپنے ڈھنگ پر لاؤں۔ اس عیار نے اس کے تیور پہچان کر اور اس کی آغوش سے نکل کر در خیمہ پر اپنے تئیں پہنچایا، اور کہا: ''دھائی ہے طاق جادو کی، اس موئے کمیدان نے میری آبرو بھی لی اور میرا سارا گہنا اتار لیا۔ ہائے، میرے چھڑے بڑے کڑے پن سے اتارے، چوہے دنتیاں بھی موس لیں، بالیاں ٹالا بالا بتا تہس نہس کیں۔ کیا اس کم بخت کے یہاں روپے کا توڑا تھا، جو میرا توڑا لیا؟ سر کا چھپکا لے کر محتاج کر دیا، ارے، دوڑو، میری فریاد کو پہنچو۔''

اب تو لشکر کے لوگ دوڑے۔ کمیدان صاحب حیران، سب مستی غائب کہ مفت میں بدنام بھی ہوئے کہ بڑے یہ بدمعاش عیاش ہیں، اور چور بھی بنے، لعنت بہ کار شیطان، جو آتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ اس عورت کے بال کھلے ہیں، بوسوں کے نشان رخسار پر ہیں۔ پائنچے چڑھے ہیں۔ رانیں پیٹ کر اس نے لال کی ہیں، کمیدان چپ، سکتے کے عالم میں کھڑے ہیں، لنگی باندھ رہے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر بازاری آدمیوں کی زبان کو کون روک سکتا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ ''بھئی، غریبوں کا کیا ذکر، امیروں کا یہ حال ہے!''

کوئی کہتا: ''اجی امیروں کی تو بن پڑی ہے۔ وہ جانتے ہیں ہمیں کوئی کچھ نہ کہے گا، اگر کہے گا بھی تو کوئی یقین نہ کرے۔''

کوئی بولا: ''ارے بھائی، نام بڑا درشن تھوڑے۔ مشہور تو کمیدان صاحب، اور حرکتیں یہ نامعقول!''

کوئی پکارا: ''کیوں، بیوی، تم اس قزاق کے پالے کیوں کر پڑیں؟ تمہارا گہنا قیمتی ہو گا؟'' رنڈی بولی کہ ''اے میاں، فقط ہیرے کے کڑے ہزاروں کے تھے۔''

ایک بازاری نے سن کر یہ جواب دیا کہ ''بھائی، تف ہے ایسی عیاشی پر!''
دوسرے نے کہا: ''یہ کمیدان آخر کیوں کر بنے؟ یوں ہی مال مار مار کر آخر موٹے ہو گئے!''
کمیدان کے ملازموں کو یہ آوازے جو برے معلوم دیئے، سب کو مارنے دوڑے، کہ بدمعاشو، تم کو کس نے انصاف چکانے بلایا ہے؟ وہ سب سے پہلے تو متفرق ہو گئے مگر یہ کہتے ہوئے، ''یہی تو ترکیب رکھی ہے کہ جو کوئی بولے گا تو اس کو ڈانٹ لیں گے۔ لو صاحب، پرایا مال چھین لیں گے کہ بولو نہیں!''
یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور ہجوم کیا، پھر خدمت گاروں نے کمیدان کے للکارا: ''چلو میاں، کیا بھیڑ لگا رکھی ہے!''
اس رنڈی نے دوڑ کر دو ایک کا دامن پکڑا: ''ارے میاں، تمہارے صدقے گئی، میرا اسباب دلا دو۔''
اب تو ان کو زیادہ بولنے کا موقع ہاتھ آیا، رنڈی کے وارث بن گئے، بولے: ''ہم تو دم بھر میں انسان کی آبرو بگاڑ ڈالتے ہیں۔ اس میں اپنا سگا باپ کیوں نہ ہو۔ یہ تو کمیدان ہی ہیں۔ کیا دل لگی ہے، رنڈی کا مال ہضم کر لینا؟ لے آیئے، اسی میں خیر ہے کہ چپکے سے دلوا دیجئے۔ نہیں ساری کمیدانی معلوم کر دوں گا۔''
کمیدان کو غصہ ان باتوں سے آیا اور کہا: ''جا، ورنہ مار ڈالوں گا۔''
ملازم تلواریں لے کر بڑھے۔ بانکے لوگ، لونڈی کے حامی یہ کہتے ہوئے پیچھے ہٹے کہ ''اری، آ دیکھ، ہم بھی ان کا زبردستی پتا دکھائے دیتے ہیں۔ دیکھو ساری ہیکڑی نکلی جاتی ہے۔''
یہ کہہ کر رنڈی کا ہاتھ پکڑے سیدھے بارگاہ طاق کی طرف چلے۔ اب پھر ان پر لوگوں نے آوازے کسنے شروع کر دیئے۔
کسی نے کہا کہ ''لٹنی کے وارث ہیں!''
کوئی بولا: بھائی، خوب کمیدان پاس بھیجی۔''
کسی نے کہا: ''ارے میاں، یہ پیشہ کب سے تم نے سیکھا؟ اور اگر پیشہ بھی اختیار کیا تو ایسے کنگلوں، مال مردم خوروں سے بچتے رہے ہوتے۔''
ان باتوں کا یہ جواب دیتے کہ ''یہ ہم پیشہ نہ کرتے تو مارے فاقوں کے تم مر نہ جاتے؟ پھر تمہاری بہنیں روٹی کیونکر کھاتیں؟''

غرضکہ خوب پھکڑ ہوتا، غول کے غول ساتھ، شور قہقہوں کا بلند، قریب بارگاہ ایلچی پہنچے۔ اس نے جو یہ ہنگامہ اور غوغا اندر بارگاہ کے سنا، گھبرا گیا، ان سب نے سلام کر کے حال عرض کیا۔ اس نے جملہ ماجرا سن کر رنڈی سے کہا: ''رات کو میری بارگاہ میں چل کر رہ، صبح کو کمیدان سے گہنا بھی دلا دوں گا، اور میں بھی بہت کچھ سرفراز کروں گا۔''

رنڈی راضی ہوئی، اور اندر بارگاہ کے گئی۔ بانکے لوگ منہ دیکھ کر رہ گئے۔

یاروں نے پھر کہا: ''ارے میاں، اپنا حق تو مانگ لو۔''

ایک بولا: ''بھئی، پہنچائی خوب!''

دوسرے نے کہا: ''اجی رات خیریت سے گزرے تو صبح خیر صلاح پوچھنے آئیں گے۔ اسی وقت انعام بھی پائیں گے۔''

غرضکہ یہ مجمع ہنستا بولتا تو ایک طرف رواں ہوا، اور طاق پھر بارگاہ میں آیا۔ رنڈی ایک کونے میں گوشۂ فرش پر بیٹھی تھی۔ اس نے اس کو صورت دار اور صاحب وضع دیکھ کر کمال پسند کیا۔ اور خادم، خدمت گار وغیرہ کو اشارہ سے کہا، تم باہر جاؤ۔

وہ سب چلے گئے۔ تنہائی جب ہوئی، یہ اس غارت گرجاں کے پاس آیا۔ اس نے بھی انگڑائی لے کر اپنی گات دکھائی، چھاتیوں نے سرکشی جتائی۔ یہ دوڑ کر لپٹ گیا، اس نے بھی سینے سے سینہ ملا دیا۔ گود میں اس کو اٹھا کر مسند پر لایا۔ اس نے جلدی سے چھوٹے کپڑے ڈھانکے اور جوڑا بال کا سمیٹ کر باندھا۔ منہ بنا کر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو دابا، اور کہا: ''نگوڑے کے ہاتھ ٹوٹیں، جیسا میرا گہنا موئے نے اتار لیا، یا سامری، ستیاناس کم بخت ہو۔ جمشید، اچھی طرح سے میرا مال نہ کھا سکے۔ سنا، میاں؟ میں نے بھی موئے کی خوب بوٹیاں نوچیں۔ ایسا کاٹا ہے کہ مونڈی کاٹے کا پنڈا ہی جانتا ہوگا۔''

ایلچی نے یہ کو سنا اور منہ دیکھ کر نقد ہوش کھویا، اور گلے سے لگا لیا، کہا: ''میں گہنا تجھ کو دیتا ہوں۔''

(طاق تو صندوق سے زیور نکالنے لگا، عیار نے شراب میں بے ہوشی ملا دی۔ اتفاق سے طاق نے دیکھ لیا۔ عیار بھی بھانپ گیا، اور فوراً سراپچہ اٹھا کے بھاگ گیا)

(جلد سوم)

نامردوں کی دور بلا

(۱)

(ملکہ مہرخ نے اپنے لشکر کو جادوگروں پر حملے کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے)

سب نے عرض کی: ''اے شہنشاہ گردوں پناہ!...... وہ ڈریں جو پیدا کرنے والے سے منحرف ہیں۔ دونوں طرح ہماری آبرو ہے، غازی دنیا و عقبیٰ میں دونوں جگہ سرخ رو ہے......''

آپس میں عہد و پیمان واثق ہوا، ایک کے ہاتھ میں ایک نے ہاتھ دیا۔ نامرد بزدلوں کو بھاگنے کی فکر ہوئی۔ چپکے چپکے مال و اسباب سنبھالنے لگے۔ افسروں سے حیلے حوالے کی باتیں۔ بھاگنے کی گھاتیں۔

کسی نے کہا: ''کمیدان صاحب، گھر سے خط آیا ہے، بیٹی کے عقد کا زمانہ قریب ہے، یہ معاملہ عجیب ہے۔ نہ جائیں گے تو برادری والے طعن کریں گے کہ نکھٹو باپ نہیں آیا۔ بیٹی کو رخصت نہ کر گیا۔ میں، حضور، رات ہی کو جاؤں گا، صبح کو گجر دم چلا آؤں گا، آپ کو سوتے میں جگاؤں گا۔''

بعض نے کہا: ''رسالہ دار صاحب، گھوڑے کے پیٹ میں کرکری ہوگئی ہے۔ دوا پوچھنے سلوتری کے مکان پر جاؤں گا۔ گھوڑے کو بھی لے جانا ضرور ہے۔ میاں سلوتری کا مکان بہت دور ہے۔''

بعض نے چپکے چپکے ہتھیار سنبھالے، کمر باندھی، گٹھری کپڑوں کی اٹھائی، سلام علیک کر کے چلے۔ افسر نے کہا: ''میاں سپاہی صاحب، کہاں؟''

دور جا کر جواب دیا: ''حضور، یہ اسباب گھر پر رکھ کر چلا آؤں گا۔ آخر وقت کا آ کر پہرہ دوں گا۔''

بعضے دس بیس ایک مقام پر جمع ہوئے، حقہ بیچ میں رکھ لیا، دو گھٹی ہونے لگی۔

ایک نے کہا: ''بھائی، تم نے سنا؟ خواجہ عمرو قتل ہو گئے۔''

ایک نے کہا: ''بھائی آخر سرکشی کا یہی انجام ہے۔''

ایک نے کہا: ''میاں تم کو کیا کام ہے؟ ہم تم تو، بھائی، بڑھتی کے ساتھی ہیں۔ نام

کٹواؤ، آج ہی نکل چلو۔ چاندنی رات ہے۔ صبح ہوتے ہوتے اپنے گاؤں میں پہنچ جائیں گے۔ ہم تم، بھائی، کسان ہیں، کھیتی کر کھائیں گے۔ ہم تم، بھائی، جلوسی لوگ ہیں۔ سینکڑوں جگہ نوکری کی۔ جب لڑائی کا موقع آیا، آبرو سے اپنے گھر چلے آئے۔ اسی دن کے لئے پانچ کے نوکر ہیں۔ ادھر ادھر سے لوٹ مار کے کھاتے ہیں، تنخواہ اپنی بچاتے ہیں۔ گھر چل کر چار پانچ بیگھے زمین کا پٹہ کریں گے۔ محنتی ہیں۔ ایک گوئی بیل کی خرید لیں گے، وہ الگ کرائے پر چلے گی۔ جنس کی رقم بچے گی۔ سوائے پر اسامیوں کو دیں گے۔ فصل پر من کا سوا من لے لیں گے۔''

یہ آپس میں باتیں کیں۔ دو دو کر کے نکل گئے۔

سوداگر جا بجا دکانیں بند کر رہے ہیں۔ مال دکانوں سے نکال دیا۔ غلاموں کے ہاتھ طرف شہر ناپرساں کے (جادوگروں کا شہر) روانہ کیا۔ کان میں گماشتے کے کہہ دیا: ''در شہر ناپرساں پر چل کے دکانیں لگاؤ۔ مسلمانوں کا اب ستارہ گردش میں ہے۔ یہاں مال رکھنا بہتر نہیں ہے۔ جاتے ہی دکان کا ٹکٹ لے لینا۔ ایک مہینہ کامل یہ میلہ رہے گا، مال خوب بکے گا۔''

جو مردان عالم کہ جاں نثار ہیں، نمک حلال، صاحب جاہ وجلال، مالک کے خیر خواہ، سپاہی زادے، بانکے ترچھے، لڑے بھڑے، ان کے الگ مجمعے ہیں۔ اسباب جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔

ایک کہتا ہے: ''بھائی...... جب مردان عالم کی تلوار کھنچی، ملازمان افراسیاب بودے ہیں۔ ہمارے منہ پر کیا چڑھیں گے۔ دم بدم جوانوں کے قدم آگے ہی بڑھیں گے۔ ایک قدم آگے رکھا، آبرو پائی۔ ایک قدم پیچھے ہٹا، ذلت اٹھائی، بزرگوں کے نام نہ مٹانا، سینوں پر تلواریں کھانا۔ ڈٹ کر لڑنا۔ دشمنوں کو روکنا، مجمع کو روکنا...... اگر آگ کا دریا ہوگا، کود پڑیں گے، آگ برسا دیں گے۔ پس بھائیو، اپنے اپنے خیمے میں چل کر بیٹھو، سلاح جنگی درست کرو۔ داہنے ہاتھ سے کھانا حرام ہے، سپاہی کا نیک انجام ہے۔''

(جلد پنجم-حصہ اول)

(۲)

(لڑائی سے ایک دِن پہلے) جن کو جان کے خوف ہیں وہ بھاگنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ دم نامردی کا بھر رہے ہیں۔ حیلے حوالے کی تلاش ہے۔ کیا کہہ کر افسر سے فرصت لیں اپنے گھروں کو پہنچیں۔

اگر اسی طرح جان دیتے، چالیس برس کا سن کیوں پہنچتا؟ سینکڑوں لڑائیوں سے بھاگے، باعزت اپنے گھر چلے آئے، یہ بڑی بات ہے۔ لوگ بھگوڑا کہیں گے، زخم داری کی زحمت سے تو بچیں گے۔ منہ پر ہمارے کوئی کہہ نہیں سکتا، مرد سپاہی مشہور ہیں، اور کی تو ہم ایسے آتے ہیں۔ بڑے بڑے گھبرا جاتے ہیں۔ آخر بڑاتے ہوئے اٹھے، رسالدار کے پاس آئے، کہا: ''میاں افسر صاحب، ہماری جورو علیل ہے۔ ہم کو فرصت دیجئے۔ ابھی گھر جائیں گے، تڑکے چلے آئیں گے۔''

افسر نے کہا: ''آج کی شب فرصت نہیں مل سکتی۔ صبح کو میدان کارزار میں لڑو، نام بزرگوں کا روشن کرو۔''

انہوں نے جواب دیا: ''حضور، ہمیں اب آپ کے کہنے سے زیادہ ضد ہوئی۔ ہرگز نوکری نہ کریں گے۔ ابھی چلے جائیں گے۔''

یہ کہتے ہوئے بارگاہ سے نکل آئے۔ گھوڑا تیار کیا۔ پرتل کے ٹٹو پر اسباب لادا، ٹخ ٹخ کرتے ہوئے چلے راہ میں کوئی دوست ملا، پوچھا: ''بھائی جان، کہاں چلے؟''

جواب دیا: ''بھئی مرزا، تم نے سنا؟ آج بڑی خیر ہوگئی۔ رسالدار صاحب بہت گھبرا گئے ہیں، لوٹ مار میں مال پا گئے ہیں۔ ہم سے کہتے ہیں، رنڈی لاؤ۔ بھلا ہم ایسی باتیں کب سننے والے ہیں۔ ابھی استعفا دیا۔ لیکن کل کی لڑائی ضرور لڑیں گے، اسباب گھر پہنچا کر چلے آئیں گے۔''

یہ کہتے ہوئے گھوڑے کو بڑھا کر نکل گئے۔ صدہا تو ایسے حیلے حوالے کر کے نکلے، بعض بیٹھے رونے لگے، غش کھا کے گرے۔ ساتھ والے دوڑے، کہتے ہوئے ''بھائی شیخ صاحب، کیا ہوا؟'' بڑی مشکل سے آنکھ کھولی، ہانپ رہے ہیں، کانپ رہے ہیں۔ بڑی مشکل میں جواب دیا: ''بھائی ڈولی منگوا کر ہم کو سوار کرا کے گھر پہنچا دو۔ درد گردہ اٹھا ہے۔ اسی عارضے میں دادا پردادا مرے۔''

لوگوں نے گھبرا کر ڈولی میں سوار کیا۔ اشارے سے کہا: ''گٹھڑی بقچی بھی رکھ دو۔ صبح کو زندہ رہے تو لڑائی کے وقت ضرور آئیں گے۔''

ڈولی میں پردہ بندھوالیا، لشکر سے نکل گئے۔ جب جنگل میں پہنچے، تلوار کھینچ کر نکل آئے۔ کہاروں سے کہا: ''ابے حرام زادو، تم نے ہمیں مردہ سمجھا؟ کہاں لاد کے لائے ہو؟ جوان لوگ کہیں ڈولی میں سوار ہوتے ہیں؟ جاؤ، سامنے سے ٹل جاؤ، نہیں قرابین ماروں گا، دھواں تک پیٹ میں اتر جائے گا۔''

کہار بیچارے لرزاں ترساں بھاگے، مگر کوستے ہوئے، ''یالات اعلیٰ یامنات معلیٰ، اس ظالم کو سزا ملے۔ وہاں سے سوار ہو کر آیا، دو کوس پر لا کے چھوڑا۔ ٹکا کہاری نہ دیا۔ اس کو بھی سزا ملے۔''

رات کا وقت، بیچارے کہار ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، اس خیال سے کہ رات کو بھٹک کر نہیں معلوم کہاں نکل جائیں گے۔ مگر وہ ظالم شیخ بڑاتا بڑبڑاتا جاتا تھا، قریب ایک گاؤں کے پہنچا۔ دس پانچ پاسی کنارے گاؤں کے اکے دکے کی خیر منانے کو آپہنچے تھے۔ انہوں نے آدمی کی آواز سنی، پکارے، ''کون آتا ہے؟''

اب شیخ جی گھبرائے۔ جواب دیا، ''ہم ہیں فتح دھڑیم خاں!''

پاسیوں نے کھٹے چڑھائے، تکے جوڑے، کہا: ''میاں، ہتھیار کپڑے رکھ دو۔'' جب تو شیخ جی ہاتھ جوڑنے لگے، کہا: ''بھائی، لو، رکھ لیو۔ تم سے ہم کو کیا عذر ہے؟'' پاسیوں نے غرقی بندھوا دی۔ اب شیخ جی سوچے، سوائے لشکر کے اب کہاں جائیں، چلو پلٹ چلیں، روتے پیٹتے پلٹے۔ کہاروں نے کہا: وہی مسخرا ننگا لچا چلا آتا ہے۔ پکار کر پوچھا: ''میاں شیخ جی، کیا ہوا؟''

کہا: ''بھائی مہرا، ہمیں غصہ آیا کہ جا کر حریف کو ماریں۔ اب اس وقت ہم اپنے جامے سے باہر ہیں۔ چلو، تم بھی چلو، ہماری جرأت دیکھو۔''

نامرد تو یوں جان بچاتے پھرتے ہیں۔ مگر وہ جو صاحبان جرأت و لیاقت ہیں، آمادۂ مرگ و مہیائے قضا ہیں۔ باپ بیٹے کو سمجھا رہا ہے: ''اے منظور نظر، نمک سرکاری کھایا ہے۔ قدم پیچھے نہ ہٹانا۔ ڈٹ کر تلواریں منہ پر کھانا......''

(جلد پنجم۔ حصہ اول)

کبوتری

(برق عیار نے) ایک نٹنی نوجوان کی ایسی صورت بنائی۔ لہنگا نہایت پرزر پہنا قیمتی، جس میں گوٹ کی جگہ پٹھا ٹکا تھا، اور اس کے بوجھ سے کمر فرط نازکی سے لچکا کھاتی، چھڑیاں چٹکی کی ٹکی ہوئی...... کُرتی ناف تک کی آستینوں دار، گلے میں دوپٹا ایسا رنگا ہوا کہ جس میں تصویریں سؤر اور خچر اونٹ کی بنی تھیں، سبز گوٹ لگی تھی، لچکا ٹکا تھا، آڑا کر کے گات چھپائے ایک آنچل کاندھے پر دوسرا لٹکتا ہوا سر پر، مانگ نکلی، اس میں سیندور بھرا، ماتھے پر بندی لگی، کانوں میں اوراج الٹے ہوئے، چاندی کے جھمکے لو میں پڑے ہوئے۔ ہاتھوں میں کڑے چاندی کے پڑے، پاؤں میں گھنگرو بندھے۔ بوٹا سا قد رفتار میں ظاہر قیامت بالوں کا جوڑا بندھا......

اس شکل وشمائل سے آراستہ ہو کر ناک میں بلاق ڈال کر بصد ناز وادا لشکر حیرت میں آیا، قریب بارگاہ حیرت جو خاص بازار تھا، اس میں ہر دکان میں کھڑے ہو کر گاتا اور کھروا ناچتا۔ دو دو آنے اور چار چار آنے ہر دکان سے لیتا پھرتا۔ بعض دکاندار شوقین گوٹے کی ٹوپی اس کو پہناتے اور کہروا نچاتے۔ یہ کمر پر ہاتھ رکھ کر لہنگا چٹکی میں پکڑ کر توڑا لیتا، اور چکر باندھ کر ناچتا، اور گاتا:

"کونے رسیا نے مارے ہیں بان
مارے ہیں بان، مورا نکسے پران"

(جلد سوم)

پیٹ سے پیر نکالے

(ملکہ سمنکال کی بھانجی شبنم مسلمانوں سے مل گئی ہے۔ وہ ایک ساحر بھیج کر اسے پکڑوا لیتی ہے۔ شبنم قفس میں بند اس کے سامنے آتی ہے)

سمنکال قید میں دیکھ کر سر پیٹنے لگی: "ہے ہے، بچی، اسی دن کے لئے پالا تھا کہ تجھ کو اس حال سے دیکھوں؟ موئے نمرود نے کیا سحر کیا؟ ہماری محبت کو فراموش کر دیا۔ میں نے

اپنی ساری جوانی تم پر گنوائی۔ پہلو میں تم کو لے کر سوتی تھی، رات ساری جاگ کر بسر ہوتی تھی۔اب نام خدا جوان ہوئیں، ہماری جانبازی کو فراموش کر دیا......"

شبنم نے...... جواب دیا: "خالہ اماں، آپ ناحق جان دیئے دیتی ہیں۔ نہ مجھ پر کسی نے سحر کیا، نہ جادو کیا۔ میں نگوڑے عشق عاشقی کا نام نہیں جانتی۔ مذہب مسلمانوں کا پسند آیا۔ افراسیاب کے نام سے نفرت ہوئی۔ بی حیرت نے سر دربار بلا وجہ ذلیل کیا...... چاہو قتل کرو، چاہو بخشو۔ میں مسلمانوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔"

یہ سن کر سمنکال بہت جھنجلائی۔ سینکڑوں کنیزیں گرد جمع ہوگئیں۔ چاؤں چاؤں کر رہی ہیں۔کوئی کہتی ہے: "بی بی، خالہ اماں کو یوں جواب دیتی ہو! دو ہی دن میں دیدہ پھٹ گیا!"

ایک کہتی ہے: "یہ تو عاشق مزاج نہ تھی، اب تو آثار حضرت عشق کے چہرے پر پائے جاتے ہیں......"

ایک نے کہا: "حرامزادی، چپ رہ۔ اپنی خالہ کی لاڈلی ہیں۔ لاڈلی بیٹیاں دیواریں پھاندتی ہیں۔ہم جو کبھی سمجھاتے ہیں تو بی سمنکال خفا ہوتی ہے کہ میری بچی پر طعن و تشنیع نہ کرو، میری بچی گھٹ گھٹ کے دبلی ہو جائے گی۔"

(اتنے میں شبنم کی منہ بولی بہن آہو چشم آتی ہے)

سمنکال گلے سے لگا کر رونے لگی۔ کہا: "بیٹا آہو چشم، تمہاری بہن وحشی ہوگئی، چوکڑی بھولی۔ہم کو آنکھیں دکھاتی ہے۔ساتھ والیوں سے شرماتی ہے۔"

آہو چشم نے کہا: "خالہ اماں، میں تو اسی واسطے دوڑی آئی، ہے ہے، میری بوا کیا ہوا؟ ارے میری بھولی بہن کو کس نے بھڑکایا؟ ستیاناس گئی، مسلمانوں میں کس واسطے گئی؟ وہ تو سب بھوت پریت ہیں۔آنکھوں میں نگوڑوں کے موہنی ہے......مگر خالہ اماں، خفا نہ ہو تو میں کچھ عرض کروں۔ چھوٹی ہوں، بڑی بات کہوں گی۔ انصاف کے مقام پر خاموش نہ رہوں گی۔خطا معاف، آپ کی چاؤں چاؤں، آٹھ پہر کی کاؤں کاؤں نے یہ آفت برپا کی۔آپ کی صحبت سے بے زار ہو کر باغ میں رہیں۔نوجوان متانیاں نوکر رکھی گئیں۔ جب کبھی میں جا کر دیکھا، جھنڈا سا سر کھلا ہوا ہے۔دونوں وقت ملنے کو ہیں۔موئی، دوڑی دوڑی پھر رہی ہیں۔ وہ نگوڑیاں پچھل پائیاں ساتھ ہیں۔آنکھ مچولا، جادو چھپولا ہو رہا ہے۔میں ہمیشہ کھٹکتی تھی کہ دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

(اسی دوران میں صرصر عیارہ بھی آجاتی ہے۔ سمنکال اس سے بھی مشورہ لیتی ہے)

صرصر بول اٹھی: ''بی سمنکال، کیوں گھبراتی ہو؟...... بوڑھا چونڈا ہلاتی ہو، ناحق کی باتیں بناتی ہو۔ صاحبزادی نے کسی کا گھر لوٹ لیا؟ کسی کی دیوار پھاندی، کسی سے نین مٹکا کر لیا، بی حیرت نے کلمات سخت کہے، صاحب شوکت، صاحب لیاقت، بگڑ گئیں......کوئی صاحبان لیاقت کو جوتیاں مار کر نہیں سمجھاتا ہے۔ بی سمنکال، خفانہ ہونا، پانی کا ھگا منہ پر آتا ہے۔''

(جلد پنجم - حصہ اول)

یہ بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

کوتوالی چبوترے کے سپاہی...... نیلی بتی سر پر، دھوتر کا انگرکھا، گاڑھے کا گھٹنا، چادرا گاڑھے کا کمر سے بندھا ہوا، سپر کہنہ پشت پر، تلوار پرانے چمڑے کی نیام کی، کوتھی گر گئی ہے، پیپلا نکلا ہوا۔

(جلد پنجم - حصہ اول)

یہ بھی ہوتی چلی ہے آوارہ

(ضرغام اور چالاک دو عیار کلوار اور کلوارنی کے بھیس میں عیاری کرنے نکلتے ہیں)

ضرغام نے ایک انگوچھا سر پر باندھا، مرزئی گلے میں پہنی، دھوتی باندھی، بوتل شراب کی کمر سے لگا لی۔ اور چالاک نے پٹیاں سر پر نکالیں، مانگ میں سیندور بھرا، بیندی ماتھے پر لگائی، مسّی ہونٹوں پر جمائی۔ گلوری پان کی منہ میں لے کر سرخ چندری اوڑھی، لہنگا گنگام کا پہنا، سوئی لہنگے پر لگائی......اس صورت سے تیار ہو کر آگے آگے کلال اور پیچھے پیچھے کلوارنی، الوٹ بچھوے پاؤں میں پہنے، چھم چھم کرتی چلی۔

راہ میں ضرغام نے چالاک سے کہا: ''میں چل کر دوہائی دوں گا کہ یہ میری زوجہ ہے اور مجھ سے راضی نہیں ہوتی۔ اور تو کہنا میں ہرگز اس کی زوجہ نہیں، اور لڑنا، مجھ کو باتیں سنانا۔''

اسی طرح سے سمجھا کر دونوں لشکر حیرت میں آئے اور لڑنے لگے، ضرغام نے کہا:
''رہ تو جا، مال زادی! میں تجھے شہنشاہ کے سامنے لے جا کر ذلیل کروں گا۔ یہ تو یاروں کے پیچھے دیوانی ہے، مجھے خطرے میں نہیں لاتی۔ آج تیری سب حقیقت کھل جائے گی۔''

کلوارنی نے کہا: ''دور بھڑوے، تو کیا میری حقیقت کھولے گا؟ پہلے اپنی بہنیاں کی تو خبر لے کہ جو لونڈوں پر جان دیتی ہے، اور لونڈے اسے گھیرے گھیرے پھرتے ہیں۔ ابھی پرسوں کا ذکر ہے کہ سلار و مدار و کبڑے کا لڑکا تیرے سامنے اس کو درپنی دے گیا، اور وہ اس سے ہنسا کی، موئے جھڈو، تو بیٹھا دیکھا کیا، اتنا بھی نہ کہا، یہ تو کیا کرتی ہے اور آگے کیا کہوں، جس کا باپ اس کا پاپ، لیکن کورے بننے سے اور پارسائی بگھارنے سے جان جل گئی۔ اس سبب سے اتنا منہ سے بھی نکالا، نہیں مجھے کیا مطلب کہ میں کہوں مولا سنار سے تین پیٹ رکھوائے اور گروائے۔''

کلوار نے کہا کہ ''تو ایسی کہاں کی ڈال کی ٹوٹی ہے؟ یہ کہو کہ میں طرح دے جاتا ہوں، نہیں تو ایک یار تیرا صبح کو پکڑوں، ایک شام کو۔ ابھی پندرہ روز ادھر کا ذکر ہے کہ جمن کبڑے کا لونڈا جو آیا تو اسے کوٹھڑی میں لے گئی۔ وہ تو کہو میں آپڑا، دونوں کوٹھڑی سے گھبرا کے نکلے۔ خیر، اس سے کیا مطلب ہے تو میری جورو ہے کہ نہیں؟ تجھے میری ماں بہن کے خراب ہونے سے کیا مطلب؟ میں تجھ کو زبردستی اپنے قبضے میں لاؤں گا۔''

کلوارنی نے کہا: ''تیری کیا طاقت جو زیادتی کر سکے! میں حلال خور کے پاس جاؤں گی، تیرے پاس نہ رہوں گی۔ بھڑوے، اپنے دل میں سمجھا کیا ہے؟''

کلوار نے دوڑ کے جھونٹے پکڑے۔ کلوارنی نے کہا: ''دہائی ہے شہنشاہ کی!''

غل جو مچا، افراسیاب نے بارگاہ میں سنا، اور حکم دیا کہ ''یہ کون لڑتا ہے؟ بلا لاؤ۔''
کچھ ملازم آئے اور دونوں کو سامنے لے گئے۔ دونوں نے سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیوں لڑتے ہو؟ یہ کیا ماجرا ہے؟

کلوار نے کہا: ''یہ میری جورو ہے، اور مجھ سے راضی نہیں ہوتی۔''

بادشاہ نے کلوارنی سے پوچھا کہ ''کیوں نہیں راضی ہوتی؟''

اس نے کہا کہ ''اے بادشاہ، اگر آپ غلام کنیز کے حوالے کر دیں، مجھے منظور ہے، اور اس کا ساتھ نہیں منظور ہے۔ یہ موا نہ روٹی دیتا ہے نہ کپڑا دیتا ہے، اور مار مار کے

میری ہڈیاں چور کر دیں۔ جو کماتا ہے رنڈیوں میں اڑاتا ہے۔''

کلوار نے کہا: ''یہ بالکل جھوٹ کہتی ہے یہ خود یار باز ہے۔''

افراسیاب نے دونوں کا حال سن کر حکم دیا کہ ''اچھا، تم دو ایک مہینے ہماری سرکار میں رہو۔ جس کی برائی ثابت ہوگی، اس کو سزا دی جائے گی۔''

کلوار نے کہا: ''میں اپنی دکان رکھا چاہتا ہوں۔ میں یہاں حاضر نہیں رہ سکتا، مگر ہاں، اس عورت کم بخت کو حضور رکھیں۔ شاید آپ کے یہاں رہ کر درست ہو جائے۔''

بادشاہ نے حیرت سے کہا: ''تم اس عورت کو اپنے پاس رکھو۔''

حیرت نے اس عورت سے اشارہ کیا کہ تو میرے پیچھے آ کھڑی ہو۔ وہ پشت پر جا کر کھڑی ہوگئی۔ اور کلوار دعا دے باہر بارگاہ کے نکل آیا۔

(اب چالاک کو اپنی عیاری کا موقع مل جاتا ہے)

(جلد چہارم)

مزیداریاں

چالاک (عیار)...... اس بات پر آمادہ ہوا کہ کسی طرح اس مارکاکل (ساحرہ) کو قتل کر کے بیضۂ عقاب (جو جادو میں کام آتا تھا) لے لوں...... اس عیار نے صورت اپنی ایک زن حسینہ کی انجیبی بنائی...... ایک تھالی برنجی ہاتھ میں لے کر اس تھالی میں کچھ پھول رکھ کر چھم چھم کرتی جانب خیمہ مارکاکل روانہ ہوئی۔ اور جب اس کے سامنے سے یہ ماہ پیکر نکلی، سلام تو اس کو کرلیا، باقی آگے قدم بڑھایا۔

اس نے کہا: ''اے بی، تم کہاں جاتی ہو اور کہاں سے آئی ہو؟ تم تو، میں سچ کہوں، ہوا کے گھوڑے پہ سوار ہو۔ یہ میں جانتی ہوں کہ کپڑے اور گہنا پہنے ہو۔ پھر میں کچھ چھین تو لوں گی نہیں؟ اے سامری، اتنی رکھائی بھی اچھی نہیں۔ ذرا ادھر آؤ، لحظہ بھر ٹھہر کر چلی جانا۔''

وہ نازک بدن یہ سن کر پھری، اور اس کے پاس آ کر تھالی کو تو رکھ دیا، اور اس کی بلائیں لیں، گرد پھرنے لگی۔ مارکاکل خواص بھی اتنی خوشامد کرنے سے پھول گئی، اور سمجھی کہ اب تیرا ستارہ بھی ترقی پر آیا۔ غرض کہ اس زن خوب رو کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔ کہا:

''بس بس، زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ مجھ نگوڑی کے گرد پھر کر کیوں مجھ کو گنہگار کرتی ہو؟ لو آؤ، بیٹھ کر کچھ اپنا حال بیان کرو۔''

یہ نازنین بھی ہٹ کر بیٹھ گئی اور کہا: ''اے ملکہ!''

ماہ کاکل نے کہا: ''بی، میں ملکہ ٹلکہ نہیں ہوں۔ میری شہزادی رہے ہزار برس! وہ البتہ ملکہ ہیں، میں تو ان کی لونڈی ہوں۔''

اس نازنین نے کہا: ''ہماری تو آپ شہزادی ہیں۔ ہم کسی کو کیا جانیں۔ اچھا، اے بیوی، اب نگوڑی کا حال سنو، کہ میرا خاوند یہاں قریب ایک گاؤں ہے وہاں رہتا ہے، مگر بی بی، ایسا ظلمی نگوڑا ہے اور بدگمان کہ میں کیا کہوں۔ ایک تو اس مرلئے میں یہ عادت ہے کہ کسی وقت چھوڑتا نہیں۔ بس ہر وقت اس کو یہی شغل ہے کہ بغل میں اس کی پڑی رہوں۔ میں سچ کہوں، مجھ کو ایسا مردوا چم چچڑا برا معلوم ہوتا ہے اور ذرا کسی سے ہنس کے بات کرو تو چھنالا لگتا ہے۔ کہیں آنے جانے نہیں دیتا۔ آج بڑی مشکلوں سے پوجا کرنے کے بہانے سے چندن تالاب پر جاتی تھی۔ میرے جی میں آیا کہ ذرا جنگل کی بھی سیر کرتی چلوں۔ میرا اس مردوئے سے ناک میں دم ہے مگر کیا کروں، گڑ بھرا ہنسیا ہے کہ نہ اگلتے بنتا ہے نہ نگلتے۔ اب یہ ٹانگ کھولتی ہوں تو لاج ہے اور وہ ٹانگ کھولتی ہوں تو لاج ہے۔ میں باپ کے کیے کو بھرتی ہوں، میں سچ کہوں، جیسا میں بیاہ کے آئی تھی اس کی اب آدھی نہیں رہی۔ روز کے جلاپے سے لہو پنڈے کا سوکھ گیا۔''

ماہ کاکل نے کہا: ''بی بی، شکر کرو کہ تمہارا بڑا سہاگ ہے۔ ایسا کسی کو نصیب کہاں ہوتا ہے۔ سامری کل جہان کی سہاگنوں اور بیٹیوں کو نصیب کرے۔''

اس نے کہا: ''بھاڑ میں جائے ایسا سہاگ، آگ لگے ایسے سہاگ کو۔ آپ بھی خوب ہیں! میں درگزری ایسے سہاگ سے، میں تو مرجاؤں گی! اے بیوی، اب میں چاہتی ہوں کہ کسی طرح ملکہ حیرت پاس پہنچوں اور افراسیاب کی ملازمت کر کے نوکری کرلوں۔ وہ موا پڑا جھک مارا کرے۔ جب اپنی لعل سی جان گھل گھل کے تمام ہوگئی تو سہاگ کو لے کے چاٹیں گے۔ بس اس کے یہاں تو روٹی کھالو، کپڑا پہن لو۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ باغ کی سیر ہو، گانا روز سنوں، شراب پیوں، چین کروں، دنیا کا سیر تماشا دیکھوں۔ میں نگوڑی ماری کیا جانوں یہ! گائے بھینس کی طرح کھلی بھوسی کھائی اور کھونٹے سے بندھی رہی۔ یا تو

یہ ہے یا خصم کی بغل ہے، دوسری کوئی بات ہی نہیں۔"

مارکاکل ایک قہقہہ مار کر ہنسی اور کہا: "یہ کہو، بی بی، مزا تمہارے دل میں بھرا ہے۔ نام سامری سے جیوڑا آپ کا مزیدار ہے۔ پھر بھلا یہ بہو بیٹیاں کا طرز کہاں! اور کوئی مرد آدمی کا ہے کو جائز کرے گا؟"

اس عورت نے کہا: "سامری قسم، میرے دل میں کوئی برائی نہیں۔ میں بھی کم بخت کو چاہتی ہوں۔ یہ نہیں چھوڑ کر کسی اور کو کر لوں، یا کوئی یار کروں، لیکن میں کیا کروں، میں تو کبھی بچپنے سے آج تک اکیلی رہی نہیں۔ باپ ماں کے یہاں بھی کم سے کم ہوں گے تو پچاس ساٹھ آدمی فقط گنتی کے تھی کہ ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ ہم سب مل کر باغوں کی سیر کرتے تھے۔ دن رات آپس میں ہنستے بولتے، گاتے بجاتے رہتے تھے۔"

مارکاکل نے کہا: "اسی سے بیٹیوں کو دبا دبو کے رکھتے ہیں کہ ان کا دیدہ ہوائی نہ ہو جائے۔"

ان باتوں میں اور ساتھ والیوں نے کہا: "بی بی، پھر تمہیں کیا ہے؟ ان کو ہو سکے تو اپنی بی بی کے پاس بھیج دو، وہ ملکہ حیرت کے پاس نوکر رکھا دیں گی۔"

ایک بولی: "میری جان! اب چاہئے کہ یہ دب کر رہیں اور خصم کا گھر کریں تو یہ ہونا نہیں۔ ان کا دل اب اور طرف ہے۔ آپ نہ بھیجئے گا تو یہ آپ ہی نکل جائیں گی۔"

مارکاکل نے کہا: "اور خصم تیرا جو مجھ سے دعویٰ کرے تو، او نیک بخت، کیا میں جواب دوں گی؟"

اس نے کہا: "آپ کہہ دیجئے گا کہ جورو تیری کوئی بھگا نہیں لے گیا، موجود ہے، جو تجھ سے راضی ہو لے جا، ورنہ اس کے باپ سے ہم سے ملاقات تھی، ہمارے لڑکیوں کی برابر ہے ناراض کر کے کیونکر بھیجیں؟ اے بی، وہ مؤا کیا داعیہ کرے گا بالکل جھڈو ہے!"

ان باتوں میں اب وہ زمانہ آیا کہ چاندنی نے کھیت کیا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اوس گرنے لگی۔ جنگل میں پھول کٹورا سے کھلے نظر آنے لگے۔ چشمے لہرانے لگے، عجب لطف بر سیر گلزار کا زمانہ تھا۔ کشتی شراب کی کھینچ کر مارکاکل نے کہا: "لو شراب پیو، آج رات کو یہاں تم رہو۔ دیکھوں کہ تمہارا میاں ڈھونڈتا ہوا یہاں آتا ہے یا نہیں، اور آتا ہے تو کیا راگ گاتا ہے۔"

چالاک نے سلام کر کے جام اس کے ہاتھ سے لیا، اور اس نے کہا کہ "میں ابھی

لڑنے خدا پرستوں سے جاتی ہوں۔ تم میرے ساتھ اسی طرف چلو۔ جب میں ادھر سے پھروں گی تو تم کو حیرت کے پاس لے چلوں گی۔''

اس نازنین نے کہا: ''بہتر ہے، جس طرح آپ کی مرضی۔ بلا سے، روز کی آفت سے تو کچھ دنوں بچی رہوں گی۔ یہی نہ کوئی کہے گا کہ چودھری کی بہو نکل گئی۔ خیر، کہہ لے گا۔ میرا حال تو یہ سامری ہی خوب جانتے ہیں۔ اور، اے بیوی، جب میرا میاں مجھ سے ملا کرے گا تو پھر کوئی مجھ کو کچھ نہ کہے گا۔''

غرض وہ جام آنکھ بچا کر اس نے گریباں میں انڈیلا، اور ان عورتوں نے کہا: ''حضور، ان کو گانے بجانے سے بھی شوق ہے، بھلا آج تو اپنی گائنیں بلوا کر ان کو گانا سنوا دیجیے، سچ ہے یہ بیچاری ترسی بلکی عیش و راحت کی ہے۔''

ایک نے کہا: ''ہے ہے! انگوڑی کی صورت تو پیاری پیاری ہے۔''

دوسری نے کہا: ''اسی لیے تو مردوا دن رات لئے پڑا رہتا ہے۔''

مارکاکل کی طبیعت بھی اس کو پیار کرنے لگی تھی، اس لئے اس نے بھی گوارا کیا کہ اس کا میاں آئے گا تو کیا کرے گا۔ اب تو افراسیاب کی پیاری ہے، وہ سب طرح اس کے خاوند کو راضی کر دے گا۔ غرض اس نے اپنے یہاں کی گائنوں کو بلایا۔ وہ آ کر بیٹھیں اور ساز ملا کر سامنے مارکاکل کے گانے لگیں۔ چالاک چپکا بیٹھا رہا، اور بعض بعض مقام پر اس نے کہا: ''اونہہ!'' ناک بھوں، تیوری چڑھائی، منہ پھیر لیا۔ ایک آدھ سے باتیں کرنے لگا۔

مارکاکل نے کہا: ''اے بی گانا سنتی ہو کہ باتیں بنا کر اور کا مزا بھی کھوتی ہو؟ دیکھو گائنیں تو اپنی جان لڑا رہی ہیں، اور تم خیال نہیں کرتی ہو۔''

چالاک نے کہا: میں ایسا سیٹھہ گانا نہیں سنتی کہ نہ جس کا سر درست نہ تال ٹھیک۔''

مارکاکل نے کہا: ''اخاہ، آپ کیسا گانا جانتی ہو کہ ان گائنوں کو کہ جو اس فن کی کسبی ہیں، ان کو بے سرا اور بے تالا بتاتی ہو؟''

اس نے کہا: ''دیکھئے طنبورے ایسے ملائے ہیں کہ پردے تک ان کے ٹھیک نہیں۔ رکھب کی جگہ گندھار اور گندھار کی جگہ پنچم! بھلا یہ بھی کوئی طریقہ گانے کا ہے اور بجانے کا؟''

مارکاکل نے گائنوں سے کہا: ''کیوں، یہ کیا کہتی ہیں؟''

انہوں نے کہا کہ ''بی بی، ہاں سچ کہتی ہیں۔ مگر ان کے ہم بھی مشتاق ہیں۔ ذرا کچھ

بجا کر گائیں۔ بڑی سمجھ بوجھ ان کی معلوم دیتی ہے۔''

مارکا کل نے کہا: ''اے بی، پھر تمھیں کچھ شغل کرو۔''

اس نے کہا: ''حضور یوں تو کون بشر ہے کہ جس کو گانا رونا یاد نہیں۔ بھلا میں کیوں کر کہوں کہ میں خوب گاتی ہوں؟''

مارکا کل نے کہا کہ ''ان باتوں سے بالکل ثابت ہوگیا کہ تم خوب گاتی ہو، اور تم کو بڑا دخل ہے۔ اور تم پہلے ہی کہہ چکیں کہ میں عیش دوست ہوں۔ جب ایسی نہیں ہو تو کیوں تنہائی سے گھبراتی ہو؟ ہاں صاحب، معلوم دیا کہ یہ لڑکی عالی خاندان سے ہے۔ اب ہمارے سر کی قسم، ہماری جان کی قسم، جو انکار کرو۔ کچھ تو گاؤ اس وقت۔''

چالاک نے طنبورا لے کر اس کو وقت دیکھ کر ملایا اور بجانا شروع کیا...... ہوا بندھ گئی...... مارکا کل اور دسوں خواصوں اور گائنوں کا تو یہ حال ہوا کہ روتے روتے غش آ گیا۔ اپنا اپنا زمانہ عاشقی جو یاد آیا، آنکھوں سے دریا آنسوؤں کا بہایا۔ چالاک نے پانی چھڑک کر سب کو ہوشیار کیا۔ مارکا کل نے پاس بلا کر پیشانی پر اس کی بوسہ دیا، اور ہاتھوں کو چوم لیا۔

گائنوں نے کہا: ''بی بی، بھلا ایسا گانا بجانا سات جنم میں بھی نصیب نہ ہوگا۔ یہ راجہ اندر کے اکھاڑے کی پری ہیں۔''

مارکا کل نے کہا: ''واقعی لائق صحبت سلاطین روزگار یہ حسین ہے، جبھی اس کا جی خاوند سے گھبراتا ہے۔ بھلا ایسی طبیعت دار عورت کا غریب کے گھر میں گذر کہاں؟ وہ بیچارا مجھ کو اگر ملے گا تو سمجھا دوں گی کہ اگر اس گل بدن کا وصل ایک بار بھی مہینے میں میسر ہو جائے تو اس کو غنیمت سمجھ۔ ارے یہ عورت نہیں، پچھی ہے۔ کہیں ایسی ایسی عورتیں کسی کے ہاتھ آتی ہیں؟ میں سچ کہوں، اس کو روٹی کی کیا پروا ہے؟ اتنی ہی دیر میں ہم سب کو ایسا اس نے راضی اور اپنے اوپر مائل کیا ہے کہ اب جی چاہتا ہے کہ یہ جان تلک مانگے تو دے دیجیے۔''

(اس کے بعد چالاک بہانے سے سب کو بے ہوشی کی دوا پلاتا ہے۔ اور قتل کر ڈالتا ہے)

(جلد چہارم)

اللہ رے جھمکڑا

شکل بھونڈی سی وہ گھامڑ سا سرا سر نقشا
تارہ دم دار ہے یا چغد کے سر کا سودا
تنگ پیشانی ہے اور بھیڑ کا سا ہے دیدہ
ناک چپٹی ہے، کہو کانگڑے میں جا بنوا
کوتہ گردن ہے، گلا بونگا ہے اور بد آواز
رکھتی ہے گندہ بغل طبع کو اکثر نا ساز
ہے دہانہ کو دریدہ تو زباں سخت دراز
سب بناوٹ ہے، نہ انداز نہ کچھ عشوہ و ناز
ناتراشیدہ ہے کندھا تو وہ دو ہاتھ ہیں چوب
پنجہ انگشت نما، مثل پریشاں جاروب
بال چھاتی پہ ہیں اور سینہ ہے چپٹا چپٹا
گول محرم نہیں اور بند ہے ڈھیلا ڈھیلا
فاختہ الو کی دم کہیے، نہیں ہے چڑیا
کرتی پیڑو پہ لٹکتی ہوئی ڈھلم ڈھالا
پیٹھ ہے پیٹ کے مانند سپاٹ اور کرخت
ناف ابھری ہوئی گھونگی سے زیادہ ہے سخت
کولھے ٹیڑھے، سپاٹ اور بہت نا ہموار
اور پستی کا سرینوں کے کروں کیا اظہار
ذکر کرنے سے ہے اس چیز کے اب نفرت و عار
بن میں اژدر کے ہو جس شکل سے بانبی کا غار
مثل مزبل کے بہا کرتا ہے گندہ پانی
تھوکتے بھی نہیں مردار پہ اب تو زانی
ران پر گوشت نہیں اور نہ اس پر مچھلی

ساق پر بال ہیں اور سخت جیسے لکڑی
پنجہ جتی کی طرح کج ہے، کڑی ہے ایڑی
انگلیاں پیر کی بد قطع ہیں ٹیڑھی ٹیڑھی
پا میں چکر ہے تو مانند فلک کج رفتار
نام پر ماریے ہرجائی کے پیزار ہزار
خاک صورت پہ ادا کا بھی نہیں نام کو نام
ہے سراسر وہ مخنث کی طرح بد نام
رنڈی پن سے ہے نہ خود کام کو کچھ لوچ سے کام
نام ہرجائی کا آوارہ ہے اب طشت ازبام
ایک پر بند نہیں، لاکھ سے انکار نہیں
تجھ سی بد کار جہاں میں کوئی مردار نہیں

(جلد چہارم)

آتے ہی جڑ دی پہلی ملاقات میں چھڑی

(ملکہ حیرت اپنی عیارہ صرصر کو حکم دیتی ہے کہ مسلمانوں کے لشکر سے معمار کو پکڑ لا، جو ان کے ساتھ مل گیا ہے)

صرصر...... چوبدار کی صورت بن کر اس طرف پہنچی کہ جہاں مہرخ کی مجرائی رنڈیاں اتری ہوئی تھیں۔ یہاں آکر جو دیکھا تو خیمہ اور پالین استادہ ہیں فرش دریوں، چاندنیوں کے بچھے ہیں، جوان جوان بیٹھی ہے، کوئی مقابلہ کھولے آرائش و زیبائش میں اپنے مصروف ہے، کوئی بیٹھی تعلیم لیتی ہے، عاشق تن جمع ہیں، کوئی کسی یار سے ہنس رہی ہے۔ اسی طرح یہ دیکھتی ہوئی ایک رنڈی سندر نام کے ڈیرے پر پہنچی کہ اونچی رنڈی تھی۔ اس کا ہاتھی جو انعام میں ملا تھا، ایک طرف بندھا تھا۔ خیمہ مثل بارگاہ کے بہت بلند اور وسیع تھا۔ نوکر خدمت گار وغیرہ سرگرم کار تھے۔ دو چار خوشامدی ہر وقت مرد آدمی وضع وہاں بیٹھے رہتے تھے۔ رنڈیاں یعنی نوچیاں ہر طرف بصد آرائش و زیبائش پھرتی چلتی تھیں۔ دو ایک چاہنے والے بھی ادھر

ادھر لگے ہوئے تھے۔ بعض سے اشارے ہوتے تھے، بعض سے جگت بازی ہوتی تھی۔

صرصر چوبدار تو بنی ہوئی تھی، ایک نازنین نہایت خوبصورت گل خام کو اس نے تجویز کر کے قریب جا کر ہاتھ اس کا پکڑ لیا اور کہا ''اے بی، ذرا ادھر آؤ، سنو تو۔''

اس نے کہا؛ ''بھئی، ہائے اللہ، ہم سے نہ بولو۔''

اس نے کہا: ''واہ واہ، تم خوب ہو! ارے صاحب میں تم سے ایک بات پوچھوں گا۔''

اس نے کہا کہ ''جو کچھ پوچھوا می جان سے پوچھو۔ میں کیا جانوں؟''

اس نے کہا؛ ''تم سے پوچھ لیں گے تو کیا قباحت ہوگی؟ ذرا ادھر آؤ۔''

وہ نازنین اس کے کہنے سے پشت خیمہ کی طرف چلی آئی۔ اس نے کہا؛ ''میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تمہارا سر ڈھانکا گیا ہے یا نہیں؟''

وہ شرما کر نیچی گردن کر کے چپ ہو رہی۔ اس نے کہا کہ ''شرمانے کی بات نہیں ہے۔ یہاں ایک سردار والا تبار معمار قدرت ہے' اس سے کئی لاکھ روپیہ کی یافت ہے۔''

اس نے یہ سن کر چاہا کہ اپنا ہاتھ چھڑا کر کھل کھلا کر ہنستی ہوئی بھاگ جائے، صرصر نے ہنسی سے اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا کہ وہ بے ہوش ہوگئی۔ اس نے اس کو اٹھا کر اور علیحدہ مقام تنہائی میں لے جا کر کپڑے اس کے اتارے اور رنگ و روغن عیاری لگا کر اس کی ایسی صورت بنی...... اس صورت سے آراستہ ہو کر اس رنڈی کو ایک گڑھے میں ڈال کر پتوں وغیرہ سے چھپا کر آپ اٹھلاتی ہوئی اس خیمے میں کہ جہاں سے وہ رنڈی آئی تھی، آئی۔

نائکہ نے اس کو دیکھ کر پوچھا: ''اری سندر، کہاں گئی تھی؟''

اس نے کہا: ''حضور، ادھر ہی اُدھر تھی۔''

وہ خاموش ہو رہی۔ اس عرصے میں چوبدار سلطانی آیا کہ چلو، حضور میں مجرا کرنے کو بلایا ہے۔ نائکہ نے کڑے سونے کے ہاتھ میں پہنے، انگیا ٹھیک چست زیب تن کر کے، ململ کا چنا ہوا دوپٹہ اوڑھ کر چوپہلے میں سوار ہوئی۔ رنڈی کو بھی پاس بٹھایا۔ ایک طرف اگالدان لگایا، پانچ آگے ڈھیر کر لئے، کہار ڈولی اٹھا کر چلے، پیچھے پیچھے یہ بھی رواں ہوئے۔

غرض یہ جا کر جلوخانے میں اتری۔ ایک طرف کو کنجی بارگاہ ملی۔ فرش بچھ گیا۔ اسباب وہاں رکھا گیا۔ ساز وہاں چھڑنے لگا۔ نوچی آراستہ کنگھی چوٹی سے ہو کر ناچنے چلی۔ نائکہ آ کر ایک طرف بیٹھی، ملکہ اور اہل دربار کو تسلیم کی...... صرصر ناچنے لگی، اس طرح کہ ہر ایک محو ہو گیا......

معمار اٹھ کر جانب جلو خانہ روانہ ہوا۔ صرصر ناچ رہی تھی۔ اس نے نائکہ سے کہا کہ ''یہ سردار مجھ کو اشارے سے بلا گیا ہے، شاید کچھ مجھ پر مفتوں ہوا۔ میں جاتی ہوں اور اس سے باہر بارگاہ کے جا کر باتیں کرتی ہوں۔''

نائکہ نے لالچ میں آ کر اجازت دی۔ صرصر باہر بارگاہ کے گئی اور معمار کو جاتے دیکھ کر پکارا کہ ''اے نوجوان ذرا ٹھہرنا۔''

......اس آفت جاں نے قریب آ کر دونوں ہاتھ کمر میں ڈال دیئے اور کہا: ''یا سامری، ایسا بھی بے مروت میں نے تم سا کوئی مردوا نہیں دیکھا۔ اس طوائف پنے کے پیشے میں ہزاروں مردوے میں نے دیکھ ڈالے، لیکن تمہاری سی صورت آج تک میں نے دیکھی نہیں۔ میں سچ کہوں، جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے، میرا تو یہ حال ہوا ہے کہ:

پیار کرتی ہوں مگر تم کو مری چاہ نہیں
آپ اتراتے ہیں یا خیر سے آگاہ نہیں
کھا کے سوگند کہا میں نے کہ واللہ نہیں
تم سے کیا رسم ہو، خوبوں سے مری راہ نہیں
ہو گیا جان کا لیوا مجھے کر کے مفتوں
ایڑی چوٹی پہ موئے عشق کو قربان کروں
دل ہوا تم پہ فدا تم نہیں واقف پیارے
ہو کے خوں رہ گئے آخر دل و جاں بیچارے
دن جو حسرت میں گیا شام الم کے مارے
رات بھر صبح ہوئی ہجر میں گن کر تارے
خاک میں آپ کی الفت نے ملایا جوبن
آتش عشق نے پھونکا دل و جاں کا خرمن

بس اب میں تم کو کہاں جانے دوں گی۔ سامری کی قسم ہے، جان دوں گی اگر میری جانب نظر التفات نہ کرو گے۔''

معمار نے جو ایسی خوبصورت، کم سن معشوقہ کو ایسا عاشق خصال پایا، دل سے کہا کہ یہ بھی دولت لازوال ہے جو سامری نے تجھے عنایت کی ہے۔ ارے نادان:

چاہنے والی کسی کو ملتی ہے

اس کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔ پس یہ سوچ کر اس نے کہا: ''ارے جانی، والے مایہ عمروزندگانی، میں کیا جانوں کہ کون مجھ سے محبت کرتا ہے، اور میری الفت میں آہ ونالہ کرتا ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ تم کو مجھ سے الفت ہے۔ اچھا تم ٹھہرو میں بعد چند روز کے پھر یہاں آؤں گا، اس وقت تم کو اپنے پاس بلاؤں گا۔''

اس صنم زیبا صورت نے ایک ڈھیلا ہاتھ اس کے اوپر مارا کہ ''چل مردوئے، حواس میں آ۔ میرا تو حال یہ ہے کہ ایک گھڑی فرقت میں کٹنا محال ہے، اور یہ جب آئیں گے تب مجھ کو بلائیں گے، جب تک تم مجھ کو جیتا پاؤ گے؟ ہاں، قبر پر روتے ہوئے آؤ گے۔''

یہ کہہ کر چپکے سے کہا کہ ''سامری کی قسم، نائکہ روز پیغام سرڈھکنے کا ہر ایک امیر سے دیتی ہے۔ میں اس نام سے بھاگتی ہوں، اور کہتی ہوں کہ جس پر دل آیا ہے، سامری کرے وہ امانت پائے۔ اے میاں، تیرے صدقے، اب مجھ کو تم اپنی فرقت میں نہ تڑپاؤ۔ جہاں جاتے ہو وہاں ساتھ لیتے چلو۔ مجھ کو گھر میں چھوڑ کر یہاں چلے آؤ۔ نائکہ اگر داد وفریاد کرے، کچھ اس کو دے کر راضی کر دینا۔''

معمار نے دل میں اپنے سوچا کہ یہ مال تو خوب ملا کہ یہ ناکتخدا بھی ہے، کسی کی جورو بیٹی نہیں، اچھا تو ہے، اس کا محل کرے۔ بس یہ سوچ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اشارہ جو کیا، ایک تخت اس کے چوتڑوں کے نیچے آ گیا۔ معمار بھی اس تخت پر سوار ہولیا، اور اس کو لے کر چلا۔

ایک مقام پر...... دامن کوہستان تھا، اور دور تک سبزہ لہلہا رہا تھا...... اس صحرا کو دیکھ کر صرصر نے معمار کی گردن میں باہیں ڈال دیں...... معاذ اللہ، وہ گدرایا بدن، وہ تن گرما گرم کی گرمی پہنچنا! قوت حیوانی ہیجان میں آئی، جلد اس نے بھی رخسار پر رخسار رکھ دیا۔ یا وہ فرط رعب حسن سے چپ بیٹھا ہوا تھا، یا اس نے ہنگامہ مستی اٹھایا، غلیان شہوت ہوا۔ اس ماہ پارہ نے بصد اخلاص آنکھوں کو گردش دے کے مسکرا کر کہا کہ ''اے معمار، ایسا سبزہ اور ایسا صحرا بھی کم دیکھنے میں آیا ہے...... اگر تمہارا جی چاہے تو اس پہاڑ کے دامن میں کسی چشمے کے کنارے اتر کر گھڑی دو گھڑی ٹھہرو، ہنسو، بولو، عیش کرو، پھر آگے چلنا۔''

معمار فرط مستی سے بے چین تو ہو گیا تھا ہی، اس بات کو غنیمت کیا، فوز عظیم سمجھا، اور یہ بھی خیال کیا کہ بے شک یہ کمان ابرو تجھ پر ہزار جان سے قربان ہے۔ از بسکہ لذت وصل

سے ابھی آ گاہ نہیں ہے، اسی وجہ سے سادہ مزاج ہے، جو آپ ہی خواہش کرتی ہے، اگر بھولی بھالی نہ ہوتی، پکی چھتیسی عورت کھیلی کھائی ہوتی تو ناز وغمزہ نہ جتاتی، اب دلبری کی راہیں، مار رکھنے کی چوٹیں اس کو سکھائیں گے اور طرحدار محبوبہ بنائیں گے، جب اپنے گھر میں اس کو پہنچائیں گے، خوب مزے اڑائیں گے۔ بس ایسا کچھ سوچ کر...... تخت اس نے ایک چشمے کے کنارے اتارا...... چادر کمر سے کھول کر بچھائی اور بیٹھا۔

وہ نازنین پانی میں پاؤں ڈال کر خوش فعلی کرنے لگی، اور گھٹنوں تک پائنچے چڑھا لئے۔ معلوم ہوا کہ شمع فانوس پیرہن سے باہر نکل آئی۔ وہ پاؤں اس کے نگاریں اور گوری گوری پنڈلی۔ معمار کی جان نکلنے لگی۔ چاہا لپٹ جاؤں۔ اس نے کہا: ''ٹھہرو، تم مجھ کو یہاں ستاؤ گے۔ میں ذرا تم سے الگ جا کر پانی سے کھیل لوں۔ منہ ہاتھ دھو کر ابھی آتی ہوں۔''

اس نے کہا: ''میں تجھ کو اس جنگل میں اکیلا نہ جانے دوں گا۔ شیر بھیڑیے کا ڈر ہے۔'' اس نے جواب دیا کہ ''میں دور نہ جاؤں گی۔ گز دو گز تم سے ہٹ کر منہ دھوؤں گی۔'' یہ کہہ کر کچھ دور اس کے پاس سے ہٹ کر کنارے چشمے کے بیٹھی...... صرصر نے ہاتھ منہ دھو کر ایک بیضۂ بے ہوشی اپنے پاس سے نکالا کہ وہ بیضہ کئی طرح کے رنگ سے رنگا ہوا نقش دار تھا۔ سبز سرخ، زرد لکیریں اور پھول اس پر بنے تھے۔ پس وہ بیضہ لے کر اٹھلاتی ہوئی گات کا عالم ابھرے پن کا دکھاتی ہوئی معمار کے پاس آئی اور کہا ''اے جی، اے جی، میں منہ دھو رہی تھی۔ یہ انڈا وہاں پڑا تھا۔ نہیں معلوم کس جانور کا ہے کہ ایسا انڈا میں نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رنگین مچھلی جو دریا میں نہیں ہوتی ہے، وہی کنارے پر آ کے یہ انڈا دے گئی۔ ارے نہیں، نہیں! میں سمجھ گئی! یہ ولایتی کچھوے کا انڈا ہے۔ اور صاحب، اس میں سے خوشبو بھی آتی ہے۔ سامری کی قسم، مجھے دل سے بھاتی ہے۔''

یہ کہتی جاتی تھی اور اس طرح کمر کو کولوں کو بل دیتی تھی کہ نامرد مادر زاد کو بھی مستی آتی تھی۔ معمار نے اس کو کھینچا، اور کہا: ''میرے ساتھ سو رہو!''

اس نے کہا: ''سامری کی قسم، دیکھو میری کلائی ٹوٹ جائے گی۔ اور نگوڑا یہ وقت سونے کا کون ہے! رات کو سوتے ہیں یا اس وقت؟ ہوا بھی ٹھنڈی چلتی ہے، نیند تو خوب آئے گی! مگر میں سچ کہوں، جان بھی جائے گی۔''

معمار نے کہا: ''واہ، وہ سونا میں نہیں کہتا ہوں۔ ذرا میرے پاس بیٹھئے تو سہی۔''

اس نے کہا: ''اے لو، اب میں سمجھی تم مجھ کو جورو بناؤ گے۔ جمشید جانے، میں ان باتوں پہ راضی نہیں۔ میں، اے صاحب، تمہاری صورت دیکھنے کی مشتاق ہوں، میں، صاحب، تمہارے ہتے پر نہ چڑھوں گی۔''

معمار نے ایک نہ مانی، اور اس کو جب آغوش محبت میں کھینچا، اس نے کہا: ''اچھا اچھا، میں تمہاری کنیز ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ مردوئے اپنے مزے کے واسطے رحم نہیں کرتے ہیں۔ دیکھو، سامری کی قسم، میرا پنڈا ابھی پھکا ہے۔ کئی دن سے بخار رہتا ہے۔ اس وقت تمہاری زبردستی سے دل دھڑکنے لگا۔ مگر تم کو اپنے مزے کی سوجھی ہے۔ خیر، اس انڈے کو سونگھو اور بتاؤ تو کہ یہ کس کا انڈا ہے۔''

......اس نے سونگھا۔ سونگھتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

(اور صرصر اسے اٹھا لے گئی)

(جلد چہارم)

بولی ٹھولی

(ضرغام عیار ملکہ حیرت کی بارگاہ میں داخل ہونا چاہتا ہے، اور اس کی وزیرزادی یاقوت کی بارگاہ کے قریب اس فکر میں کھڑی ہے)

ناگاہ زنانی ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا کر ایک خواص نے جھانکا۔ اور کہا: ''ارے میاں، کوئی ارسام بن مرسم کا بھیجا ہوا آدمی آیا ہے؟''

ضرغام پہلے تو چپ رہا کہ دیکھوں کوئی اس کو جواب دیتا ہے یا نہیں۔ جب کسی نے جواب نہ دیا، اس وقت دوبارہ اس کے پکارنے پر اس نے کہا: ''حضور، میں دیر سے یہاں کھڑا ہوں۔ کوئی میری خبر ہی آپ تک نہیں کرتا ہے۔''

اس نے کہا: ''تم ارسام بن مرسم کے یہاں جو توشک خانے کے داروغہ ہیں، ان کو پہنچانتے ہو، اور ان کے بیٹے کو جانتے ہو؟''

اس نے کہا: ''کیا خوب! میں ان کا لڑکپن کا ملازم ہوں، اور میں ہی نہیں پہچانتا؟ حضور، میں وہ تو دن رات ایک جا رہتے ہیں۔ بلکہ میں تو ایسا ہوں کہ وہ مجھ پر بڑی عنایت فرماتے ہیں،

اور مجھ سے سب ملازم جلتے ہیں، خار کھاتے ہیں۔ اور میں وہ تو ایک جان دو قالب ہیں۔"

اس عورت نے یہ باتیں سن کر کہا: "اچھا، آؤ، پردے کے پاس آؤ۔"

یہ عیار آگے بڑھا تھا کہ دربانوں نے کہا: "بی، سیوتی۔ کیا تمہاری بری عادت ہے کہ ہر ایک کو پردے کے پاس بلاتی ہو۔ ان کو پردے کے پاس نہ بلاؤ۔ سرکار کا غصہ جانتی ہو، اور پھر وہی بات کرتی ہو۔ ان کا حکم ہے کہ کوئی زنانی ڈیوڑھی کے پاس نہ آئے، نہ کوئی عورت مرد سے وہاں بات کرے۔ بات کرنا ہے تو ہم ہٹے جاتے ہیں۔ آپ باہر آ کے بات کرلیں۔ آپ کا کچھ نہ جائے گا، ہم پر خفگی آئے گی۔ جرمانہ ہوگا یا نوکری جائے گی۔"

اتنا کہنا تھا کہ وہ عورت خواص اپنے جامے سے باہر ہوگئی اور کہا: "لو صاحب، میں کسی بھڑوے چھنال سے دبنے کی نہیں! کیا مجھ کو ان موئے دونوں نے چھنال مقرر کیا ہے جو بات کرنے کی ممانعت کرتے ہیں؟ اپنا عہدہ مجھی پر توجتاتا ہے، جس میں یہ معلوم ہو کہ ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں، اے موؤ، اپنے حواس درست کرو، منہ بنواؤ۔ مجھے کسی بھڑوے چھنال کا ڈر ہے جو یہاں بات نہ کروں؟ میں کسی کی ماما یا مغلانی، ایرے غیرے پچ کلیان کی نوکر نہیں ہوں، اور نہ کسی کی لونڈی ہوں۔ میں ایسے کی نمک پروردہ ہوں جو حیرت کی روح و جان ہے۔ تم سب جب چاہو آزما دیکھو۔ اپنے اپنے جی ارمان نکال لو، جو تمہارے جی میں ہو، نیک و بد، اچھی بری، جو چاہو وہ میرے لئے ملکہ سے کہلا بھیجو، یا خود کہو، دیکھو تو کہ اس کا کیا جواب ملتا ہے۔ اور میرے لئے سزا، جرمانہ، گھر کی جھڑکی ہوتی ہے یا تم سب پر خفگی آتی ہے۔ کہو تو ابھی تم سب کو نکلوا دوں۔ میں نے ہزار بار کہا ہے کہ ذرا میرے منہ نہ لگنا۔ کیا تم نے مجھے کوئی دبڑو گھسڑ و مقرر کیا ہے یا دل لگی باز بنایا ہے کہ میرا صاحب اسی بہانے سے لاؤ، اس کو بکواؤ۔ اے، میں بھی اپنے نام کی ہوں رہ جاؤ، بھڑوؤ، تمہاری ایسی کی تیسی! آج جو تمہاری گت نہ بنوائی تو نام اپنا بی سیوتی نہ پایا۔"

یہ کلمات سن کر آپس میں سب چپکے چپکے دربان کہنے لگے کہ "ارے میاں، تم نے ناحق اس جھاڑ کے کانٹے کو اپنے پیچھے لگایا۔ اس سے ڈرنا ہی چاہئے۔ اگر یہ کچھ مالک سے لگا دے اور وہ بڑی ملکہ سے کہیں تو بے شک بے عزت ہو کر ہم سب نکال دیئے جائیں۔"

غرض یہ باتیں آپس میں کر کے گویا ہوئے کہ "بی سیوتی صاحب، ہم تو جیسے ملکہ کے تابع فرمان ویسے آپ کے۔ آپ جس کو چاہیں اندر محل کے بُلا لے جائیں۔ ہم نے تو ایک

قاعدے کی بات کہی تھی، آپ ہی کے لئے اس میں بہتری تھی، آپ خفا نہ ہوں، جو مزاج میں آئے وہ کیجئے۔'' یہ کہہ کر عیار سے کہا: ''میاں، جاؤ، پردے کے پاس، جو بی صاحبہ فرمائیں وہ سن آؤ۔''

ضرغام فوراً سب ڈیوڑھیاں طے کر کے قریب پردے کے پہنچا۔ اس رنڈی نے پردے کے اندر اپنے پاس بلا لیا۔ اس نے وہاں جا کر دیکھا تو گھونگھٹ زنانی ڈیوڑھی کے پردے کے پاس عقب میں بنا ہے، اس طرف محلات کی عورتیں بول رہی ہیں، گہما گہمی کی صدا آتی ہے، اور پاس وہ نازنین عنبریں مو کھڑی ہے۔ یقین تھا کہ بے ہوش ہو جائے، وہ اس کی سادی سادی وضع ...... کانوں میں ایک ایک بالا پڑا...... ناک میں کیل ...... سینہ ابھرا ہوا...... کمر نازک، کولہے قطع دار، پیڑو ابھرا ہوا، رانیں بھری بھری، گویا سانچے کی ڈھلی، پائجامہ گل بدن کا لچھے دار پہنے، پائنچے اس کے کلائی پر پڑے، مہین شبنم کا چنا ہوا دوپٹہ، ہلکا پیازی رنگا ہوا اوڑھے، موقع ومناسبت سے ہلکا ہلکا زیور پہنے، نزاکت سے ہر بار تیوریوں پر بل ڈالتی ......

وہ چھلی، وہ جگت اور وہ بولی ٹھولی
چست انگیا کی کٹوری تھی تو اونچی چولی

اس برق وش نے جب دیکھا کہ ضرغام پاس اس کے آیا تو ہنس کر کہا کہ ''ارسام بن مرسم جادو خیمے میں اپنے جو رہتا ہے تو کیا کیا کرتا ہے؟ میں جانتی ہوں کہ دن رات رنڈی بازی کرتا ہوگا۔ ہر روز نئی رنڈی مؤا بلواتا ہوگا۔''

ضرغام سوچا کہ یہ رنڈی معلوم ہوتی ہے اور اس نطفۂ حرام ارسام سے آشنائی رکھتی ہے، اسی کے خیال میں دن رات رہتی ہے اور اسی کا آدمی تجھ کو سمجھ کر اس نے بلایا ہے۔ تو بھی اب ایسی باتیں کر کہ اس کو یقین اس کی ملازمت کا آجائے۔ یہ سوچ کر اس نے بناوٹ کر کے کہا کہ ''اے بی، جو تمہارا جی چاہے وہ تہمت اس بے چارے پر رکھو۔ وہ تو بس گھر میں ہی لکیر کا فقیر بنا ہوا بیٹھا رہتا ہے۔ نہ گھر سے کہیں آئے نہ جائے، نہ کسی کو بلائے۔ ہم نے آج تک کسی سے ہنس کے بھی بات کرتے نہیں دیکھا۔''

اس قتالۂ عالم نے کہا: ''تم تو اس کی دوستی کی ایسی کہو ہی گے۔ وہ حرامی ایک ہی متفنی ہے۔ یہاں میرے پاس جب دسویں پانچویں آتا ہے تو ہر ایک خواص کو ہماری ملکہ کی دیکھ دیکھ کے سسکیاں بھرتا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے ہائے جانی کہتا ہے، اور لگاوٹیں کرتا

ہے۔تم نے کہا اور میں نے مانا کہ اب وہ دھودھا کے مصلے پر چڑھا ہے۔ بھلا تم تو کہتے ہو کہ میں ان کا مدت کا دوست ہوں۔ یہی جانتے ہو! سچ کہو کہ وہ ہمارے یہاں کی کیا باتیں کرتا ہے؟ کبھی میرا ذکر کرتا ہے؟ مجھ کو یاد کرتا ہے؟ یا یہاں کی خواصوں کا نام لیتا ہے؟''

ضرغام نے کہا: ''صاحب، میں کس کا نام لوں؟ اب تم میرا کہنا تو مانتی نہیں ہو، اور میری یہ طاقت نہیں جو مفصل حال کہوں۔''

یہ سن کر اس نے کہا: ''تمھیں میرے سر کی قسم، تمھیں اپنے ایمان کی قسم، تم جسے پیار کرتے ہو، جسے چاہتے ہو، اسی کے سر کی قسم، میرا حلوا کھائے، میرا مردہ دیکھے، جو سچ نہ کہے، وہ یہاں کس کو پیار کرتا ہے؟ چھپاؤ نہیں۔ تمھیں ڈر کس کا ہے؟ میں تو تمھارے پاس کھڑی ہوں۔ وہ تمھارا کرے گا کیا؟ کوئی خدا ہے جو روٹی تمھیں نہ ملے گی؟ بہ ایمان خود، جب تک میں زندہ ہوں، تمھیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''

ضرغام نے کہا: ''آپ کی عنایت سے اور سامری کے فضل سے مجھے کچھ اس کا خیال نہیں، لیکن کیا کہوں، ایک کی تو جان جاتی ہے اور آپ یہ باتیں بناتی ہیں۔''

اس نے کہا: ''اچھا جی، میں اب سمجھ گئی! سامری کی قسم، جھوٹ! جمشید کی قسم، رتی بھر سچ نہیں! ایسی ہی کوئی مال زادی ہوگی جو اس کی دوستی کا اعتبار کرے گی، اگر وہ میرے گھر پر چلتا اور رنڈی بازی کو آگ لگاتا تو ایسا چین کراتی، وہ بھی تو یاد ہی کرتا، لالوں کا لال رہتا۔ اس کو کس بات کی کمی رہتی۔ وہ تو اس کو عارضہ کم بخت چھنالے کا ہے، جیسے بدکار کو لپکا ہوتا ہے۔ اچھا بتاؤ، تم کو کیوں بھیجا ہے؟''

اس نے کہا: ''آج میری منتیں کیں کہ تم ذرا جا کر ادھر ادھر دیکھ بھال کے کوئی آدمی محل کا ملے تو ان کی خیریت مجھے لا دو۔''

اس آفت جاں نے یہ سن کر ایک قہقہہ مارا اور کہا: ''خوب! اب بھی ناحق مجھ نگوڑی کی یاد آئی۔ ارے کم بخت، کہو کہ میرے کہے پر کیوں نہیں چلتا۔ گھر میں وہ بیٹھے تو اس کی لونڈی بنی رہوں، ہر وقت پاس رہوں، کوئی دم جدا نہ ہوں۔ اچھا، تم اب جا کر یہ کہو کہ اس بارگاہ کے پچھواڑے ایک آموں کا باغ ہے، اس باغ سے نکل کر ایک جھیل ہے، اس کے کنارے کچنال کا درخت ہے، وہاں آجائے، اور مجھ سے دو دو باتیں کر جائے۔ اگر میرا کہا ماننے کا اقرار کرے تو خیر، نہیں تو میں کہاں اور وہ کہاں۔''

ضرغام نے کہا: ''نہیں، تم ایسی باتیں نہ کرو۔ وہ تمہارے دردِ جدائی میں مرتے ہیں......''
وہ گل رو یہ سن کر باغ باغ ہوگئی، اور کہا: ''اچھا، تم جاؤ، اور اس بے وفا کو جہاں کا میں نے پتہ دیا ہے لے آؤ۔''
ضرغام نے کہا: ''پھر تم کتنی دیر میں آؤ گی؟''
اس نازنین نے کہا: ''مجھے کیا دیر ہے؟ تم گئے اور میں وہاں تمہارے جانے سے پہلے آجاؤں گی۔''
(غرض عیار اسے گرفتار کرلیتا ہے، اوراس کے کپڑے پہن کر یاقوت کی بارگاہ میں آتا ہے)
دیکھا کہ ہر سمت صحنچیوں میں ہر ایک عملے کی عورتیں بیٹھی ہیں۔ کوئی اپنا سنگار کرتی ہے، کوئی مسّی لگاتی ہے؟ کوئی طوطے کو جمشید جی پڑھاتی ہے، کوئی کھانا پکانے کی فکر میں ہے۔ کسی کا مہمان آیا ہے، اس کی خاطر میں مصروف ہے۔ پلنگڑیاں بچھی، چوکے تختے کے لگے ہیں۔ ماما ئیں ہر ایک کے باورچی خانے کو گرم کر رہی ہیں۔
(اس کے بعد وہ یہاں کچھ اور عیاریاں کرتا ہے)

(جلد چہارم)

اشرف المخلوقات

نظر اٹھا کر دیکھا تو عمرو پر نگاہ پڑی۔ ایک عجیب الخلقت انسان کو دیکھا کہ جس کا سر ناریل ایسا ہے، کلچے سے گال ہیں، خوبانی سی ناک، تکا سی ریش ہے، موتی مروارید کے ایسے دانت، رسی سے ہاتھ پاؤں، طباق سا پیٹ، زیرہ سی آنکھیں، چھ گز کا دھڑ نیچے کا، تین گز کا اوپر کا۔
(جلد چہارم)

چُھوچھکّا

بیروں کو بھینٹیں ملیں اور جھٹکے کیے گئے۔ ڈھولے جھومنے لگے۔ بنگالی ڈمرو بجانے لگے۔ مسان کی مٹی لے کر جوت کا دیا قائم کیا، زرد وٹیں اڑانے لگے۔ کہیں منتروں کی جاپ تھی، لونا چماری اور دھنتر اور جوگی جے پال کی دہائی دیتے تھے۔ کوئی منتر پڑھتا تھا کہ ''کالی کالی، مہا کالی کلکتے والی، پاتال کا پانی پیتی، دشمن کی جان لیتی، آگ لگائے، سرگ کو

جائے، جو بیری ہو مارا جائے۔ پڑھو دیوالی میں ایسر باچا۔ جو ہمارا کام نہ کرے تو وہ دھوبی کے کنڈ میں پڑے!''

(جلد چہارم)

سادہ پرکار

(ابوالفتح عیار عورت بن کر سوار سحر کو قتل کرنے نکلتا ہے جو ایک تالاب میں رہتا ہے)

اس مہ پارہ نے ایک تھالی ہاتھ پر برنجی رکھی، چونکہ اس میں جلتی ہوئی اور زیور طلا کار سے جسم کو آرائش دی۔ اور کنارے اس چشمے کے آئی۔ دو تین پتھر بڑے بڑے اٹھا کر اس چشمے میں گھما گھم ڈالے کہ تمام پانی اس کا تلے اوپر ہو گیا، اور چشمے میں بڑا اطلاطم ہوا۔ سوار سحر گھبرا کر باہر نکل آیا...... اس نے اس لالہ فام، قلزم حسن کو کنارے اس چشمے کے کھڑے پایا۔ پکارا: ''اے گوہریم خوبی و آشنائے بحر محبوبی، یہ پتھر تو نے ہی اس چشمے میں پھینکے تھے؟''

اس نے کہا: ''تم سے کیا مطلب، تم جاؤ۔ ہم نے جس کے لئے پھینکے ہیں وہ آپ ہی آئے گا۔''

وہ سوار قریب اس کے آیا اور اس کی صورت دیکھ کر بے قرار ہوا۔ اور پھر اس صفائی اور ڈھٹائی پر مر ہی گیا۔ اس نے کہا: ''اے پیاری! یہ بری حرکت تم نے کی کہ اس میں ہم بیٹھے ہوئے تھے، اور تم نے پتھر مارے۔''

اس غواص محیط خوبی نے سن کر کہا: ''میاں کیا جانوں کہ نگوڑے دریاؤں میں بھی آدمی رہتے ہیں، اچھا اب نہ پھینکوں گی۔ اے میاں، تمہارے چوٹ تو نہیں لگی؟ اگر لگ گئی ہو تو تم مجھ کو مار لو۔'' یہ کہہ کر پکاری کہ ''یا خداوند، تو اس موئے سے بدلا لے کہ جس نے مجھ کو یوں خراب و خستہ کیا!''

اس سوار نے کہا: ''اے مایۂ حسن خداداد و گوہر دریائے ضیا و صفا، یہ تو بتلا کہ کس نے تجھ کو خراب کیا، اور کیوں تو اس جنگل میں آئی، اور چشمے میں سنگ زن ہوئی؟''

اس نے ایک آہ کی اور کہا کہ:

''تلخ جینا ہو ہمیں اور مزے ۔وہ لوٹیں
روتے دیکھیں ہمیں جب دل کے پھپھولے پھوٹیں''

اس سوار نے کہا: ''میں تیری ہر آن پر نثار اور ادا پر صدقے! بتا کہ کس نے تجھے ستایا ہے، یہ اپنا حال تو نے کیا بنایا ہے؟''

اس نازک بدن نے کہا: ''اے میاں، اب تم سے کیا پردہ رہا، اور چھپاؤں نگوڑا کہاں تک، اب تو آوارۂ دشت ادبار میں ہو چکی، ذات برادری سے گئی، ماں باپ چھوٹے، کہیں کی نہ رہی۔ میں قلعۂ عقیق کوہ کی رہنے والی ہوں، اور نیچ قوم نہیں، اُتم ذات کی ہوں۔اب اپنی ذات کیا بتاؤں۔ خیر اس کو یہیں رہنے دو۔ میرے گھر میں ایک چھوکرا نوکر تھا۔ کاروبار گھر کی ٹہل کرتا تھا۔ وہ مجھ کو دیکھ کر فریفتہ ہوا اور میں بھی اس کے دم میں آ گئی۔ اس نے مجھ کو یہ سکھایا کہ پوجا کرنے کے بہانے سے سرشام تالابوں پر جایا کرو۔ میں دوروز سے تو اکیلی آئی اور پھر گئی۔ آج اسی سے وعدہ ہے کہ تالاب پر اتر کی طرف جانا، اور ڈھیلے اس چشمے میں پھینکنا، میں پہلے سے اس میں اتر کر بیٹھ رہوں گا۔ جب ڈھیلے تم پھینکو گی میں نکل آؤں گا۔ سو اسی کے لئے میں نے یہ ڈھیلے پھینکے تھے۔ اس کا تو کہیں پتہ نہ لگا۔ تم البتہ نکل آئے۔ یہ تو بتاؤ کہ تم سے بھی کیا کسی سے وعدہ اس طرح کا تھا؟''

اس سوار نے یہ سن کر قہقہہ مارا، اور کہا: ''یہ بھی کچھ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو آشنائی کرے وہ تالاب ہی میں آ کر بیٹھے؟'' یہ کہہ کر اس گوہر گراں مایۂ بحرحسن کو گلے سے اس نے لگا لیا اور کہا: ''اے سراپا ناز، یہ آئین بھی قدرت کے کھیل ہیں۔ خداوند نے تیری آبرو بچائی۔ نیچ قوم کے ہاتھ سے عزت برباد جاتی۔ وہ لونڈا نہلوا، تو نہیں معلوم کہ کسی سردار کی بیٹی ہے، نہیں معلوم سوداگر زادی ہے۔ تجھ سے اس کو بھلا کیا نسبت؟ خوب ہوا کہ تو اس تالاب پر چلی آئی۔ وہ لونڈا مارے ڈر کے جنگل میں آیا نہیں۔ تجھ کو روز اس نے بھیجا۔ شاباش تیرے دل کو کہ تو اس کی محبت میں چلی آیا کی۔ اسی طرح سمجھ لے کہ ہر بات میں وہ نکل جائے گا اور تجھ سے دغا کرے گا۔ اے نازنین، تیرے سردارزادہ کوئی ہو تو زیبا ہے۔ خبردار ایسا امر کبھی نہ کرنا کہ نیچ سے پریت کر کے اپنی عزت دینا۔ اب اگر تو محبت کرنا چاہے تو میں سردار طلسم ہوش ربا کا ہوں...... تجھ کو مال دنیا سے مالا مال کر دوں گا۔''

اس نازنین نے کہا ''محبت تو، سچ پوچھو، یوں نہیں ہوتی کہ یکایک میں تم سے کرنے

لگوں۔ تم بھی میری کچھ دنوں منت کرو، پاؤں سر پر دھرو، اور میرے گھر آیا جایا کرو، اور خاطر داری کرو۔ یوں ہی بڑھتے بڑھتے محبت بھی ہو جائے گی۔''

یہ سن کر وہ سوار اس کے پاؤں پر گرا اور کہا: ''اے جان جہاں، اچھا تو اب اپنے اس لونڈے کا خیال چھوڑ کر میرے گھر میں تو چل۔''

اس نے کہا: ''میرے گھر میں سب راہ میری دیکھیں گے۔ دیر ہو گی تو چرچ جائیں گے۔ ادھر کو وہ لونڈا راہ دیکھ کر کسی تالاب پر سے گھر جائے گا تو اور بھی آفت ڈھائے گا، مجھ سے خفا ہو جائے گا۔ میں اس پر مرتی ہوں۔ مگر وہ خفا ہو گا تو میں جان دے دوں گی۔''

اس سوار نے کہا کہ ''ایک لمحے بھر کے لئے کوئی خفا نہ ہو گا۔ اور ہم خداوند لقا سے کہہ کر تیرے ماں باپ کو راضی کر دیں گے، تیری عصمت کی خداوند سے گواہی دلوا دیں گے۔''

اس نے کہا: ''کچھ ہی کیوں نہ ہو، میں تیرے ساتھ نہ جاؤں گی۔ تو مجھ کو وہاں لے جا کر بے عزت کرے گا، اور میں جانتی ہوں کہ جو میری گت بنائے گا۔ مردوئے، حواس میں آ۔ مجھ اکیلی عورت کو پا کر تو نے پاؤں پھیلائے ہیں۔ ایسی گیگلی نہیں ہوں۔ مجھ سے سب میری دائی بتلا چکی ہے کہ اس طرح مردوئے عورتوں کو اپنے پاس بلاتے ہیں اور اپنی جورو بناتے ہیں۔ سن، اے شخص، میں کسی کی جورو نہ بنوں گی۔ جو چوری کی مٹھائی میں مزا ہے وہ کسی میں نہیں ہے۔ میں محبت نہ کروں گی۔''

وہ سوار بھولی بھولی باتیں سن کر اس کو گود میں اٹھا کر تالاب میں کود پڑا۔ ہر چند وہ تڑپی اور بے تاب ہوئی، مگر اس نے نہ مانا۔ جب اس کی آنکھ کھلی ...... دیکھا کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ ایک مکان بنا ہے...... وہ ساحر، آخر مسند پر بیٹھا۔ اس کو پہلو میں اپنے بسان دل کے بٹھایا اور پکارا کہ ''اے جان جہاں، یہاں ٹھہر کر ایک جام شراب پی لے۔ پھر تجھ کو میں تیرے گھر پہنچا دوں گا۔ مگر تیرے فراق میں یقین ہے کہ زندہ نہ رہوں گا......''

اس گل بدن نے انگوٹھا دکھایا کہ ''تیرے منہ کو جھلسا۔ میں تیرے کہنے پر عمل کروں، یہ کبھی نہ ہو گا۔''

اب وہاں اس ماہ پیکر نے ہنگامہ گرم بازاری ناز و غمزہ کا گرم کیا...... وہ ساحر اس سے لپٹتا جاتا تھا۔ آخر اس نے کہا: ''مرے، آگ لگ جائے تیری مستی پر۔ اگر میں اس دریا پر نہ آتی تو تو کس سے یہ چہ میگوئیاں کرتا؟ لے اب مجھ کو گھر جانے دے۔ میرا مارے بھوک کے برا حال ہے۔''

اس نے کہا: ''کھانا یہیں موجود ہے، کھالو تو، ہمارے سر کی قسم، پھر ہم جانے دیں گے۔''

(عیار کھانے میں ملا کے اسے بے ہوشی کی دوا دیتا ہے، اور قتل کر ڈالتا ہے)

(جلد چہارم)

گنوردل

دیکھا ہزار ہا ساحر کوئی مرکب پر، کوئی پیادہ، کسی جانب سے تاجر، چھکڑوں پر اسباب لدا ہوا، گماشتے ہمراہ چلے جاتے ہیں۔ کسی جانب سے اہالیان قریہ آگے آگے، زمیندار صاحب ٹٹوے پر سوار، سپر تلوار باندھے، ڈھال پٹکا درست، سفر پر چست، پشت پر ہزار ہا گنوردل، گاڑھے کی دوہری کمر میں باندھے ہوئے، مرزئی اتار کر کمر میں لپیٹ لی ہے۔ گلے میں مالا، ایک دانہ دراج کا، ایک سونے کا، اسی واسطے مرزئی اتار ڈالی کہ دیکھنے والے مالا کیوں کر دیکھیں۔ کاندھوں پر لٹھ، بقول شخصے گنوار کے لٹھ، سخت منہ پھٹ تنے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ ایک جانب ہزار ہا پاسی، ننگے پیر، جوتا پہننے سے بیر، تیر کمٹھا ہاتھ میں۔ ایک جانب کانوارتھی، ہزار در ہزار کانور کاندھوں پر، ''بم بم'' کی آوازیں بلند، ایک سے ایک پوچھتا ہوا، ''بھائی انند؟'' ہزار ہا برہمن ماتھوں پر تلک لگائے ہوئے، پتمبری دھوتیاں، بغل میں دبائے پوتھیاں، ''ساعت بچاروں!'' کہتے ہوئے، چمڑودھے جوتے تیل میں ڈوبے ہوئے اس پر گرد جمی ہوئی، غول کے غول، غٹ کے غٹ، ڈمرو بجتے ہوئے، کسی جانب ہزار ہا چماریاں، گنگام کے لہنگے، گاڑھے کی چدریاں، گاڑھے کی کرتیاں، نیلی رنگی ہوئی تول کی گوٹ پھنسی کرتی، سینے پر چھاتیوں کی پوٹ، ایک کا ہاتھ ایک تھامے ہوئے مستانیاں گاتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ زمینداروں کی عورتیں گنوارنیاں، لہنگے گل بدن کے، جھوٹا گوٹا، چوڑا چوڑا، نینوں کی دلائیاں، انوٹ بچھوے پاؤں میں، جا بجا درختوں کی چھاؤں میں کنویں پر برہمن، لوہے کا ڈول، برنجی لٹیا گول گول، بیٹھا ہوا آواز دے رہا ہے: ''بھائی مسافر، جل پیو ٹھنڈا!'' لوہے کے کڑے سے ڈول بج رہا ہے، بھجن گا رہے ہیں، مسافروں کو لبھا رہے ہیں۔ کسی جانب دیہات کے جوان شوقین، گلنار

پگڑیاں، رنگین لباس، خوش مزاج، وضع دار، طرح دار، بیڑے کلے میں دبے ہوئے، چالیس پچاس جوان ساتھ ہنستے ہوئے، ایک کے گلے میں ڈھول، غزل کی تانیں اڑتی ہوئی، خوشی خوشی گاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

......اصل کیفیت یہ ہے کہ یہ سب گنواروں کا میلا جاتا ہے۔

(جلد پنجم۔ حصہ اول)

گُڑم دُھم

(عمرو عیار راستے میں مسافروں کو لوٹتے کھسوٹتے چلے جارہے ہیں)

ایک گاؤں کی طرف سے تاشا بجنے کی آواز آئی۔ جا کر دیکھا، ایک زمیندار کی برات اتری ہے۔ آموں کے باغ میں ایک بڑی سی دری بچھی ہے۔ ایک طرف لکڑ سلگ رہے ہیں، نائی چلمیں بھر کے دیتے جاتے ہیں، شراب چل رہی ہے۔ ایک دیہاتن بن سری تانیں اڑا رہی ہے، ٹھاکر لوگ ڈٹے بیٹھے ہیں۔ سپر تلوار سامنے انگوچھے سر پر باندھے ہوئے، دھری مرزئی، نیچے نینوں، اوپر نین سکھ، مارکین کی دھوتیاں، ہاتھ میں چاندی کی موٹی موٹی انگوٹھیاں، کمر میں کردھنیاں، دولہا بیچ میں، ایک جادری میں پیال بھر کے بجائے مسند لگا دیا ہے۔ دولہا کے گلے میں زرد جامہ، کچ رنگا پائجامہ۔ دولہا پیشاب کو اٹھا تو ڈھول تاشا بجنے لگتا ہے۔ دیہاتن ناچنے والی بھی نشے میں شراب کے آڑی ترچھی تانیں لگا رہی ہے۔ بھیرویں کا وقت ہے، مگر بھاگ گا رہی ہیں۔

یہ سامان جو خواجہ نے دیکھا، منہ میں پانی بھر آیا، دل سے کہا، دو ہزار کا تو ٹھکانہ ہے، اسی دم یہ سوچ کر رنگ روغن عیاری کا نکالا۔ نوجوان گوّیے کی شکل بن کر تیار ہوئے۔ گوری صورت، بھاری ٹوپی سر پر، ایک کان میں بجلی، ایک میں انگوٹھی، مشروع کا گھٹنا، بھاری جوتا، چھوٹی سی ستاری ہاتھ میں، گنگناتے ہوئے، بوٹی بوٹی پھڑکتی ہوئی محفل میں آ کر ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ ''ٹھاکر جی جے رہے! اعلیٰ اعلیٰ مراتب رہیں، کشت امید سرسبز ہو، کنبے کی بڑھتی رہے! شہر میں غلے کی ارزانی ہو، جنس عشرت کی فراوانی ہو!''

دولہا کے باپ نے پوچھا: ''میاں گوّیے، کیا نام ہے؟''

کہا: ''حضور ہمارے نانا پیر خان صاحب آپ کے یہاں کے قدیم آنے والے، غلام کو استاد بجرنگی کہتے ہیں۔ ہمیشہ دھانوں کی فصل میں آتے ہیں۔ شادی کی خبر پائی ہے۔ کہا، بیٹا زمیندار صاحب کے یہاں جاؤ، تمہارے بزرگوں کی برت ہے۔ نانا جی کا کولہا اتر گیا، باپ جوانی میں مرا، اب آپ لوگوں کی آس ہے۔''

ٹھاکر صاحب نے کہا: ''بھیا، ایک گجل گاؤ۔ دو تین تانیں اڑاؤ۔ چار پنسیری جو اور سوا سیر مٹھائی ملے گی۔ جب گلہ کٹے، کھریان پر بھی آوا کرو۔ سیر کھانڈ لے جاوا کرو۔''

گوتے نے جھک کر سلام کیا۔ ستاری ملائی۔ رنڈی دیہاتن پاس آن بیٹھی، قدم چھو کر کہا: ''ہاں استاد، آج تو کوئی ٹپہ خیال سناؤ۔''

میاں بجرنگی نے جواب دیا: ''بٹیا، نئی غزل سنو۔''

......اس غزل پر جب زمیندار جھومنے لگے، دونیاں، چونیاں ٹینٹ سے نکال کر پھینکیں۔ میاں بجرنگی نے چادرا پھیلا دیا۔

(جلد پنجم۔ حصہ اول)

بےطرح اور طرح دار

(شہزادہ ایرج اور ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد کی آنکھ لڑ جاتی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ بےقرار ہیں۔ ملکہ کا باپ اسے پریشاں حال دیکھ کر اس کی طبیعت بہلانے کے لئے شعلہ رخسار اور لالہ عذار، دو گائنوں کو بلواتا ہے)

یکایک حبشن نے آکر خبر دی کہ ''لونڈی شعلہ رخسار اور لالہ عذار سے خبر آئی۔ سامنے بہلی منگوائی تھی، لباس وغیرہ تبدیل کر رہی تھیں۔ حاضر ہوا چاہتی ہیں۔''

غنچہ دہن (وزیرزادی) نے چپکے سے کہا کہ ''حرام زادی، اپنے ساتھ نہ لائی؟''

اس نے عرض کی: ''حضور، پہر بھر میں وہ لباس پہنتی ہیں۔ زیور پہننے کو تو عرصہ چاہئے۔ اس کے ٹھسے سے آپ آگاہ نہیں ہیں۔ قوم کی ڈومنیاں ہزاروں روپے پیدا کرتی ہیں۔ بڑے بڑے سردارزادے بلاتے ہیں۔ ان کو فرصت کہاں ملتی ہے؟ یہاں کے نام پر بڑبڑاتی ہیں۔ حضور کے یہاں سے تو تنخواہ مقرر ہے۔ بیٹھے کھڑے چڑھتی ہے، مستی ان کی

دن بدن بڑھتی ہے۔ بی شعلہ رخسار کا تو آج کل بازار حسن گرم ہے، نہ حیا ہے نہ شرم ہے۔ مردانی صحبتوں میں جاتی ہیں، رات رات بھر وہاں سے نہیں آتی ہیں۔ میں نے ابھی جا کر جگایا۔ ماں بیٹی پڑی ہوئی سو رہی تھیں۔ انہیں تو میں نے دیکھا، ملی دلی کرتی جا بجا سے مسکی ہوئی۔ اب اٹھی ہیں، سامان کر رہی ہیں۔''

(ایرج کا عیار شاپور شہزادے کی معشوقہ کے کھوج میں گھر سے نکلا ہے، اور تھک ہار کے جنگل میں ایک پیڑ کے پیچھے بیٹھا ہے)

اسی فکر میں مصروف دعا تھا کہ یکا یک تیر دعا ہدف مراد پر پہنچا۔ ایک جانب سے گرد اڑی۔ دیکھا، ایک بہلی جوڑی نر گاؤ کی نہایت معقول، سینگوں پر بیلوں کے خول چاندی کے چڑھے ہوئے، جھولیں زربفت کی پشت پر، گھوڑوں سے راہ روی میں تیز تر اڑے ہوئے چلے آتے ہیں، اور اس بہلی میں ایک نازنین، پری تمثال، خوش رو، اس کی پشت پر دوسری کہ سن اس کا قریب چالیس برس کے ہوگا، مگر گوری رنگت، دونوں لباس عمدہ پہنے ہوئے۔ زیور معقول جسم پر آراستہ، طبلے، سارنگی ایک سمت رکھے ہوئے۔ جس کا سن زیادہ ہے وہ کہتی ہوئی آتی ہے کہ ''ارے بیٹی، شعلہ رخسار، یہ تیرے ناز اور تساہل ایک دن ذلیل کرائیں گے۔ غضب ہوا، دن چڑھ گیا۔ ملکہ خفا ہوتی ہوں گی۔ کئی دن کے بعد تو آج یاد فرمایا، تو نے بناؤ سنگھار میں اتنا عرصہ لگایا۔ دیکھئے، آج کیا ہوتا ہے۔''

وہ جوان عورت ساتھ والیوں سے کہتی ہے: ''امی جان کو سودا ہوا۔ آٹھ پہر یونہی بڑبڑایا کرتی ہیں۔ کیا میں کچھ ملکہ یاسمیں عذار صنوبر قد کی لونڈی ہوں؟ خفا ہوں گی تو کیا ہو گا؟ نوکری تہ کر رکھیں، مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میرے بہت قدر دان ہیں۔ جب جاؤں، دو دن آنے نہ پاؤں۔ فقط امی جان کے ڈر سے جاتی ہوں۔ ورنہ میری پاپوش بھی نہ جاتی۔ اگر کچھ ملکہ یسمیں عذار صنوبر قد مجھ سے کہیں گی تو جواب دوں گی کہ بی بی، اپنی زبان سنبھالو، کلمہ سخت سست مجھ کو نہ کہو، میں ایسی نوکری سے باز آئی۔''

یہ جو باتیں، جس کا سن زیادہ ہے، اس کے کان میں پڑیں، اپنا منہ پیٹنے لگی کہ ''اری شعلہ رخسار، دیکھوں تیری آتش خوئی کیا رنگ دکھاتی ہے۔ یہ ہماری پرانی سرکار ہے۔ اسی در دولت سے ہمارا عز و وقار ہے۔ اری، ان مردوؤں کی چاہتیں دو دن کی ہیں۔ جب جوبن ڈھلے گا، باغ حسن میں خزاں آئے گی، یہ مستی دماغ سے اتر جائے گی۔ کوئی دمڑی کو

نہ پوچھے گا۔ یہ چونڈا ہم نے کیا دھوپ میں سفید کیا ہے؟ بڑے بڑے چاہنے والوں کو دیکھ لیا ہے۔ کبھی ہم بھی جوان تھے، حسن کی بہار تھی، گل رخسار کے سینکڑوں بلبل تھے، شمع جمال کے ہزاروں پروانے تھے۔ کوئی اپنا گلا کاٹتا تھا، کوئی سنکھیا کھاتا تھا، کوئی اپنی چاہت دکھاتا تھا، کوئی صاحب کہتے تھے بی لالہ عذار، تمہاری محبت میں ہمارا دل داغ دار ہے، ہم اسی طرح ہمیشہ چاہیں گے، عمر بھر نبھائیں گے۔ او مستانی، بتلا تو اب ان میں سے کوئی بھی آتا ہے؟ بلکہ دور سے دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں، بات کرو تو جواب نہیں دیتے، یہ مردوئے عاشق ہیں؟ اپنی غرض کے بندے ہیں۔ جب اپنی غرض نکل گئی، نشہ اتر گیا، ہوشیار ہوئے، بس چل دیئے۔ اری، جہاں تک ہو سکے ان لوگوں کو اشتیاق میں رکھے، ہاتھ نہ لگانے دے۔ تو کچ لپٹ ہے، ازار بند کی ڈھیلی ہے۔ ہمیشہ ذلیل رہے گی۔ دیکھو بنّو، ہماری نصیحت گوش گوش ہوش سے سنو۔ اس وقت میں جہاں تک ہو سکے چار پیسے پیدا کرلو۔ یہ جوانی چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ جو اس وقت پیدا کرلو گی، بڑھاپے میں کام آئے گا۔ پیسا اپنی گانٹھ کا، یار اپنے ساتھ کا، مثل مشہور ہے۔ ابھی ہماری باتیں بری معلوم ہوتی ہوں گی، مرچیں لگتی ہوں گی۔ میں دیوانوں کی طرح بک رہی ہوں۔ نگوڑی ٹکر ٹکر منہ دیکھتی ہے۔ بات کا جواب نہیں دیتی۔ اتنا منہ سے نہیں نکلتا کہ امی جان، اب ایسا ہی کروں گی، مردوں کو لوٹوں گی۔ ہماری پاپوش سے! ہماری تو وہی مثل ہے، بقول شخصے، گزر گئی گزران، کیا جھونپڑی کیا میدان! میرا پرانا چاہنے والا، تیرا باپ بیچارہ اسی طرح خدمت میں حاضر ہے، پانی بھرتا ہے، اپنا گھر چھوڑ کے، بال بچوں سے منہ موڑ کے میرے یہاں پڑا رہتا ہے۔ کیسے کیسے ظلم سہتا ہے۔ اس کی جورو حور کی صورت ہے، میری خاطر اسے آنکھ بھر کے نہیں دیکھتا ہے۔''

......وہ بہلی اُسی نخل کے سائے میں آکر ٹھیری۔ شعلہ رخسار نے کہا: ''امی جان، ذرا پیشاب کرلوں؟''

لالہ عذار نے کہا: ''اری مستانی، مثل ٹھیک ہے کہ شکار کے وقت کتیا ہگاسی دیکھو، صاحبو، ابھی ہم نے پہر بھر سر پھرایا ہے۔ اس کا یہ ظہور ہے۔ گھر سے یا تو نکلنا دشوار تھا۔ اب چلی ہیں تو راہ میں ہگنا موتنا یاد آیا ہے۔''

شعلہ رخسار نے کہا: ''امی جان، میرا، پیشاب نکلا جاتا ہے۔ تم تو ہر بات میں جھگڑتی ہو، ہوا سے لڑتی ہو، تمہاری کائیں کائیں نے میرا سر پھرا دیا۔ ان کے مارے ہگنی موتنی بند ہوئی ہے۔''

یہ کہہ کر لٹیا ہاتھ میں لے کر پائنچے سنبھال کر بہلی سے کود پڑی۔ ایک ضرغۂ نخل کی جانب چلی۔ لالہ عذار نے کہا: ''ہے ہے، میں اپنا سر پیٹ لوں گی۔ اس چھوکری کے واسطے جان دوں گی یہ جنگل کا سناٹا! ابھی کچھ ہو جائے تو میں کیا کروں! بات نہیں مانتی، بڑی ضدن ہے۔''

لالہ عذار بکا کی، لیکن شعلہ رخسار جنگل میں گھس گئی۔

(شاپور اسے بے ہوش کر کے الگ ڈال دیتا ہے، اور خود اس کی شکل کا بن جاتا ہے)

ذرا عرصہ جو ہوا، لالہ عذار بہلی سے پیٹتی ہوئی کود پڑی، اور یہ کہتی ہوئی چلی آ رہی ہے، ''مر گئی، ہے ہے، کچھ سایہ سکہ نہ ہو جائے، بھوت پریت نہ لپٹ جائے۔''

شاپور نے ...... فوراً آواز دی: ''امی جان، تم بھی یہاں آؤ۔ ایک تماشہ دیکھو۔ سانپ اور نیولا لڑ رہا ہے۔ اے لو، سانپ نے نیولے کو کاٹا۔ نیولا لڑکھڑاتا ہوا بھاگا ہے۔ ایک پتی کھا کر پلٹا، سانپ کو مار ڈالا۔''

لالہ عذار پیٹتی ہوئی قریب پہنچی، ایک دو ہتڑ مارا۔ کہا: ''اری، آگ لگے سانپ اور نیولے کو۔ چل، بہلی پر سوار ہو گی کہ نہیں؟''

شاہ پور نے ایک قہقہہ مارا اور کہا: ''تم اس جنگل میں آج گاؤ۔ ہم جنات کے بادشاہ ہیں۔ بہت روپیہ دیں گے۔ جانی، تم سے آشنائی کریں گے۔'' یہ کہہ کر آپ بھی چٹکیاں بجا کر گن گنایا، پھر چپ ہو گیا۔

لالہ عذار پیٹنے لگی: ''ارے ساتھ والیو، دوڑو میری بچی کو کیا ہو گیا؟''

وہ سب بدحواس ہو کر دوڑیں۔ آ کے دیکھا شعلہ رخسار چپ کھڑی ہے، ماں پیٹتی ہے وہ کچھ جواب نہیں دیتی ہے۔ ساتھ والیوں نے کہا: ''بی بی لالہ عذار، تم کو تو سودا ہے، خاصی بھلی چنگی ہیں۔ ناحق گھبراتی ہو، فال بدمنہ سے نکالتی ہو، کیسا نگوڑا بھوت پریت!''

لالہ عذار نے کہا: ''تم نے نہیں سنا؟ ابھی کہتی تھی کہ میں جنات کا بادشاہ ہوں، اس جنگل میں گاؤ، روپیہ بہت سا دیں گے۔''

یہ سن کر وہ بھی سب گھبرائیں۔ قریب آ کر پوچھنے لگیں، ''کیوں بی بی، کیسا مزاج ہے؟ بادشاہ جنات کا کہاں ہے؟ ہم گاتے ہیں، لاؤ روپیہ دو۔''

لاکھ لاکھ سب پوچھتی ہیں، مگر وہ مثل تصویر خاموش ہے، نہ منہ سے بولتی ہے نہ سر سے کھیلتی ہے۔ کوئی بلائیں لیتی ہے کوئی صدقے ہو کر جان دیتی ہے، اور کہتی ہے ''ارے بی بی،

ابھی کیا تھا، کیا ہوگیا ہے؟ بزرگوں کا قول سچ ہے۔ گھڑی میں گھڑیال، ایک دم میں بھونچال! ہے ہے، اب کس کے ساتھ گائیں گے؟ مشتاق تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔''

......آکر سبھوں نے گود میں اٹھالیا، بہلی پر لا کے بٹھایا۔ یہ صلاح ہوئی کہ ملکہ کے پاس لے چلو، وہ پڑھی لکھی ہیں، فال تعویذ بھی یقین ہے کہ جانتی ہوں گی۔ یہ سوچ کر گاڑی بان سے کہا، ''ارے بھڑوے، بہلی جلد بڑھا، دیر نہ کر، تا بہ در باغ جلدی پہنچا۔ میری چودہ برس کی کمائی برباد ہوتی ہے...... ہائے میں تو تصدق بھی اتار چکی۔ ان کی سلامتی کی روز نذر و نیاز کرتی تھی۔ آج کس ساعت نحس میں گھر سے نکلی، یہ آفت سامنے آئی۔ اے خداوند لقاء! میری بچی کو صحت دے۔ تیرا رت جگا کروں گی، سلامتی گاؤں گی، شہر کی سب ڈومنیاں بلاؤں گی۔''

(ان کی بہلی لشکر میں پہنچی تو) کمیدان، رسالدار کھنکارے، آوازے کسنے لگے۔ کوئی پکارا، ''میاں جانے والے، ذرا جوانوں کی سمت بھی آنکھ اٹھاؤ۔'' ایک پکارا: ''ہائے، کیا انکھڑیاں ہیں!'' ایک بولا، ''قیامت کی چتون ہے!''

یہ باتیں جو لالہ عذار نے سنیں، گالیاں دینے لگی: ''ارے بھڑوو، میری بچی کو تم لوگوں کی نظر کھا گئی۔ جن کا سایہ ہوگیا۔''

بہت جوان یہ سن کے قریب بہلی کے آگئے۔ اور پوچھنے لگے کہ ''کیوں بی لالہ عذار، خیر تو ہے؟ ہم تو تمہاری صاحب زادی کے دعا گو ہیں۔ مفصل کہو، کسی نے آنکھ دکھائی ہو تو آنکھ نکال لیں۔''

لالہ عذار نے رو کر کہا: ''کس کو بتاؤں؟ آفت آسمانی آئی ہے، پون پانی کا سامنا ہے!''

سب جوان تسکین دینے لگے: ''بی لالہ عذار، نہ گھبراؤ۔ خداوند لقا موجود ہیں۔ ان سے جا کے کہیں گے۔ وہ بھوت پریت، دیو جن کو ایک اشارے میں قید کرلیں گے......''

لالہ عذار نے کسی کی بات کا جواب نہ دیا، اور باغ پر اتری۔ محل دار بی بی لذت کرسی پر بیٹھی تھی۔ لالہ عذار سے بہناپا بھی ہے۔ دودھ چاول ساتھ کھائے ہیں۔ دیکھتے ہی پکاری ''او خیلا، کہاں تھی؟ جب دس پیغام جائیں تب تو گھر سے نکلتی ہے! بڑی مغرور ہوگئی ہے۔ بھلا اب ہم سے کاہے کو آنکھ ملائے گی! یہاں کیوں آئے گی! دھگڑوں سے فرصت کہاں!''

لالہ عذار دوڑ کر لپٹ گئی، اور رو رو کر کہنے لگی کہ ''بوا لذت، میں لٹ گئی! اپنی بھانجی کا حال دیکھو کہ کیا ہوگیا ہے۔ گھر سے اچھی خاصی چلی تھی۔ راہ میں فقط پیشاب کو اتری

تھی۔ نہیں معلوم، وہاں کون سی بلا نازل ہوئی۔ میری بچی چپ ہوگئی ہے۔''

بی لذت محل دار نے تو لالہ عذار کو چھوڑا۔ جھپٹ کر قریب شعلہ رخسار کے آئی۔ پوچھا'' کیوں، چھوکری، کیسی ہے؟ بات کیوں نہیں کرتی ہے؟''

شعلہ رخسار نے کہا کہ'' اب ہم جائیں گے۔ ہماری شادی ہے۔''

اب تو بی لذت یہ سن کے دور بھاگیں، بہت سی کنیزیں یہ غل سن کر باہر آ گئیں پوچھنے لگیں کہ'' کیا ہوا، کیا ہوا؟''

لذت نے کہا:'' ارے، شعلہ رخسار پر جن چڑھ بیٹھا ہے۔ عجب عجب باتیں کرتی ہے۔''

کنیزیں بھدر بھدر دوڑیں، باغ میں سامنے ملکہ کے آئیں ...... کہا:'' حضور، شعلہ رخسار کو کچھ ہوگیا۔ دروازے پر چپکی کھڑی ہے......''

ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد نے کہا:'' جاؤ، ہمارے سامنے لاؤ۔ بھوت پریت، جن دیو کیسا، کسی رنج و ملال میں ہوگی۔ ہم پوچھ لیں گے۔''

کنیزیں چلیں، یہاں دروازے پر عورتوں کا ہجوم ہوگیا ہے، چاؤں چاؤں کر رہی ہیں۔ جیسے بروقت بسیرے کے چڑیاں بولتی ہیں۔ ان کنیزوں نے آکر سب کو ہٹایا۔ پکار کے کہا:'' بی لالہ عذار، چلو، تمہاری بیٹی کو ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد بلاتی ہیں۔''

لالہ عذار نے ہاتھ پکڑا کہ'' بی بی، چلو ملکہ یاد فرماتی ہیں۔''

شعلہ رخسار چل نکلی۔ گرد خواصوں کا ہجوم، جدھر شعلہ رخسار نگاہ اٹھا دیتی ہے، سینکڑوں عورتیں بھدر بھدر بھاگتی ہیں۔ کوئی چمن میں گری، کوئی یہ کہتی ہوئی بھاگی'' اے بوا، دیکھو مجھ کو کس نگاہ سے گھورا ہے! شیر کے تیور ہیں! بے شک جن کا سایہ ہوا۔ اب مجھ کو یقین آ گیا۔ ہماری پڑوسن کے بھی ایک جن آتا تھا۔ غضب کی باتیں بناتا تھا، ہری لونگیں، ہری الائچیاں جو مانگو دیتا تھا۔ آخر چند دن میں مرگئی۔ کسی ملا سیانے سے کچھ نہ ہوسکا۔ ویسی آنکھ اس کی ہے۔ چہرہ سرخ ہے۔ بس، بوا، چند دن میں شعلہ رخسار کو یہ جن لے جائے گا۔''

ایک نے کہا'' چپ رہ، خیلا، دیوانی ہے؟ اری ہم سے پوچھ کہ جنگل جنگل پھرتے ہیں۔ نہ کسی دیو کو نہ کسی جن کو، نہ بھوت پریت کو دیکھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ شعلہ رخسار فیل ہائی ہے۔ یہ بھی ایک بات ماں کے ڈرانے کے واسطے بنائی ہے کہ ہائے وائے ہو، صدقے چلے اتریں۔ میں خود ایسے فریب کر چکی ہوں۔ میرا میاں بڑا بدمزاج تھا، کہیں نکلنے

نہ دیتا تھا، اور زمانہ میرا جوانی کا تھا، جیوڑا مزے دار، جی چاہتا تھا چار گلیوں میں پھریں، چار مردووں کو دیکھیں، اپنے تئیں دکھائیں۔ جوانی کے مزے اڑائیں۔ وہ نگوڑا آٹھ پہر دروازے میں قفل لگا کے جاتا تھا۔ ہوا کا بھی گزر نہ تھا۔ بس میں نے ایک دن سرکھول کے کھیلنا شروع کیا۔ دیوار و در میں ٹکریں ماریں، دیورانیاں، جٹھانیاں، ساس یہ کہہ کے پیٹنے لگیں کہ ہے ہے، میری بہو پر کوئی چڑھ بیٹھا۔ محلے والو، دوڑو، میری داد کو پہنچو، ارے کسی ملا سیانے کو بلاؤ۔ تمام گھر عورتوں سے بھر گیا۔ میں دو تین ٹکریں مار کے چپکی ہو کے بیٹھ رہی۔ سب نے پوچھنا شروع کیا، میاں، کون صاحب ہو؟ میں نے کہہ دیا، شیخ سدو ہوں، یہ تو میری معشوقہ ہے، لیکن اس کے میاں کو مار ڈالوں گا، کیونکہ ہمارے قالب پر جور و ظلم کرتا ہے۔ اس عرصے میں ہمارے میاں مورکھ بھی آ گئے۔ انہوں نے جو ہنگامہ دیکھا، گھبرا گئے۔ ماں ان کی دوڑ کر ان سے لپٹ گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا اب جورو پر ہاتھ نہ اٹھانا، وہ حضرت شیخ سدو کا قالب ہے، ہمارے بزرگوں کا یہ ناس کر چکے ہیں۔ بس پھر تو ساس صاحب نے بکرا دیا، کڑھائی کی، اس دن سے میاں میرے کوڑیا غلام ہو گئے۔ جہاں ذرا ٹرائے، میں نے کہا، شیخ جی سے کہہ دوں گی۔ بس دو ہاتھ جوڑنے لگتے تھے۔ بس۔ بوا، اس دن سے گھر میں دھاک بندھ گئی۔ ویسا ہی اس شعلہ رخسار نے بھی فقرہ بتایا ہوگا۔ ماں پر دباؤ ڈالنا منظور ہے۔''

کنیزوں میں تو یہ باتیں ہوتی تھیں۔ مگر شاہ پور شیر دل آ کر سامنے ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد کے پہنچا۔ چپکا کھڑا رہا، سلام بھی نہ کیا...... ملکہ نے جب دیکھا کہ شعلہ رخسار سامنے کھڑی ہے، قبضے پہ ہاتھ ڈال کے آواز دی کہ ''کیوں، شعلہ رخسار، یہ کیا معرکہ ہے؟ بڑھیا ماں کو کیوں رلاتی ہے؟ بڑھاپے میں ماں کو ستاتی ہے؟ اور آج ہمارا ادب اور قاعدہ بھی بھولی، سلام تک نہیں کرتی؟ ہم کیا تیرے سلام کے محتاج ہیں؟ عنایت لقا سے خود صاحب تخت و تاج ہیں۔ خیر اسی میں ہے کہ بیٹھ جا، ورنہ ایک نیچہ ماروں گی کہ سر گوکھاتا پھرے گا۔ تو نے مجھے بھی اور کوئی بنایا ہے؟ میں دم بھر میں بھڑوے دیوانے کو ہوشیار بنا دیتی ہوں۔''

......شاپور...... جلدی سے بیٹھ گیا...... ملکہ نے پھر کہا: ''کیوں، شعلہ رخسار، ہماری بات کا کچھ جواب نہ دیا! کیا ہمیں بھی دیوانہ بنایا ہے؟ باتیں کرو، اپنے دل کا حال بیان کرو۔''

جب شعلہ رخسار اس تاکید پر بھی نہ بولی، تب لالہ عذار نے کہا: ''واری، آپ اللہ

رہیں۔ یہ مردانی باتیں کرتی ہے۔ جنگل میں پیشاب کو گئی تھی۔ وہیں سے یہ خرابی ہوئی ہے۔''

ملکہ نے کہا: ''دیکھو، ہم بتائے دیتے ہیں۔'' چونکہ عشق میں خود بتلا تھی، دل میں اپنے کہتی تھی کہ...... مثل تیرے شاید یہ بھی کسی پر عاشق ہوئی ہے۔ یہ سوچ کر کہا: ''لالہ عذار، تم گھر جاؤ۔ شعلہ رخسار کو یہیں چھوڑو۔ ہم ان کا علاج کر دیں گے۔ ملا، سیانا، طبیب، حکیم، جو مناسب ہوگا بلائیں گے یا نہ بلائیں گے۔ اس کو صحیح سالم تمہارے حوالے کر دیں گے۔ دو ایک دن یہاں رہے گی۔ اچھی ہو جائے گی۔''

لالہ عذار نے کہا: ''واری، ایسا نہ ہو کچھ حضور کو خلل ہو جائے تو آپ کے والد نامدار میری ناک چوٹی کاٹیں گے۔ سب صاحب کہیں گے، آسیب زدہ کو ملکہ کے پاس کیوں چھوڑا۔ ابھی آپ کا بھی، نام خدا، کنوارا پنڈا ہے۔ ابھی دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ ہاں اتنا ہے کہ آپ پڑھی لکھی ہیں، آپ کی چار آنکھیں ہیں۔''

ملکہ نے جواب دیا کہ ''تجھے ان باتوں سے کیا مطلب ہے؟ ہم اسے سمجھ گئے ہیں۔ دوائے صحت کھلا دیں گے، جلد اچھی ہو جائے گی۔ تشخیص عارضے کی ہوگئی۔ اب اچھا ہونا اس کا کیا مشکل ہے۔ کل تجھ سے پٹر پٹر باتیں نہ کرے تو ہم کو ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد نہ کہنا۔''

...... لالہ عذار کو ملکہ نے رخصت کیا۔ کنیزوں سے کہا: ''جاؤ، اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہو۔ ہم کو گھیر کے نہ بیٹھو۔ میرا دل گھبراتا ہے۔ شعلہ رخسار کو کائیں کائیں کر کے دیوانہ بنا دیا۔ کس کس سے وہ بولے؟ کس کس کی باتوں کا جواب دے؟ ہم اپنی شعلہ رخسار سے کوٹھے پر جا کے باتیں کریں گے۔''

یہ کہہ کر شعلہ رخسار کا ہاتھ پکڑ لیا، کوٹھے پر لے کر چلی...... وہاں دو کرسیاں بچھی تھیں۔ ایک پر ملکہ بیٹھی، ایک پر شعلہ رخسار کو بٹھایا، اور مسکرا کر فرمایا کہ ''اے شعلہ رخسار، سچ بتاؤ، یہ کیا معرکہ ہے، ہم تاڑ گئے ہیں۔''

...... شاپور نے...... ہاتھ باندھ کے عرض کیا کہ ''ملکہ، کچھ بھی نہیں۔''

ملکہ نے کہا: ''کیوں چھپاتی ہے؟ سچ کہہ، کس پر عاشق ہوئی ہم خوب پہچانتے ہیں حضرت عشق کے آثار تیرے چہرے سے ہویدا ہیں۔ اچھا، خوف کیا ہے؟ بتا دے، میں اس کے وصل کی تدبیر نکالوں گی۔ تیری ماں سے نہ کہوں گی۔ تیرے معشوق تک پہنچا دوں گی۔ اری کم بخت، جلد زبان کھول، کچھ منہ سے بول۔ ہائے، ارے کیا کہوں؟ میں بھی اسی آفت

ناگہانی میں مبتلا ہوں۔ آٹھ پہر مجھ پر بھی تڑپتے تڑپتے گزرے ہیں۔ نہ کھانے کی خواہش ہے نہ پانی کی ہوس ہے۔ جی چاہتا ہے، چیخیں مار کے روؤں، کسی صحرائے ویراں میں نکل جاؤں، پہاڑوں سے سر ٹکراؤں...... والد نامدار آئے، وہ کچھ بکا کیے۔ میں نہیں سمجھی کہ کیا کہا کیے، کبھی نور الدہر کا ذکر کیا، کبھی شہزادہ ایرج نوجوان...... کی شجاعت کا حال بیان کیا۔ کچھ تجھ کو بھی معلوم ہے، ایرج نوجوان کون صاحب ہیں۔ اتنا تو سنا کہ صاحب جاہ ولشکر ہیں، بڑے بہادر ہیں۔ ہر چند کہ میں بخوبی واقف نہیں ہوں، مگر اتنا تو ہوا کہ والد نے نام نامی اسی شہریار کا جو لیا، دل تڑپنے سے ٹھیرا۔ اس وقت سے جی چاہتا ہے کہ کوئی اس شخص کا ذکر کیے جائے، اسی کی شوکت و جرأت کا حال سنائے۔''

یہ سن کر شاپور شیر دل کے دل کو تسکین ہوئی۔ دل میں کہنے لگا کہ کیا عجب ہے کہ...... یہ وہی گل ہو کہ جس کا میرا آقا بلبل ہوا ہے...... کہا: ''واری، کیا کہوں، عجب مصیبت میں ہوں۔ ہر چند کہ میں گھر گھر جاتی ہوں، سینکڑوں مرتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہ کیا۔ مگر آج دوسرا دن ہے کہ صحرا سے میری ڈولی آتی تھی، ایک جوان مرکب سہ چشمی پر سوار...... بھولی بھالی صورت، صاحب شوکت و جلالت، کمان کیانی ہاتھ میں، دل ربائی بات بات میں، ایک ہرن کے تعاقب میں تھا۔ وہ ہرن بھاگا ہوا میری ڈولی کے سامنے سے گزرا۔ اس قدر انداز کامل سے تیر مارا، آہو زخمی ہوا۔ وہ تیر دل دوز میرے بھی کلیجے کو توڑ کے پار نکل گیا۔ وہ گھوڑے سے کودا۔ آہو کو ذبح کرنے لگا۔ وہ چھری گویا میرے کلیجہ پر پھرتی تھی۔ جب اس نے اسے ذبح کر کے سر اٹھایا، مجھ سے چار آنکھیں ہوگئیں۔ میں ذبح ہو چکی تھی، وہ بھی بسمل ہوا۔ ''ہائے جان جہاں'' کہہ کر زمین پر گرا، بے ہوش ہو گیا'' مثل مرغ نیم بسمل پھڑکنے لگا۔ کبھی آنکھیں کھولتا تھا، کبھی بند کرتا تھا۔ لیکن میرے رعب حسن سے بول نہ سکتا تھا۔ اس حال پر، اس کے واری جاؤں، مجھ کو بھی سکتہ تھا۔ اس وقت، واری، مجھ کو رحم آ گیا۔ قصد کیا، ڈولی سے اتروں سر اس کا اٹھا کر زانو پر رکھوں، لذت ہم کناری محبوب اٹھاؤں، اتر کے ڈولی سے اس سے لپٹ جاؤں۔ مہرا سے کہہ رہی تھی کہ ذرا ٹھہر جانا کہ ناگاہ بھلی اماں جان کی سامنے نمایاں ہوئی۔ آپ تو جانتی ہیں ہر وقت کائیں کائیں کرتی ہیں، نہ نیک سے مطلب نہ بد سے غرض۔ وہیں سے چیخنے لگیں، ارے مہرا، ڈولی کیوں روکی ہے؟ جلد بڑھا، میرے کھانا کھانے کا وقت جاتا ہے، جلد گھر پہنچا۔ ان کی بھیانک آواز سن

کر کہار دوڑے۔ بس، واری، ڈولی لے کر ہوا ہو گئے۔ میں پھر پھر کے دیکھتی جاتی تھی۔ مگر مجبور و ناچار، بے قرار و اشکبار، گھر پہنچی۔ لوگوں سے مخفی مخفی دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جوان، صاحب عزم و شان نبیرہ صاحب قراں تھا۔ پھر، اے ملکہ عالم، نہیں معلوم اس بدنصیب پر کیا گذری، جیتا رہا یا میری محبت میں مر گیا!''

یہ سن کر ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد نے غصے سے کہا کہ ''ذرا بی شعلہ رخسار چونچ اپنی بند کرو۔ کسی رئیس جلیل کے مرنے کا اس طرح ذکر نہ کرو۔ آخر قوم کی ڈومنی ہے نا! ہر چند کہ تمہارے معشوق ہیں، مجھے کیا کام؟ خدا کی قدرت کہ وہ بھی تم پر مرتے ہیں۔ بوا، وہ جو تم پر مرتے ہوں گے، وہ نبیرہ صاحب قراں نہ ہوں گے، کوئی گنوار سنوار ہوگا، کسی ٹٹوے پر سوار ہوگا۔ بھاڑ سا منہ کھول دیا، جو چاہا بکنا شروع کیا، تو کیا جانے، بابا جان میرے ان کی تعریف کرتے تھے۔ وہ خداوند زمرد شاہ باختری کے نواسے ہیں، صاحب قراں کے پوتے۔ کیا فقرہ گرم ہے، وہ بی شعلہ رخسار پر عاشق ہوئے ہیں، سچ کہوں، تو نے جو یہ کہا کہ نہیں معلوم مر گئے یا جیتے ہیں، مجھ کو بہت ناگوار ہوا۔ میں نے بڑا تیرا پاس کیا ورنہ اس زبان درازی پر تیری زبان کاٹ لیتی۔ ایسی سزا دیتی کہ تم عمر بھر یاد کرتیں۔''

یہ بات سن کر شاپور شیر دل باغ باغ ہو گیا۔ کھل کھلا کے ہنسا۔ یہ تو خوب اس کے دل کو یقین ہو گیا کہ یہی میرے آقا کی معشوقہ ہے۔ اب تو گستاخ ہو، تیوریوں کو بدل کے کہا کہ ''حضور، کاہے کو خفا ہوتی ہیں؟ ہم دو آپس میں طالب و مطلوب ہیں۔ وہ ہمارے مطلوب ہیں۔ ابھی میں نے آپ سے صاف صاف نہیں کہا، ان کا پیغام وصل بھی میرے پاس آ چکا۔ ایک کٹنی عورت آئی تھی، مجھے سمجھاتی تھی کہ میاں ایرج تم پر مرتے ہیں، چل کے اپنے بیمار کا علاج کرو، رحم کرنا بہتر ہے، اس قدر تغافل مناسب نہیں ہے۔ میں نے جواب صاف ازراہ ناز دے دیا کہ ابھی مجھے فرصت نہیں ہے۔ بی بی، ہر چند کہ حال میرا بھی ابتر ہے، جان میری جاتی ہے، مگر امی جان کا قول ہے کہ مردوئے کو خوب دوڑائیے، رنڈی اپنی چاہت چھپائے، اس کے فقرے میں نہ آئے۔ جب مردوئے ہاتھ جوڑیں، پاؤں پر گریں، تب کم کم راضی ہو یکایک ہاتھ نہ لگانے دے۔ فرمائشیں کرے، زر و جواہر جہاں تک ہو سکے کھینچے۔ اور ضبط کا یہ انجام ہوا ہے کہ اسی تین آنکھ کے گھوڑے پر سوار ہو کے میرے خیمے کے دن رات میں سو سو پھیرے کرتے ہیں۔ در خیمہ پر کھڑی رہتی ہوں۔ کبھی آنکھ دکھائی،

پردہ چھوڑ لیا، کبھی غصے سے منہ کو موڑ لیا، کبھی منہ چڑھایا۔ انگوٹھا دکھایا، کبھی نازِ معشوقانہ کیا۔ کہہ دیا ہٹ جاؤ، امی جان آتی ہیں۔ بے چارہ ڈر کے مارے بھاگ جاتا ہے۔ گھڑی بھر میں دیکھا، پھر موجود۔ دھوپ میں کھڑا جل رہا ہے۔''

ان باتوں کو سن کر ملکہ سیمیں عذار صنوبر قد کو غصہ آیا، چہرہ سرخ ہو گیا۔ تاب صبر نہ باقی رہی۔ نیمچہ ہلالی کھینچا...... آواز دی: ''او شعلہ رخسار، تیری قضا آئی ہے؟ ایسے بیہودہ کلام ہمارے سامنے؟''

یہ کہہ کر چاہا نیمچہ مارے، شاپور شیر دل گھبرا کر قدموں پر گر پڑا۔ ''ہاں ہاں تامل فرمایئے۔ کیا مجال میری کہ ایسے کلمات زبان سے نکالوں۔ اصل مطلب سے تو آگاہ ہو جیئے۔ پھر قتل کا اختیار ہے۔ یہ گنہگار مجبور و ناچار ہے۔''

ملکہ کو اس وقت غصہ تھا، نیمچہ گلے سے نہ ہٹایا کہا: ''بتلا کیا کہتی ہے؟ اب کوئی عذر تیرا ہرگز قبول نہ ہوگا۔''

اب شاپور شیر دل کو سوائے سچ کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوا۔ عرض کیا: ''غلام اسی شیر نیستان صاحب قران کا عیار ہے۔ میرا آقا حضور کے عشق میں بہت بے قرار ہے۔ غلام کو تلاش کرتے ہوئے آٹھ پہر گزرے۔ بہ مشکل یہاں تک پہنچا۔''

(جلد پنجم۔ حصہ اول)

ایک ٹیڑھ سادگی میں

(صمصام جادو، لالہ زار نرگسی چشم کے عشق میں مسلمانوں کو چھوڑ کر افراسیاب سے آملا ہے۔ عیار اس کی فکر میں ہیں۔ ایک دن اسے لالہ زار کا خط ملتا ہے کہ رات کو مجھ سے باغ میں آکر ملو)

رات کا وقت، صحرا میں سناٹا، فراش ماہتاب نے برابر فرش چاندنی زمین پر بچھایا ہے۔ صبح کا گمان کر کے اکثر جانور آشیانوں میں چہک اٹھتے ہیں...... صمصام نمک حرام جوش محبت میں چھپتا ہوا جاتا ہے، چہار طرف نگاہ اٹھا اٹھا کے دیکھ رہا ہے۔ کوئی کوس بھر راستہ طے کیا ہوگا، ایک نخل کے سائے میں آکر ٹھیرا۔ دل سے کہتا ہے اس باغ کا کیونکر پتہ ملے، کیونکر اس سرو خرامان بوستان حسن کو پاؤں، یا سامری جمشید، جلد پہنچوں، جس وقت سامنا ہوگا، کیا

کیا شکائتیں ہوں گی، میں ان کی بات کا کیا جواب دے سکوں گا۔ ہائے، اس جان جہان نے کیا کام کیا، اپنے کو واسطے میرے بدنام کیا، معشوقۂ گوشہ نشین کی یہ مہربانی اکیلے باغ میں مع چند کنیزوں کے آنا صرف تقاضائے محبت کے سوا اور کیا ہے؟ مجھ کو اپنا غلام بے دام بنالیا۔

صمصام جادو دل سے یہ باتیں کر رہا تھا کہ سامنے سے ایک نازنین کو دیکھا۔ بھولی بھولی صورت، دوپٹہ آب رواں کا اوڑھے ہوئے، اطلس کا پائجامہ، پائنچوں میں گرہ دی ہوئی، دوڑی چلی آتی ہے، ذرا پتہ کھڑکتا ہے تو ڈر جاتی ہے ''یا خداوند لقا!'' کہہ کر پھر قدم بڑھاتی ہے۔ کبھی کہتی ہے: ''کیا الٹا زمانہ ہے! نامہ پہنچائے ہوئے پہر بھر گزرا، اس نگوڑے تنگ عشق نے خبر تک بھی نہ لی۔ بی لالہ زار نرگسی چشم ناحق جان دیئے دیتی ہیں۔ شاید میری موت قریب ہے۔ جنگل سے کوئی شیر، بھیڑیا نکل آئے گا، مجھ مردار کو کھا جائے گا، واہ، رفاقت کا کیا مزا ملا ہے؟ دوڑتے دوڑتے پھیپھڑی پھول گئی۔ نگوڑا صمصام ملتا تو دانتوں سے بوٹیاں کاٹتی۔''

یہ تقریر جو اس خواص کی صمصام نے سنی، سمجھا ملکہ کی خواص ہے، مجھ کو ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ حقیقت میں میں نے بڑی دیر لگائی۔ پکارا: ''اے بی بی، یہ گنہگار یہاں حاضر ہے۔''

دیکھتے ہی دیکھتے وہ عورت ادھر پلٹی، قریب آکر ایک دوہتڑ مارا اور کہا: ''ارے تلوار تیرا ہی نام ہے؟''

صمصام جادو ہنسنے لگا اور کہا ''بی بی، کسی کا تلوار بھی نام ہوتا ہے؟''

اس نے کہا: میاں چبا چبا کے باتیں نہ کرو۔ میں کچھ جاہل نہیں۔ عنایت سے سامری کی کچھ تھوڑا بہت پڑھی لکھی بھی ہوں۔ ملکہ تلوار ہی تلوار کر رہی ہیں۔''

اس نے خوش ہو کے کہا: ''نہیں بوا، صمصام جنگ آزمائے خوں ریز زرہ پوش کہا ہوگا۔''

اس نے کہا: ''نگوڑا بوا کس کو بناتا ہے! بوا اماما اصیل کو کہتے ہیں۔ ارے، یہی کہا ہوگا، میری جوتی جانے! کہیں جلدی چلو، اب دیر نہ کرو۔ شام سے تڑپ رہی ہیں اکیلی باغ میں۔ صرف چار کنیزیں، وہ تینوں تو نگوڑی پردے کی بوبو ہیں۔ میں کمبخت بازار کی پھرنے والی، شام سے دوڑتے دوڑتے پاؤں ٹوٹ گئے۔ کبھی حکم ہوتا ہے چھوٹی چاندنی اٹھا لاؤ، کبھی گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا بوا چھوچھو، ایک گلابی بھی لیتی آنا، بیچارہ تھکا ماندہ آئے گا، ایک جام پئے گا، تم کو دعائیں دے گا۔ جب یہ سامان جمع کر دیا، رونے لگی کہ یہ کاغذ بھی ان تک پہنچا دو۔

مگر خبردار، کوئی دیکھنے نہ پائے۔ میں بدنصیب وہاں دوڑی گئی۔ تمہارے خدمت گار کو نہ دیا...... وہی پلٹ کر پہنچی تھی، کہا پھر جا، شاید نامہ ان تک نہیں پہنچا۔ میں اس وقت سے پچھل پائیوں کی طرح جنگل میں دوڑی دوڑی پھر رہی تھی۔ اب چلو گے کہ یہیں مر رہو گے؟''

صمصام نے کہا: ''ملکہ، چلو، جلد مجھ کو اس یار جادودانی، محبوب جانی تک پہنچادو۔ آج کے احسان کا، جو زندہ ہوں، تو معاوضہ کروں گا۔''

چھوچھو ہنسنے لگی اور کہا: ''اب تمہاری زندگی کہاں؟ موت کا سامنا ہے۔ کاغذ تمہاری زندگی کا پھاڑ ڈالا گیا۔ بے حیائی سے جیتے ہو، لو صاحب، یہ ہم کو کچھ دیتے ہیں! ہماری بی بی کی روٹیوں پر پڑے رہیں گے، ارے، تو بڑا خوش نصیب ہے۔ بی لالہ زار نرگسی چشم نے صندوقچے سرکار سے ملکہ حیرت جادو کی اڑا ئے ہیں۔ وہ سب تمہارے واسطے ہیں۔ خود ملکہ ہم کو دینے والی کیا کم ہے۔ بس تمہارا بڑا احسان یہ ہے کہ میری چھوکری کو رنج و ملال نہ دینا۔ کوئی رنڈی لونڈا نہ کرنا۔ میں نے گودیوں میں پالا ہے، بڑی ضدن ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر دن بھر کھانا نہیں کھاتی۔''

صمصام نے کہا: ''نہیں، خدمت گزاری میں فرق نہ ہوگا۔''

غرض ایسی باتیں باہم کرتے ہوئے دونوں چلے...... صمصام بعد تھوڑی دیر کے جو...... وسط باغ میں پہنچا، دیکھا، ایک چبوترہ سنگ مرمر کا، اس پر فرش مختصر سا بچھا ہوا، مسند ناز پر ایک طاؤس طناز، قریب تین کنیزیں، جو پاس کھڑی ہے وہ جھکی ہوئی ملکہ سے کچھ کہہ رہی ہے۔ صمصام جھپٹ کر چبوترے پر آیا۔ اب قریب سے اس ماہ تاباں کو دیکھا، نازنین، خوش خو، پری رو...... قریب تھا کہ صمصام غش کھا کر گرے۔ لیکن بمشکل ضبط کیا، اپنے تئیں سنبھالا، مگر، ''اُف!'' کہہ کے ہاتھ کلیجے پر رکھ لیا۔ وہ قاتل عالم اپنے مقام سے اٹھی، کہا: ''صاحب، آیئے، تشریف لایئے واہ وا، خوب راہ دکھائی! اگر ایسی جستجو نہ کرتے تو آپ اپنی صورت کاہے کو دکھاتے۔ اب بھی ناحق آئے۔ جب ہم دوسرے گھر جالیتے، آبرو گنوا لیتے، تب آپ کو شاید افسوس ہوتا یا نہ ہوتا۔''

صمصام یہ باتیں سن کر مثل گدھے کے پھول گیا۔ اپنے تئیں بھول گیا۔ ہیں ہیں کر کے دانت نکال دیئے، ہاتھ جوڑنے لگا، ''ملکۂ عالم، مجھ کو یہ حال معلوم نہ تھا، افراسیاب مجھ کو فقرہ دے کر لایا۔ ابھی شام تک تو بی حیرت نے اقرار کیا ہے کہ ملکہ لالہ زار نرگسی چشم کے ساتھ تمہاری شادی کریں گے۔''

ملکہ نے کہا: ''کیا آپ ننھے نادان ہیں، دودھ پیتے ہیں! جو جس نے کہا، مان لیا۔''

صمصام نے کہا: ''اے ملکہ، میں نے اس وجہ سے دھوکا کھایا کہ اول تمہارے انکار کا نامہ میرے پاس جا چکا تھا۔ میں تمہارے وصل سے مایوس تھا۔ فراق میں رویا کرتا تھا۔ آخر بیمار پڑ گیا۔ اس بے تابی میں جو افراسیاب نے مژدۂ وصل سنایا، یقین کامل ہوا کہ سچ فرماتے ہیں۔ یہ بھی تو میں بخوبی آگاہ ہوں کہ ملکہ حیرت جادو سے توسل ہے۔ دوسرے، اتنے بڑے کام کا مجھ سے طالب ہوا۔ خیر بہرنوع خداوند سامری نے اپنا فضل کیا، مگر کیوں، ملکہ عالم، تم نے آخر ملکہ حیرت سے کیا حیلہ کیا؟ یہاں تک کیوں کر پہنچیں؟''

لالہ زار نے کہا: ''جس وقت شام کو ملکہ حیرت نے اس بات کا چرچا کیا کہ اب ہم صمصام کے ہاتھ سے دختر کوکب کو (یعنی براں جو مسلمانوں کے ساتھ ہے) قتل کرا کر تمام طلسم نور افشاں کو درہم برہم کریں گے...... کبر و غرور دیکھو صمصام بدانجام کا کہ ہماری مصاحب قدیم لالہ زار نرگسی چشم کو طلب کرتا ہے۔ نگوڑا عشق کا دم بھرتا ہے۔ اب تو وعدہ کر لیا ہے، اس کو مشتاق کر دیا ہے، آئندہ سمجھا جائے گا، بعد قتل براں ایسے کلمات ناشائستہ کی سزا پائے گا۔ صاحب سامری و جمشید بی بی چھوچھو کو سلامت رکھیں۔ ماں بھی ایسی محبت نہ کرتی جیسا ان کو خیال ہے۔ میری خوشی سے شاد ہیں، میرے رنج کا ملال ہے۔ اے صاحب، کیوں نہ ہو، میں چھ مہینے کی تھی جب سے انہوں نے گودیوں میں پالا۔ بی انا نے صرف دودھ پلایا۔ آٹھ پہر انہیں کی گود میں رہتی تھی۔ ایسی باتیں سن کر ان کے دل کو کیوں کر چین ہوتا۔ ذرا ابلّی بھی ہیں، روتی ہوئی میرے پاس آئیں اور کہا، اے بی بی، غضب ہوا، کاش کہ میں مر گئی ہوتی، ایسی باتیں نہ سنتی۔ بی حیرت تمہارا ذکر کر رہی ہیں، مجھ کو تو یہ آرزو ہے کہ گل سے چہرے پر بہاری سہرا دیکھوں، وہاں بھڑوے سرمائے برف انداز، کلموہا، قوم کا رذیل، اس کے ساتھ بی حیرت تمہاری شادی کریں گی، صمصام جو اپنے ملک کا بادشاہ ہے، اس کے لئے شبو خواص تجویز ہوتی ہے، جب اس بیچارے صاحب حسب و صاحب نسب سے اتنا بڑا کام لیں گی، براں کو تہ تیغ کرائیں گی، فقرے دے کر شبو خواص کے ساتھ شادی ہوگی۔ صاحب، اصل تو یہ ہے کہ میں کونے کی بیٹھنے والی، یہ سن کر گھبرا گئی۔ انگوٹھی الماس کی اتاری کہ چبا لوں، جان دے دوں۔ بی بی چھوچھو تو بجائے ماں کے ہیں۔ لپٹ گئیں، انگوٹھی چھین لی، اور کہا کیوں بچی، ہم نے رات کو رات دن کو دن نہ جانا، تمہارے واسطے سارے کنبے کو چھوڑا، مردوا ہمارا رات بھر تڑپا کرتا ہے۔ ایک رات گھر جانا نصیب نہ ہوا کہ میری بنّو کی کون دل دہی

کرے گا، اس لئے ساری مصیبتیں اٹھائیں کہ تم جان دو؟ چلو، میں تم کو لے چلوں تمہارے عاشق صادق صمصام سے ملاؤں، ان فریب کرنے والوں کے منہ میں لوکا لگاؤں۔ صاحب، میں تو ان باتوں سے بالکل آگاہ نہ تھی۔ میں نے کہا، چھوچھو، بھلا وہاں تک میں کیونکر چلوں، کبھی بازار میں نکلی ہوں؟ ڈیوڑھی تک جاتی ہوں تو میرے پاؤں کانپتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں، بی بی کیا میں تم کو لشکر صمصام تک لے جاؤں گی۔ میرے گھر کے پچھواڑے ایک باغ ہے کہ اس کو محبوب باغ کہتے ہیں۔ مدت سے خالی پڑا ہے۔ تم چل کر وہاں بیٹھو۔ میں مردوں کے کان کاٹوں گی، تمہارے واسطے خاک چھانوں گی، ایک اشتیاق نامہ لکھ کر مجھ کو دو، اپنے چاہنے والے سے کیا شرم ہے۔ وہ شاہزادہ خودمزاج کا گرم ہے، ذرا سی سن پائے گا، آپ دوڑا آئے گا۔ صاحب، جو کچھ کیا چھوچھو نے کیا۔ مجھ کو یہاں بٹھایا، تم کو بھی بلا لائیں، ہم نے تو اپنے دل کی کہہ سنائی، اب تم اپنے دل کا حال بتاؤ۔ تمہیں کیا منظور ہے؟ میرے سر پر نہ ماں ہے نہ باپ۔ اب جو کچھ ہیں وہ آپ ہیں۔ میں اپنی جان دوں گی، مگر سرما کے گھر نہ جاؤں گی۔"

صمصام ان باتوں کو سن کر پھول گیا، کہا: "ملکہ، اب کیوں جان دو گی؟ جب تک نہ آیا تھا، مقام تردّد تھا۔ ابھی تخت پر سوار ہو، میرے ساتھ چل، میں لشکر کا بھی بندوبست کر آیا ہوں...... اب کیا وسواس ہے؟ میری تو یہ رائے ہے کہ تم کو ساتھ لے کر روبرو خدمت میں کوکب کی (جو مسلمانوں کے ساتھ ہے) چلوں۔ وہ میرا بادشاہ قدیم ہے۔ اس کے قدموں میں گر پڑوں۔ وہ رحم دل ہے، فوراً خطا معاف کر دے گا۔ دو باتوں میں مقدمہ صاف کر دے گا۔"

یہ سن کر چھوچھو تڑپ کر سامنے آئی، کہا: "ہے ہے، بچی، تو بھی بیوقوف ہے۔ لونڈیاں بھی احمق، صمصام بھی گدھا ہی ہے، مجھے کیسے بیوقوف سے پالا پڑا ہے! تابہ کوکب اپنی چھوکری کو نہ جانے دوں گی۔ ایک تو وہ بدنظر ہے۔ دوسرے تم نے کیا خوب اس کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس کی بیٹی کے قتل پر آمادہ ہو کر آئے ہو...... اور شاید اس نے خطا بھی معاف کر دی تو اس ماہ رخسار کو چھوڑے گا؟ فوراً جورو بنا کر گھر میں ڈال لے گا۔ میں دیکھا کرتی ہوں۔ جب بھڑوا افراسیاب گھر میں آتا ہے، میری بچی کو آنکھوں میں کھائے جاتا ہے۔ کئی مرتبہ مجھ سے پیغام کر چکا ہے کہ اپنی صاحب زادی کو ہم سے راضی کرا دو۔ ایک ملک تم کو انعام میں دیں گے۔ بٹیا، خوبصورت کے سب طالب ہوتے ہیں......"

...... ان باتوں میں ملکہ نے چھوچھو سے اشارہ کیا۔ چھوچھو نے اپنا منہ پیٹ لیا کہ "بچی

دیکھئے تیرا کہاں گذارا ہوگا! اس بھولے بھالے شوہر کی جان لے گی۔ کیونکر عمر کاٹے گی؟''

ملکہ سر جھکا کر رونے لگی۔ صمصام نے کہا: ''بی بی چھوچھو خیر تو ہے؟''

چھوچھو نے کہا: ''کیا بتاؤں! یہاں یہ تو آفت درپیش ہے، جان بچنے کا پس و پیش ہے۔ صاحب زادی کو عیش سوجھا ہے! فرماتی ہیں ایک جام شراب چلاؤ صحبت میں ملکہ حیرت کی آٹھ پہر یہی چرچا ہو۔ وہ، صاحب، افراسیاب کی جورو ہیں جو طلسم ہوش ربا کا مالک ہے، ان کو یہ باتیں نہیں چاہئیں۔ اگر نشے پانی کا وقت آئے، صبر کریں، وقت کو ٹالیں پرائے ملک میں جا کے رہنا ہوگا، ہر طرح کی جفائیں سہنا ہوگا۔''

صمصام نے کہا: ''بی بی چھوچھو، تم ناحق خفا ہوتی ہو۔ میں ابھی جا کر شراب لاؤں، ملکہ کو بلاؤں؟''

چھوچھو نے کہا: ''نہیں بیٹا۔ تمہارے جانے کی کیا احتیاج ہے؟ میں آٹھ پہر ان کے آرام کی فکر میں مبتلا رہتی ہوں۔ مثل دل کے ایک گلابی بغل میں دبائے لائی ہوں۔ جانتی تھی کہ ضدن ہے۔ دم بھر میں ادھم مچائے گی، شراب کے واسطے بے قرار ہو جائے گی۔''

صمصام نے کہا: لایئے، نکالئے، غصہ نہ کیجئے۔''

چھوچھو نے بغل سے گلابی نکال کر سامنے رکھی۔ کہا: ''میاں بیوی کو اختیار ہے یہ تو میں خوب جانتی ہوں کہ میاں بیوی ایک ہو جائیں گے، ہم غیر کے غیر رہ جائیں گے۔''

......ملکہ نے اشارہ کیا، ''پہلے صاحب تم پیو۔'' صمصام نے کہا: ''ذرا منہ تو لگاؤ۔ جھوٹی شراب کا طالب ہوں۔''

ملکہ نے بہ ناز و کرشمہ گلاس ہاتھ سے صمصام کے لے لیا، مسکرا کر ہونٹوں سے لگایا۔ شاید کوئی قطرہ منہ میں گیا یا نہیں، منہ بنا کر گلاس رکھ دیا، اور کہا: ''بی چھوچھو، کہاں سے گلابی اٹھا لائیں۔ میری الماری نہ کھولی۔ یہ تو زہر قاتل ہے۔''

چھوچھو نے گلاس اٹھا کر کہا: ''بیٹا صمصام، تم پیو ان کے تو یونہی نخرے سے رہتے ہیں۔ بی حیرت کی بڑی مصاحب ہیں۔ اسی برانڈی کی طالب ہیں جو بی حیرت پیتی ہیں۔ نہیں معلوم یہ گلابی میں کیوں کر لائی۔ شہر سے نکل جانے کی تدبیر ہے۔ یہاں ذرا ذرا سی بات میں یہ تقریر ہے۔''

(صمصام نے جیسے ہی شراب پی، فوراً بے ہوش ہو گیا)

(جلد پنجم۔ حصہ اول)

جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا

ایک جانب دو کانیں بھنگڑنوں کی۔ تخت بلند۔ پالیں دل پسند، صورتیں بھولی بھولی...... پہلوؤں میں جوان جوان جلیس۔ جوڑے ترچھے، ادائیں بانکی، گڑگڑیاں سنہری۔ سرخ نیچے شان وشوکت سے اپنے اپنے مقام پر جلوہ فرما ہیں۔ جوان نشے باز، معشوقوں کے دم ساز، نشیلی آنکھیں، طرے چڑھ رہے ہیں۔ دم جو پڑے نشے تیز ہوئے۔ اشعار پڑھنے لگے، پکار اٹھے:

نہ آ زاہد کے دم میں کھینچ دم چرسوں کے رندوں میں

کہ پیارے دم ہی کا تو فرق ہے مردوں میں زندوں میں

دوسرے نے جھوم کے جواب دیا: ''بھائی، کیا فقرہ کہا؟ جوانوں کا تو اعتقاد ہے، کسی کامل کا ایک شعر یاد ہے:

نہ آ زاہد کے دم میں تو اگر کچھ دھن کا پکا ہے

بہشت اک باغ ہے، دوزخ کا بھی اک شرعی دھڑکا ہے

بھائی، دنیا میں چار پیغمبر آئے۔ چاروں آپس میں بھائی ہیں۔ دو کے معتقد زاہدان خانہ خراب وشیخ بدلیاقت، دو کے معتقد ہم لوگ جوان، بے باک، چست وچالاک۔ بھائیو، سمجھ لو وہ کون ہیں: نماز، روزہ، بھنگ، کوزہ۔ سر جھکانا، غل مچانا ان کو مبارک۔

قاضی پہ آفت آئے بلا کوتوال پر

اللہ کا کرم رہے رندوں کے حال پر

تلوارے کے ہاتھ میں اکڑو پھر اے بتو

عاشق ہوئے ہیں ہم تو اسی چال ڈھال پر

بھائیو، ہم لوگ خدا کے پیارے ہیں۔ نشہ باز، بھولے بھالے، مزاج نرالے، رنگیلے طرحدار!''

دم مارنے والوں میں تو یہ ہنگامے ہیں۔ بھنگڑن معشوق مزاج، عاشقوں کی سرتاج، جو روز کے پینے والے ہیں، وہ تخت پر آ بیٹھے۔ ساقی سے ساقی مل گئے۔ اس گل عذار نے مسکرا کر بات کی، نہال ہو گئے، غنچہ آرزو کھل گئے۔ گنڈا نکال کر پھینکا، کہا: ''جانی، آج تو چور

کردو، پیڑو کی پلواؤ ایک دم لگواؤ۔ نشے کا اتار ہے، فصل بارش کی بہار ہے، سینے پر کیا ابھار ہے۔'' دم لگا کر اور زیادہ اکڑے۔ تعریفیں سراپا کی ہونے لگیں۔ ''ہماری بھنگڑن حسن میں بے نظیر ہے، چہرہ رشک ماہ منیر ہے۔ ابروئے خم دار ذبح کرتے ہیں۔ ان نشیلی آنکھوں پر ہم مرتے ہیں۔ اے محبوب جانی، یار جاودانی، گھربار جان و مال سب تجھ پر نثار کریں۔ خوب نشہ ہوا، کیا دم پڑا! کہو تو سر کاٹ کے قدموں پر رکھ دیں۔ دوسرا گنڈا لو، اور چلم بھرو۔''

اس نے مسکرا کر پیسے اٹھا لئے، پنجۂ نگاریں سے چرس جمانے لگی۔ دم مارنے والے بول اٹھے ''کشمیر نہ پلانا، سالجہاں کا ٹرا جمانا!''

زیر تخت ڈھاک کے بکل جل رہے ہیں۔ نوکر غرقی باندھے، وہ بھی اگلا چاہنے والا، نشے میں چور ہاتھ بڑھا کر چلم لی، بکل کی آگ چھوٹی چھوٹی جمائی، میاں کے سامنے حاضر کی۔ میاں نے کڑکڑا کے دم لگایا، بالشت بھر لو اٹھی۔ طرف نوکر کے متوجہ ہوئے۔ کہا: ''لے بھائی مسیتے، تو بھی دم لگا لے۔ نشہ جما لے۔''

اس نے پھر حقہ منہ پر رکھا۔ یہ فقرہ ہنس کر کہا: ''بھائیو، چرس کہتی ہے، کھانسی کروں، کھرا کروں، اس پر بھی پینے والا نہ مرے تو میں کروں!''

اس بازار میں بڑے ہنگامے ہیں...... عجب سلسلہ ہے، ڈھولک بج رہی ہے۔ شعر خوانی کا ہنگامہ، مطالعے، اشعار، خمسے، رباعیات پڑھ رہے ہیں، بعض جل کر کہتے ہیں، ''میاں، کیا خاموش ہو؟ میاں آتش صاحب کا واسوخت پڑھو۔ شعر سے شعر لڑے۔ اب کی چودھویں کو مشاعرہ ہوگا۔ استاد مٹرو مدار بخش آئیں گے۔ حسو خان فیض آبادی سے تکرار پڑی ہے۔ بڑی یاد کر کے آیا ہے بارہ بارہ پہر پڑھتا ہے۔ ہمیں چار دن کی یاد ہے۔ شیخ گھسیٹا ہمارا استاد ہے۔''

اب اس وقت تمام میلہ جوش و خروش پر ہے۔ اٹھارہ سو ملک کا آدمی جمع ہے......

میلہ ہے یہ اک نئے فشن کا — جس میں کہ سماں ہے سب چمن کا
کیا کیا خوش رو و گل بدن ہیں — رشک نسرین و یاسمن ہیں
پہنے ہوئے سب لباس پرزر — ترچھی رکھے کلاہ سر پر
کھائے ہوئے پان کی گلوری — ہر غنچہ دہن کے منہ پہ سرخی
ہونٹوں پہ کوئی مسی لگائے — سوسن کو بھی جس سے شرم آئے

اک سمت کو چانڈو پینے والے — بانبو ہاتھوں میں ہیں سنبھالے
چسکی کوئی بیٹھا کھولتا ہے — کانٹے میں نگہ کے تولتا ہے
مغلی کہیں چائے بن رہی ہے — کشمیری کہیں پہ چھن رہی ہے
اک سمت ہیں ساقنوں کی پالیں — دم دے کے نگاہ جن پہ ڈالیں
چلموں پہ چرس کی پڑتے ہیں دم — مشعل سے نہیں ہے جس کی لوکم
دم مارا کسی نے دے کے گنڈا — گاڑا نشے کا اپنے جھنڈا
دوکانیں تنبولنوں کی اک سو — بانکی ترچھی حسین و خوش رو
عیاش کمال کھیلی کھائی — پہنے ہوئے زیور طلائی
ہنس ہنس کے اگال اک پہ پھینکا — دکھلایا کسی کو مڑکے ٹھینگا
چونا کسی یار کے لگایا — ہنس ہنس کے کسی کا خون بہایا
کرتی ہیں کسی سے کہہ کے یہ چال — "بیڑا اب کھالے میرے مکھ لال"
بیڑا کوئی لے کے کھا رہا ہے — رنگ اپنا کوئی جما رہا ہے
تھیٹر کا کوئی جمائے ہے رنگ — بجتا ہے کہیں رباب مرچنگ
ہے لاگ کہیں پہ سر کٹے کی — حیراں ہوا شکل جس نے دیکھی
اک سمت ہیں رنڈیوں کے ڈیرے — عیاش کھڑے ہوئے ہیں گھیرے
بایاں کسی جا گمک رہا ہے — سارنگی کا سر چمک رہا ہے
خالی کوئی گنگنا رہی ہے — سر ساز سے اک ملا رہی ہے

تماش بین جمع ہیں، مجرا ہو رہا ہے۔ نازنیناں مہ جبین، شوخ وشنگ طرار فرار، ناز و کرشمہ میں چتون ڈوبی ہوئی مست ہیں۔ ان کے بانکے چاہنے والے قریب بیٹھے ہیں، فرمائش ہو رہی ہے، "بی لذت بخش، کوئی ٹھمری، کوئی غزل گاؤ، نمکینی دکھاؤ۔ ہم تو مدت تک مشتری کے خریدار رہے۔ جس دن سے وہ خانہ نشیں ہوئیں۔ لطف غزل کا اٹھ گیا، گانے کا مزا جاتا رہا، ان کی فصاحت و بلاغت کی کیا تعریف کریں! خود صاحب تصنیف موزوں مزاج، گائنوں کے سر کا تاج۔"

نائکہ نے جھلا کر جواب دیا: "جناب رسالدار صاحب، خطا معاف، اس چھوکری کے شہرے ہیں۔ یہ بھی شعر نظم کرتی ہے۔ بتانے میں طاق، شہرہ آفاق۔ ہاں چھوکری، جو کل

غزل یاد کی ہے، بھاگ کی دھن میں سنا دے، برق چمکا دے۔ رسالدار صاحب بڑی دور سے آئے ہیں۔ ہمیشہ خط آیا کرتا تھا۔ اشتیاق نامے آپ کے رکھے ہیں۔ ہم تو انہیں کی تحریر پر آئے...... یہاں تو ایک ہنگامہ ہے، میلہ کاہے کو جھمیلہ ہے۔ میاں داروغۂ ارباب نشاط نے کل سے صرف ایک مرتبہ دو خوان کھانے کے پہنچائے۔ یہاں پچاس آدمی ساتھ ہیں، ٹٹو، گھوڑے، بہلیاں، اپنا صرف ہو رہا ہے۔''

یہ سن کر رسالدار صاحب پھول گئے۔ ساری شہسواری بھول گئے۔ کمر سے نوٹ سو روپیہ کا نکالا، پیش کیا۔ کہا: ''بی لذت بخش صاحب، آپ تو ہماری مہمان ہیں۔ اس جلسے میں تشریف لانے کے ہم پر احسان ہیں۔''

نائکہ نوچی دونوں خوش ہوئیں۔ سازندوں نے کہا: ''رسالدار صاحب، سامری جمشید سلامت رکھیں۔ بی لذت بخش گاؤ، ہم رسالدار صاحب کو مدت سے جانتے ہیں بہت کچھ دیں گے۔ خوش کر کے یہاں سے بھیجیں گے۔''

روپیہ ملنے سے بی لذت کو بھی مزا ملا۔ غنچۂ آرزو کھلا، چہرہ مثل گل کے سرخ ہو گیا۔ مسکرا کر گنگنائیں۔ غزل شروع کی......

اس غزل پر تو اس قاتل عالم نے کبھی مارا، کبھی جلایا، ایک ایک شعر کو سو سو طرح بتایا۔ بتانے میں کبھی جنگل۔ کبھی باغ، کبھی دیوانہ پن، کبھی نقشۂ محبوب، کبھی صورت مطلوب، کبھی سینے پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں بھرنا، کبھی سامنے مشتاقوں کے مچلنا، کبھی دل عاشق پائے نگاریں سے ملنا۔ اب تو روپیہ اشرفی برسنے لگا، اپیل پڑنے لگی، کہیں ایک بنیا مہاجن بے چارہ آفت کا مارا اس جلسے میں آ پھنسا۔ رسالدار نے پانچ دیئے۔ اس نے دس پھینکے۔ رسالدار بیچارے دس کماتے ہیں، پچاس اٹھاتے ہیں۔ آج جلسے کے خرچ کے واسطے سو دو سو روپیہ خرچ لے کر چلے تھے۔ وہ دے چکے۔ کچھ بازار میں صرف ہوا۔ مہاجن نے جب ٹینٹ ٹٹولا یہ گھبرائے۔ چاہا ڈاب میں سے نکال کر تلوار دے دیں۔ نائکہ نے چٹکی لی۔ مٹھی روپیوں کی پہلو میں رکھ دی۔ اشارہ کیا۔ ہم سے لیتے جاؤ، بی لذت بخش کو دیتے جاؤ، بنیے کو لٹنے دو، ہمارا نفع اس کا نقصان، تمہارا ہم پر احسان، رسالدار صاحب یا تو بدلگامی کرنے کو تھے، قدم تھم گئے، اب تو بیل دینے پر جم گئے۔ بنیا دم بھر میں لٹ گیا۔ آخر چوتڑ جھاڑ کے ''بی امیر بخش سلام!'' کہہ کر اٹھ بھاگا۔

بعد اس کے جانے کے ہنسی دل لگی ہونے لگی۔ اسی طرح دس آتے ہیں، پانچ جاتے ہیں۔ سازندے ساز کر کے تماش بینوں کو لگا کے لاتے ہیں۔ جو بانکا ترچھا ملا، مسکرا کر ہاتھ پکڑ لیا۔ کہا ''حضور، دکھن سے ایک بائی آئی ہے۔ کیا خوب گاتی ہے! چل کر دو چیزیں سنئے۔''

اس کوچے میں جو آیا لٹا، ہنستا ہوا آیا روتا ہوا چلا گیا۔ بعض تو خرچی چکار رہے ہیں، ساتھ کے یاروں سے کہہ رہے ہیں، ''بھائی یاراں، ہم ہمیشہ یہی کھیل کھیلتے ہیں۔ ایک شب سے زیادہ دوسری شب رنڈی کے یہاں نہیں آتے۔ تین سو کسبیوں کے نام فرد پر لکھے ہیں۔ گھر پر روز خانگیوں کی ڈولیاں آتی ہیں۔ اوباش گرھستوں کو لگا لاتے ہیں۔''

ہر خیمے میں رنڈیوں کے یہی ہنگامہ ہے کہیں سوز کہیں ساز کہیں راز، کہیں نیاز،......

ایک مقام پر...... ایک خیمہ کلاں استادہ ہے۔ اس میں نوجوان نوجوان جمع ہیں، دف بج رہا ہے۔ خیال میرے شوکت حسین صاحب سحر کے آواز بلند گائے جاتے ہیں۔

بجتا ہے رباب اور مرچنگ — وارے کا جما ہوا ہے اک رنگ
کچھ بیٹھے ہیں اس میں کلغی والے — طرّے والے ہیں کچھ نرالے
کچھ دارا بجا کے گا رہے ہیں — کچھ جھوم کے تان اڑا رہے ہیں

خیال تلازمۂ بسنت، چوک پہلا

بسنت آیا ہے، شور ہر سو ہے بلبلوں کا ہر اک چمن میں
وہ پھولا ٹیسو، لگی ہے آتش، چنار جلتے ہیں سارے بن میں
سمسایا ہے رنگ زعفرانی ہر ایک نسرین و نسترن میں
خدا کی قدرت کا ہے تماشہ کہ زردی آئی ہے یاسمن میں
ہے بیلا البیلا پن دکھاتا کہ زرد پوشاک ہے بدن میں
چنبیلی کیا گل کھلا رہی ہے، چٹک ہے غنچے کی ہر سخن میں
نہیں ہیں پھولے سماتے غنچے خوشی کے مارے خود اپنے تن میں
بھرے ہیں گل چیں کی جھولیوں میں وہ پھول بکھرے جو تھے چمن میں

قطعہ

دی ہے خبر بہار کی لا کر نسیم نے
مہکا دیا چمن کو گلوں کی شمیم نے
صیاد کو ڈرایا ہے امید و بیم نے
شادی رچائی بلبلوں کے دل دونیم نے
شگفتگی کا بھرا ہے پانی ہر ایک تھالی کے بھی لگن میں

چوک دوسرا

مثال یرقان ہے چشم نرگس، ابھی ہے البیلی بالے پن میں
کہ ٹکٹکی بھی لگی ہوئی ہے گلوں پہ حسرت ہے انجمن میں
اشارے چمپا سے ہو رہے ہیں کہ آئی تو بھی اب اس وطن میں
بسنتی پوشاک ہے جو پہنے بہار کیا آ گئی چمن میں
نہیں ہے جُوہی کا کام یاں کچھ سمائے گا موتیا نہ من میں
بہار گیندے کی آج کل ہے بسنت آیا ہے ہر چمن میں

قطعہ

اجڑا ہوا چمن یہ پھر آباد ہو گیا
استادہ پیشوائی کو شمشاد ہو گیا
شاداں ہر ایک بلبل ناشاد ہو گیا
پژمردہ غم سے اب دل صیاد ہو گیا
خوشی سے سنبل کو وجد یہ ہے اکڑ رہا ہے وہ بانک پن میں

چوک تیسرا

بسنت کا رنگ جم گیا ہے حلب میں تاتار میں ختن میں
ہر ایک دشت و جبال و بر میں ہر ایک دریا میں اور چمن میں

بسنتی سبزہ ہے یوں روش پر عقیق یا زرد ہیں یمن میں
یہ زعفرانی ہے فرش مخمل گلوں کی خاطر ہر ایک چمن میں
کہیں پہ ہے شور فاختہ کا کہیں پہ قمری ہے ہر سخن میں
کھلا ہوا پھول یا کہ غنچہ کہیں پہ بلبل کے ہے دہن میں

قطعہ

دیکھو ہزار رنگ پہ گلزار آج ہے
مرغان خوش نوا کا فلک پر مزاج ہے
اب تخت زعفرانی کی بھی احتیاج ہے
ہر گل بدن کے سر پر بسنتی جو تاج ہے
نہیں ہے کھوٹا، کھرا ہے ہر گل، ہر ایک ثابت قدم چمن میں

چوک چوتھا مع تخلص استادان خیال

رسال گر کا بھی زعفرانی لباس نو عمدہ ہے بدن میں
'مداری' کپڑے بسنتی پہنے ہوئے ہیں داخل اس انجمن میں
اگر ہے 'ہیرا' کا لال چہرہ، یہ زرد پوشاک ہے بدن میں
وہ ٹھاٹ 'عاشق علی' کے دیکھو اکڑتے ہیں بانکپن میں
گئی خزاں اور بہار آئی 'سحر' ہمارے بھی اب چمن میں
اسی سے شہرہ ہے لکھنؤ کا یمن میں، چیں میں، حلب ختن میں

قطعہ

چرچا رہے گا چنگ و سرود و رباب کا
دھر پت کی تان، راگ خیال و حناب کا
دورہ وہ ہر طرف کو شراب و کباب کا
پیری میں آج اٹھے گا مزہ کچھ شباب کا
یہ رات گزرے گی عیش میں سب بسیں گے پھولے گل بدن میں

اس جلسے کو دیکھ کر جوان، کم سن، پیر، عقیل، فہیم اوصاف میں مصروف ہیں کہ کسی کامل نے یہ ہونگ جمایا ہے، کیا کیا خیال ہیں، غزل کا بھی لطف ہے، ٹھمری کا مزہ ہے، مصنف نے کیا کام کیا ہے، بڑا خون جگر کھایا ہے، کس کس مضمون کے خیال نظم فرمائے ہیں، باغ پر بہار سامنے بنا کر دکھائے ہیں، کیا فصل بسنت کے مضامین دل نشین ہیں، پڑھنے والے بھی جوانان فصاحت آئین ہیں، جی چاہتا ہے صبح تک میاں سحر کے خیال سنیں، یہاں سے قدم نہ اٹھائیں......

ایک جانب تو بڑے جم گھٹے دیکھے۔ جوانان شیر دل کی آواز آرہی ہے، ہاہو کے نعروں سے زمین تھرا رہی ہے، کسی سے پوچھا ''اس مقام پر کیا جلسہ ہے؟''

ایک نے کہا: ''بھائی اسی مقام پر تو سارا میلہ ہے اول صاحبان آبرو، پیروان حضرت خضر والیاس، حق شناس، نیک اساس، دریا دل، پاک از زشتی، شہر نا پرساں کے سارے بہشتی، حق نیوش، مشک بدوش، بجوش وخروش آکر جمع ہوئے ہیں۔ ایک جانب ظاہر کے میلے، دل کے اجلے، جن کی ذات سے تمام وضیع وشریف سفید پوش ہوتے ہیں، کثافت لباس کو دھوتے ہیں، صاحبان شست وشو، خوش خو، صاحب حسن وخوبی، سارے شہر کے دھوبی آکر ڈٹے ہیں۔ دونوں فرقوں میں معرکے پڑ گئے ہیں۔ کیا کیا عمدہ عمدہ کھنڈ گاتے ہیں۔ جو نہیں سمجھتے ہیں وہ اس کو پاکھنڈ بناتے ہیں۔ اگر ٹھہر کر سنیں، صاحب فراست سر دھنیں۔ مثنویاں دلچسپ مضامین عمدہ، شاعران نامی نے اس طور میں نظم کیا ہے، ان صاحبوں کو یاد کرادیا ہے، یہی سب جوان گاتے ہیں، ہر میلے میں آتے ہیں۔''

...... بڑی بڑی اینٹیں بجائے فرش رکھی ہیں۔ ایک جانب سقے کھاروے کی لنگیاں، دھری مرزئی، پگڑیاں سروں پر، نری کے جوتے، ڈٹے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب دھوبیوں کا پرا جما ہوا ہے۔ انگرکھے جامدانی کے اجلے صاف وشفاف، پائجامے نین سکھ کے مگر میلے، ایک پائنچہ چڑھا ہوا، ایک اترا ہوا، تیوریوں پر بل پڑا ہوا، ہاتھوں میں چاندی کے کڑے، گلے میں نقرئی زنجیریں، گلوریاں کھائے ہوئے، کنٹھے دار جوتی چڑھائے ہوئے۔ دونوں فرقے ڈٹے ہوئے ہیں، بڑے لطف سے یہ کھنڈ تصنیف میر شوکت حسین صاحب سحر کے گا رہے ہیں۔

دھوبی سقوں کے ہیں مقابل	سب کھنڈ کے گانے پر ہیں مائل
اجلے میلے ہیں دھوبی سارے	سر سے وہ منڈاسے ہیں اتارے
گاتے ہیں یہ کھنڈ ہاتھ پھیلا	دیتے ہیں جواب دھوبی چھیلا

کھنڈ اوّل، سوال سقوں کا

ایک کامل ان میں سے آگے بڑھا، اپنے کان پر ہاتھ رکھ کر پکارا:

ہاں ہاں، او میرے میاں
سنو بھائی دو چار سقوں کے نعرے
اب عاشق کے دل ہیں بہت بے قرارے
صبا کئے جو چمن اشارے
تو غنچے چٹک کر یکایک پکارے
چلو، بلبلو، آئی ہے اب بہارے

جواب دھوبیوں کا

ایک دھوبی بھی آگے بڑھا، اور یہ نعرہ مارا:

ہاں ہاں، او میرے پیارے
خوشی سے نہیں گل جو پھولے سماتے
تو مرغان گلشن ہیں اتراتے آتے
اکڑ کر ہیں شمشاد جو بن دکھاتے
خبر لا کے پیک چمن ہیں سناتے
کہو باغبان سے کہ گلشن سنوارے

دوسرا سوال سقوں کا

صنم آج گر وصل ہو تو مزا ہے
گھٹا چھائی ہے اور چمن پر فضا ہے
مئے لالہ گوں بادل پر صفا ہے
بھرے جام ساقی یہی کہہ رہا ہے
کہ پہلے سحر اب تو کچھ ہو خمارے

ارے او میرے میاں

تو میرا دلدار میں تیرا بچپن کا یار
پیارے جلدی آؤ عاشق کے گلے لگ جاؤ

جواب دھوبیوں کا

فلک نے مرے حال پر رحم کھایا
کہ وہ ماہرو میرے گھر آج آیا
مجھے سادہ پن یار جانی کا بھایا
کہ آتے ہی مجھ کو گلے سے لگایا

'سحر' کا دماغ اب فلک پر ہے بارے

او میرے میاں

تو میرا ہے پیارا میں نے تجھ پر جی اپنا وارا
دل تیرے نذر کیا حسن تیرا مول لیا

سامعین میں چرچے ہو رہے ہیں کہ ''آج تیسرا دن ہے، سقے دھوبیوں کی جان کو کلپ رہے ہیں، پٹرا کرنے پر آمادہ ہیں۔ کہتے ہیں خوب کندی کریں گے، ان کی استری لیں گے، دھوبی پاٹا کریں گے، جب تو بیچ میں آئیں گے۔''

ایک کہتا ہے: ''بھائی، دھوبی کا کتا، گھر کا نہ گھاٹ کا۔''

ادھر دھوبی بھی جوش میں کہتے ہیں: ''ہم بہشتیوں کو سوندن میں ڈالیں گے، ڈول مشک چھوڑ کر بھاگیں گے۔ خاک پھانکتے ہیں، ابھی سے کنویں میں جھانکتے ہیں۔ اب آبرو پر بنے گی ہمارے ان کے خوب چھنے گی۔ پناہ پانی مشکل ہوگی، ہمارے ان کے تکرار لب ساحل ہوگی۔''

......ایک طرف بازار میں دیکھا بڑا ہنگامہ ہے۔ مرچڑے چاقو ہاتھ میں، سر پر چرکے لگے ہوئے، خون بہا کر پیسہ لیتے ہیں، بڑا کمال حاصل کیا ہے، ایک پیسہ ان کا خوں بہا ہے ایک جانب گرز مار، دو ضربیں لگائیں، پیسہ لیا، ایک طرف شیدی، جھنجنے ہاتھ میں، شلنگیں لگا رہے ہیں، جہاں اڑے، گنڈا لے کر ٹلے۔ ایک مقام پر سترے شاہی فقیر بے پرواہی سے ڈنڈے بجا کے یہ بانی کہہ رہے ہیں:

آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی مکھ پر برسے نور
صدقہ نانک شاہ کا بھنڈارے بھرپور
جگ جگ جئے لالڑی بڑھتی ہر دم چاہی
شاد ہو روح سامری کہتے سترے شاہی

(جلد پنجم - حصہ اول)

کمر کی خیر

ایک سمت مرزا پیٹو صاحب کا رسالہ، حسین حسین جوان، کھچوری چوٹیاں گندھی ہوئی پشت پر پڑی ہیں۔ رنگین دوپٹے گلوں میں، مہندی ہاتھوں میں، سونے چاندی کے چھلے پور، پور دو دو تھان کے پائجامے، کفش پاؤں میں، اس واسطے کہ قدم نہ پیچھے ہٹے۔ چھوٹی ٹوپیاں سر پر، سرمہ دنبالہ دار آنکھوں میں، دلہن بنے ہوئی۔ "اوئی!" کہہ کر ہاتھ مارتے ہیں، مگر نیچے ان جوانوں کے چمک کر گرتے ہیں، مع مرکب دراکب چار ٹکڑے، زمین میں دو دو ہاتھ نیچے اتر جاتے ہیں۔ آگے ان سب جوانوں کے ان کے رسالہ دار مرزا ٹیٹو صاحب اس ہنگامۂ جنگ میں لڑتے ہوئے۔ چونکہ مزاج مزیدار ہے، اشعار پڑھتے ہوئے گویا ان کے نزدیک میدان رزم صحبت بزم ہے۔

(جلد پنجم - حصہ اول)

تکلف برطرف

برق فرنگی بازار میں ایک دکان پر مہاجن کی ہلڑ کر رہا ہے، یعنی بصورت اگھوری ایک کھوپڑی ہاتھ میں لے لی ہے، اس میں کھلی بھری ہوئی، لوگوں پر پھینک رہا ہے۔ لوگ جانتے ہیں گو ہے، بھاگتے پھرتے ہیں۔ کبھی پیشاب کر کے چلو میں لیتا ہے، لوگوں پر دوڑتا ہے۔ آدمی پر آدمی گر رہے ہیں، بازار میں ہنگامہ ہے۔

(جلد پنجم - حصہ اول)

چل پوں، بم چخ

خواجہ (عمرو عیار) گلیم اوڑھے کنج باغ میں کھڑے ہیں۔ اس فکر میں ہیں کہ کوئی کنیز اس طرف آئے، اس کی صورت بن کر جاؤں۔ چونکہ صبح کا وقت ہے ہر ایک مہ پارہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی ہے، کوئی حوض پر منہ دھو رہی ہے، کوئی کسی کو پکارتی ہے کہ ''ارے سنبل، کس پیچ میں ہے؟ رات بھر تو غائب رہی، اب صبح کو بھی آئے گی یا نہیں، یا اندھیر مچائے گی۔'' ایک پکارتی ہے ''بوا نرگس، اٹھو، آنکھیں کھولو۔'' نرگس نے انگڑائی لے کر کہا: ''خدا کرے تیرے دیدے پٹم ہو جائیں! سونے نہیں دیتی، تڑکے سے ادھم مچایا ہے۔ شبنم کا جا کر منہ دھلا شمشاد اکڑتی ہوگی۔ اس کو بلا۔''

(اتنے میں ایک کنیز درختوں میں پیشاب کرنے آتی ہے۔ خواجہ اسے بے ہوش کر کے اس کی صورت بنتے ہیں)

جب صحن میں آئے، دیکھا ہر صحنچی کے آگے ایک ایک پلنگڑی بچھی ہے۔ کوئی خالی ہے کسی پر نازنین مہ جبین لوٹ رہی ہے، کوئی اٹھ کے بیٹھی ہے، ڈلی کتر رہی ہے، لٹیا اٹھا کے کلی کی، گلوری کلے میں رکھ لی ہے۔ بعضی گھبرا کے اٹھی، لوٹا ہاتھ میں لیا، طرف بیت الخلا کے بھاگی۔ اب حیران ہیں میری صحنچی کون سی ہے، نام میرا کیا ہے کہ ایک نے پکارا ''اے گل رو، جلدی فراغت کر لے، چل، ملکہ بیدار ہوئی ہیں۔''

عمرو نے گھبرا کر کہا ''بوا، ابھی تڑکے تڑکے ہوش بھی درست نہیں ہوئے تو نے کاؤں کاؤں کر کے اور پریشان کیا!'' یہ تو بخوبی سمجھ گئے کہ میں گل رو خواص کی صورت پر ہوں۔ پکار کر کہا ''یہ تو بتا، ارے میری صحنچی کون سی ہے؟''

ایک نے کہا: ''ارے ادھر آ۔ تیرے مرنے گڑنے کی یہ جگہ ہے۔ جو کچھ رات کو کھاتی ہو، وہ بھی بھول جاتی ہو؟ مستانی ابل پڑی ہے، اپنے رہنے کی جگہ بھول گئی ہے!''

ایک نے کہا: ''بی گل رو، توشے خانے کی مالک ہیں۔ ساری مندرس انہیں کو ملتی ہے۔ ان کی نانی ڈھڈ وقمرن روز صبح کو دوپٹے پائجامے لے گدڑی بازار میں جاتی ہے، پرانے کپڑے بیچ لاتی ہے۔ دھگڑوں کو جامدانی کے انگرکھے بنا کر پہناتی ہے۔ اپنی آج صحنچی بھول گئی! آنکھوں میں چربی چھائی ہے۔ بی گل رو پھول گئیں۔''

خواجہ بھی تڑاق پڑاق جواب دیتے ہوئے، کسی کا گال نوچ لیا، کسی پر گلوری کا اگال پھینک دیا۔ ''ہائے ظالم!'' کہہ کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا، کسی کے مارنے کو پاؤں سے جوتی اتاری، کسی پر پیک تھوک دی، لڑتے بھڑتے اپنی صحنچی میں آ کر بیٹھے۔
(جلد پنجم۔ حصہ اول)

آ ؤ پڑوسن لڑیں

لشکر لندھور میں جوانان ہندی، وضع و شریف، بانکے ترچھے، لڑے بھڑے، کلوں پر زخموں کے نشان، ایک باغ بے خزاں، معلوم ہوتا ہے، پلٹنیں رسالے تکلف سے آراستہ ہیں۔ صبح کا وقت ہے، وردی بج رہی ہے، جوانان تماشابین رنڈیوں کے خیموں سے نکلے ہیں۔ جھیل میں جا کر غوطہ مارا، نماز کا وقت جاتا ہے، جلدی آ کر نماز چند فقرات میں ادا کی، چونکہ نشے باز ہیں، ڈیڑھ ہتی بغل میں دبائے دکان پر بھینگڑن کے پہنچے، چوتی اٹھنی پھینکی، دم مارا۔ ادھر سے کمیدان آئے، ادھر سے رسالدار پہنچے، ایک کھنکارا، ایک نے مونچھوں پر تاؤ پھیرا۔

کمیدان نے کہا: ''میاں، کیا مونچھوں پر تاؤ پھیرا کرتے ہو؟ آؤ، دو دو ہاتھ لڑلو۔''

تلواریں کھنچ گئیں۔ ایک کے وار پر دوسرا تعریف کرتا ہے کہ ''بھئی واہ جوان، کیا ساکھے کا ہاتھ مارا ہے! بھئی، سپر تو پھینکو۔ مردان عالم کہیں گھونگھٹ میں رہتے ہیں!''

غصے میں دونوں نے سپریں پھینک دیں۔ اب دونوں کے سینے سپر ہوئے دم بھر میں خون میں تر ہوئے۔ کوتوال کو خبر ہوئی، دوڑے۔ تر ہی پھینکی۔ ''دھوتو، دھوتو'' کی آواز آئی دونوں جوان ایک طرف ہو گئے، تلواریں پکڑ کے آگے بڑھے کہ ''کوتوال صاحب، آپ کو کیا کام ہے؟ ہم بھائی بھائی، ایک بیڑے کے دوالی بند ہیں۔ حضور، ایسی کیا آفت آئی جو آپ دوڑے آئے۔''

کوتوالی چبوترے کے پیادے پیچھے ہٹ کے کھڑے ہوئے۔ آپس میں کہتے تھے کہ ''بھیا خان میاں سے ڈرنا چاہئے۔''

دوسرے نے کہا کہ ''مرزا جی کیا کم ہیں۔ خانہ جنگیاں لڑ چکے ہیں۔''

جب زیادہ ہنگامہ ہوا، رسالدار کی طرف سے رسالہ تیار ہوا۔ کمیدان کی طرف پلٹن،

آپس میں کہتے ہوئے کہ ''ہمارے افسروں پر نگاہ ڈالے گا تو خون کا دریا بہا دیں گے۔''

یہ شور سن کر خودلندھور بن سعدان کئی لاکھ روپیہ کا سیلہ سر پر باندھے ہوئے، رفقا ساتھ، آ کر ہنگامے کو برطرف کیا۔ دونوں جوانان زخمی کو گلے سے لگایا، کہا ''بھائیو، آپس میں لڑتے ہو؟''

غصے میں دونوں جوانوں نے جواب دیا: ''کئی دن سے طبل جنگی نہیں بجے۔ تلواریں ہماری خون چاٹنے کی عادی ہیں۔ جہاں دو دن جنگ نہ ہوئی، یہ معشوقان خون ریز بہت بے چین ہو جاتی ہیں۔ جب خون چاٹ لیتی ہیں تو آرام پاتی ہیں۔''

(جلد پنجم - حصہ اول)

اضافیت

''نہ گھبراؤ۔ کیا کسی کے ہاتھ لگانے سے کچھ نقصان ہوا جاتا ہے؟...... جب پنچائیت ہوتی ہے، چودھری صاحب پکار کے کہہ دیتے ہیں، راہ گلی کا معاملہ صاف ہے، نہ جرمانہ نہ شکرانہ!''

(جلد پنجم - حصہ اول)

اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہوگا

ایک کنیز نے کہا: ''واری، مجھ کو ایک ٹوٹکا یاد ہے۔ دیوالی کی کلھیا میں چولھے کی راکھ بھر کے دیوار میں گاڑھ دی جائے۔ سب دشمنوں کا منہ بند ہو جائے گا۔ پیر دیدار کا کونڈا مانیے، بی ترت پھرت کی پڑیا، بی ٹپک کی سپاری، پیر پلٹو کی جوتیاں۔ یہ سب ٹوٹکے آزمائے ہوئے ہیں۔''

(جلد پنجم - حصہ اول)

''عورتیں بڑی چلتر باز ہوتی ہیں، مردوں کو دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ میرے شوہر کی مجھ سے لڑائی رہا کرتی تھی۔ پڑوسن نے مجھ کو ایک ٹوٹکا بتلا دیا کہ بوا، جوتی سے آٹا تول کے ٹکیا پکاؤ۔

اندھیرے پاکھ میں میاں کو کھلاؤ۔ ہمیشہ جوتی کے نیچے رہیں گے۔ میں نے یہی کیا۔ اب کبھی سر نہیں اٹھاتے، بھگو بھگو کے جوتیاں مارتی ہوں۔ حضور، ایسی باتوں کا ڈر ہے۔ بعض ٹوٹکا پلٹ پڑتا ہے، مرد کی جان جاتی ہے...... میں جاؤں، (ملکہ کی سوت کو) ہاتھ پکڑ کے کھینچ لاؤں؟...... اگر بولیں تو سو صلواتیں سناؤں گی۔ صاف کہہ دوں گی، ہماری بی بی بیاہتا ہیں، تم اڑھری ہو، میاں سلامت رہیں، ایسے ایسے معاملے بہت سے ہوں گے، رہتا پانی رہ جائے گا، بہتا پانی بہہ جائے گا۔''

(جلد پنجم۔ حصہ دوم)

مشفقہ

سرخیل مرنے سے جورو کے بدحواس ہوگیا، سر پیٹنے لگا۔ چیختا ہے، ''ہے ہے، میری جورو کو مار ڈالا! اب کون میرے ناز اٹھائے گا، پہلو میں سلائے گا؟ مثل ماں کے مہربان تھی۔ مکھیاں جھل کر کھانا کھلاتی تھی، جاڑی میں قوت باہ کی گولیاں بناتی تھی۔ اب شفقت سے کون سر پر ہاتھ رکھے گا؟ گھر میرا برباد ہوا۔ اے بی بی کچھ جواب تو دو۔ سامری جمشید کی خدائی میں آگ لگے! تمہاری جوانی پر رحم نہ آیا! تمہاری وضع داری کو یاد کروں، کس بات پر فریاد کروں؟ سینکڑوں آشنا کیے، کبھی مجھ پر ظاہر نہ ہوا۔ میری دل دہی سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ گھر میں چار جگہ پردے پڑے رہتے تھے، ہم جائے فراق نہ سہتے تھے۔ ایسی بی بی مہربان کہاں پاؤں گا؟ کھلی ہوئی بات ہے اوروں سے سر ڈھکوایا۔ نام میرا کیا۔ میری مردانگی مشہور کرتی تھیں، میرے نام پر مرتی تھیں۔ عورتوں میں بیٹھ کر کہتی تھیں، میرا شوہر بڑا تماش بین ہے۔ جب کسی غیر کو بلایا، مجھ سے کہہ دیا، میری خالہ کا بیٹا آیا ہے۔ پردے میں سب کچھ کیا، کسی پر حال روشن نہ کیا!''

(جلد پنجم۔ حصہ دوم)

بےلگام

(توسن جادو نے عمرو عیار کو گرفتار کرلیا ہے۔ عمرو اسے گالیاں دے رہا ہے)

''...... قید میری یہاں بے وجہ نہیں آئی ہے۔ میاں توسن پر ضرور سواری گانٹھوں گا۔

دھانہ خاردار چڑھاؤں گا۔ تازی بات ہے کہ منہ زوری بھول جائیں گے، قدم نہ اٹھا سکیں گے، بگٹٹ بھاگیں گے۔ پوئی پران کو لگاؤں گا۔ دانہ گھاس کھلاؤں گا۔ تھان کے ٹرے ہیں...... اور توسن ٹٹوے، تجھ میں سب طرح کا عیب ہے، حشری، کمری، کہنہ لنگ، شب کور، ستارہ چشم، ایسے جانوروں کو میں رانوں میں پیس کر مارتا ہوں!''

(جلد ششم)

فطرت

(برق فرنگی عیاری کرنے کے لئے ظاہر میں ساحروں سے مل جاتا ہے، اور کوتوال کو لے کے عمرو عیار کو گرفتار کرانے پہنچتا ہے)

برق فرنگی نے دیکھتے ہی ڈانٹا اور کہا: ''او ساربان زادے، منم برق فرنگی رفیق شہنشاہ شہاب گلگوں پوش! ارے ہم قوم کے انگریز ہیں، بڑے فتنہ انگیز ہیں۔ مل کر مارتے ہیں۔ اسی واسطے مدتوں تیرے پاس رہے، اب قابو پایا۔''

(جلد ششم)

دارالاسلام

(صاحب قران کے لشکر کو جادوگروں نے بری طرح گھیر لیا ہے۔ شکست یقینی نظر آرہی ہے۔ عیار مستورات کو روانہ کر رہے ہیں)

بادشاہ سے بڑھ کر عیاروں نے عرض کی: ''ناموس کو غلام روانہ کر چکے۔''

بادشاہ نے خوش ہو کے فرمایا ''یہ بڑا کام کیا۔ ہمارا گرفتار ہونا یا مارا جانا کچھ عجب نہیں ہے۔ ناموس کو نکل جانا چاہئے۔''

عیاروں نے عرض کی: ''ہم نے نگہبانوں سے کہہ دیا اگر سن لینا کہ ہم لوگوں کو شکست ہوئی، یا طرف خانہ کعبہ کے یا طرف ہندوستان یا طرف ذوالامان کے لے جانا۔''

(بقیہ طلسم ہوش ربا - جلد دوم)

چھٹکی

ایک دختر نیک اختر...... پانچ سو کنیزاں مہ جمال اور انیسان مہر تمثال کے بیچ میں جیسے جواہر معدن میں یا نور کے ہالے میں قمر ہوتا ہے، قریب آئی۔ کوئی پانچ برس کا سن رکھتی ہوگی، مگر حسن متاع خوبی و گوہر گنجینہ حسن و محبوبی تھی۔ گھیتلا جوتا پہنے، گلے میں کرتا آب رواں کا، پائجامے کے پائنچے چھوڑے، رومال ناک پونچھنے کا کرتے کے بند سے بندھا، بالوں کی مینڈھیاں گندھیں، ناک میں بلاق پڑا، آنکھوں میں کاجل گہرا گہرا لگا، گالوں تک بہا ہوا، ایک موتی کی نتھنی پہنے، امی جان، امی جان پکارتی ہوئی...... آئی۔

(جلد دوم)

روکھی سوکھی

(۱)

دور تک قناتیں کھنچی ہیں، دیگیں کولوں پر چڑھی ہیں، باورچی صافیاں ہاتھوں میں لپیٹے دیگوں کا نمک ڈوے سے نکال کر چکھ رہے ہیں۔ ایک طرف تخت بچھے ہیں۔ اس پر ترکاری چھل رہی ہے۔ صافیوں کو پکڑے چاولوں کو پسیو دیتے ہیں۔ پلاؤ کی بعض دیگیں دم پر لگی ہیں، کھیر گھٹ رہی ہے۔ گرم مصالحہ پستا ہے، ہاون دستے میں ہلدی وغیرہ کٹ رہی ہے۔ دہی پتیلیوں میں رکھا ہے۔ ایک طرف اسی حصار میں ایک خیمہ چھوٹا سا استادہ ہے۔ وہاں فرش بچھا ہے۔ درخیمہ پر کرسی بچھی ہے۔ داروغۂ باورچی خانہ بیٹھا ہے۔ سامنے اس کے پڑیاں لونگ والائچی، زعفران، مشک وغیرہ کی بانگی کے لئے رکھی ہیں۔ خوان ایک طرف چنے ہیں، ظروف طلائی، نقرئی، مٹی چینی وغیرہ کے دھوئے جاتے ہیں۔ طاس بڑے بڑے اور لگن پانی سے لب ریز رکھے ہیں۔

(جلد چہارم)

(۲)

جب دو پہر رات کے قریب زمانہ گزرا، ملکہ برّان نے خوان پر الوان نعمتہائے گونا گوں سے مملوکہ روانہ کیے، اس تجمل سے کہ روشن چوکی آگے بجتی، سقے چھڑکاؤ کرتے کہ گردوغبار کھانے پر نہ پڑے، تورے پوش کشتیوں پر پڑے، کفنے خوانوں پر کسے، بیادل چوبدار آگے آگے اہتمام کرتے کہ نظر بد طعام محفوظ رہے۔ ملکہ کی مہر ہر خوان پر لگی ہوئی، آب خاصے کی ہر ایک صراحی برف کی جھلی۔ اسی اہتمام وانتظام سے بکاول ساتھ، بھنگوں پر منقلہائے آتشیں لدی، پتیلیاں دم پر لگائے، جواہر کے ظروف بار کرا کے باغ میں لائے۔ دسترخوان دیبائے رومی کا گسترده کیا، میرزان (وزیر) نے دست بستہ ہوکر خواجہ کو لاکر بٹھایا۔ عرض کیا کہ ”ملکہ نے کہا ہے، یہ کھانا گو آپ کے لائق نہیں، اور کچھ تکلف بھی نہیں کیا گیا، چچپۂ آش تیار تھا، وہی نان خشک کے ہمراہ بھیجا ہے۔ اگر نوازش کیجیے گا، باعث میرے فخر کا ہوگا۔ اور آج تو تنہا نوش فرمائیے۔ کل اس میز بان غریب سے جو نان جویں ممکن ہوگی، قبول کیجیے گا، آپ کو قسم ہے خدا کی کچھ تکلف کو راہ نہ دیجیے گا۔“

عمرو نے کہا کہ ”مجھ کو بناتی ہیں! میں بے چارہ مرد غریب اس لائق کب ہوں۔ یہ سب ان کی مسافرنوازی ہے:

از جرعۂ تو خاک زمیں قدر لعل یافت
بیچارہ ما کہ پیش تو از خاک کمتریم

بلکہ میری طرف سے عرض کر دینا کہ بموجب:

باز آئے ساقیا کہ ہوا خواہ خدمتم
مشتاق بندگی و دعا گوئے دولتم
من کز وطن سفر نہ گزیدم بعمر خویش
در عشق دیدن تو ہوا خواہ خویتم“

حاصل مرام، بعد سفرہ گستری طعام لذیذ وخوشگوار چنا گیا ہے۔ وزیر نے آفتابہ اٹھا کر طشت زریں وابریق جواہریں سے ہاتھ دھلایا، آپ سر پر مروجہ جنبانی کرنے لگا۔ اور خواجہ نے خاصہ نوش فرمایا۔ بکاول اور داروغہ باورچی خانے کو بعد کھانا کھانے کے کئی ہزار

روپیہ زنبیل سے نکال کر انعام دیا۔

(۳)

وزیر نے دست بستہ عرض کیا کہ خاصہ تیار ہے۔ حکم ہوا کہ لاؤ۔ اول کنیزاں مہر دیدار سرود لے کر روانہ ہوئیں، اور مطبخ خانے سے خان کسوا کر مُہر سے وزیر داروغہ کے جب خاصہ چلا، سرود بجنے لگا۔ اور تعریف ملکہ میں گانا شروع ہوا۔ مروجہ جذباتی ہر خوان پر ہونے لگی کہ پشہ و مگس سے محفوظ رہے۔ غرضکہ بڑے تجمل سے کھانا آیا، اور دسترخوان دیبا و اطلس کا بچھا، پھر اغذیہ لطیف و گوناگوں کو مہر توڑ کر نکالا۔ پہلے نمک چشی کے کئی خوان سب کھانے سے نکالے۔ اور دسترخوان چنا گیا۔ پھر ہاتھ دھلوا کر خواجہ اور ملکہ نے کھانا تناول فرمایا۔
(جلد دوم)

پردے میں زردے

شہزادہ قاسم کنارے نہر کے بیٹھا تھا، دنیا و مافیہ سب فراموش، سیر طلسم میں بیہوش تھا کہ اور نیا ماجرا نظر آیا۔ دیوانہ بننے کا زیادہ سامان پایا، یعنی اس نہر میں پشت قلعہ کی طرف سے ایک مور پنکھی بہتی نظر آئی۔ کئی سو قندیل اس پر روشن بہزاراں جوبن تھی، گل رخوں کے مجمع سے وہ حور پنکھی رشک گلشن تھی۔ جل ترنگ اس پر بجتی تھی۔ مور پنکھی کے مور منہ میں موتیوں کے ہار لئے تھے۔ مسند زرنگار اندر اس کے بچھی تھی۔ جب وہ کشتی طاؤس پیکر کے قریب آئی...... ایک نازنین کم سن مسند پر جلوہ گر پائی...... کئی سو کنیز گرد اس کے حلقہ فگن اور بیچ میں وہ گل بدن...... عجب اس کی زیبا طلعت تھی...... چہرہ روشن جو کبھی بے نقاب ہو تو آفتاب کی آنکھ جھپک جائے، ایسا اس کو حجاب ہو۔ سر پر تعویذ مرصع کار لگا تھا، چاند سورج اس میں بنے تھے...... گات اس کی گول، ابھری ابھری، سخت، نکیلی چھاتیاں، پردے پردے میں دل چرا لے جاتیاں......

شہزادہ اس یم خوبی کو دیکھ کر آئینہ نمط حیران ہوا، اور دل مضطر پر قابو نہ رہا...... بیتاب ہو کر پکارا:

''قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کہ تم مرے لئے ہوتے''

اس قلزم حسن نے جو صدا اپنے عاشق مضطر کی سنی، نظر الفت اس کے چہرۂ پریشان پر کی...... وہ گوہر محیط حسن اس صورت زیبا کو دیکھ کر غش کر گئی......

ایک بڑھیا، ابلیس کی نانی، تلبیس میں آفت زمانہ، ساحرہ مکارہ، اسی نازنین کی دایہ پاس بیٹھی تھی۔ نیلا قصابہ سر پر باندھے تھی۔ اس نے گلاب منہ پر چھڑکا کہ وہ گل بدن ہوشیار ہوئی، اس ضعیفہ نے مورپنکھی جلد کنارے پر پہنچائی، اور شہزادے سے آنکھ ملا کر گویا ہوئی کہ ''اے شہزادے، اگر آپ مشتاق ملاقات بلکہ خوش صفات ہیں تو یہاں تشریف لایئے۔ سیر دریا فرمایئے۔ باتیں کیجئے، اپنی کہیے اور کی سنئے، پھر چلے جایئے گا۔''......

شہزادے نے جست کر کے اپنے تئیں کشتی پر پہنچایا، اور پاس اس بحر خوبی کے آکر مسند پر پہلو میں بیٹھا۔ دل مضطر کو قرار آیا۔ وہ مورپنکھی اس گوہر خوبی کو پاکر مثل بادصرصر کے سن سن روانہ ہوئی...... یہاں تک کہ بیچ دریا میں پہنچ کر مورپنکھی نے چکر کھایا۔ قاسم ایسا محو نظارۂ جمال یار تھا کہ کچھ دھیان نہ آیا۔ وہ مورپنکھی چکر کھا کر دریا میں آخر بیٹھ گئی۔

(یہ شہزادی بنفشہ جادو ہے۔ اس کی دایہ بادشاہ طلسم کی طرف سے اس کام پر مامور ہے کہ جو کوئی دریا پر آئے اسے ملکہ کے حسن و جمال پر لبھائے اور گرفتار کر کے لے آئے۔ چنانچہ وہ قاسم کو قید کر کے اطلاع دینے جاتی ہے۔ بنفشہ قاسم پر عاشق ہو چکی ہے۔ وہ اپنی کنیزوں کی مدد سے اسے چھڑا لاتی ہے، اور دونوں رنگ رلیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دایہ واپس آکے یہ ماجرا دیکھتی ہے تو فوراً جا کے شہزادی کے باپ گوہر شاہ سے شکایت کرتی ہے)

ملکہ و شہزادہ اسی طرح سرگرم سخن تھے کہ یکا یک ایک آواز مہیب آئی، اور ہر سمت تاریکی چھائی۔ ملکہ گھبرا کر پکاری کہ ''خداوند، خیر کرنا۔'' شہزادہ قاسم گھبرا کر دست بقبضہ ہوا اور اٹھا تھا کہ زمیں تھرائی، زلزلہ آیا، پھسل کر گرا، بے ہوش ہو گیا، اور یہی کیفیت بنفشہ جادو اور تمام کنیزوں کی ہوئی۔ جب یہ سب بے ہوش ہو گئے، ملک گوہر شاہ اور دایہ روئے ہوا سے نیچے اترے، اور شاہ نے دایہ سے کہا کہ ''ان دونوں مجرموں کو تخت سحر پر بٹھا کر بارگاہ میں لا کر سر ان کے جدا کر کے وصال روحانی سے دونوں کو شاد کرو۔''

یہ حکم دے کر آپ جانب دربار روانہ ہوا۔ دایہ نے زنجیر ہائے سحر سے گرفتاران

سلسلۂ عشق کو باندھا، اور سحر پڑھ کر کنیزوں کو ہوشیار کر دیا، ان دونوں کو تخت سحر پر ڈال کر لے چلی۔ کنیزوں نے جو یہ ماجرا دیکھا، سر اور سینہ پیٹنے لگیں، اور دائی کو برا بھلا کہتی تھیں اور عازم ہوئیں کہ سحر سے لڑ کر دایہ کو قتل کر دیں اور ملکہ کو چھین لیں۔ لیکن خوف شاہ طلسم ایسا غالب تھا کہ جسارت نہ کر سکیں، اور بکتی جھکتی ملکہ کی ماں پاس چلیں۔ راہ میں باہم کہتی جاتی تھیں کہ ''لوگو، یہ نگوڑی دائی کیا ہاتھ دھو کر ہماری ملکہ کے پیچھے پڑ گئی۔ خدا کی مار اس کی صورت کو، سات اتوار آٹھوں منگل کی جھاڑ و اس کو، ڈھائی گھڑی کی موت آئے۔ بی، اس دائی کو دودھ پلانے کی بھی کچھ محبت نہیں؟ دائی کاہے کو ہے، قصائی ہے۔ ہے ہے بوا، میرا پلایا تھا، پھر میں اپنی جاں نثار کرتی تھی۔''

ایک ان میں سے بولی کہ ''تمہارا تو پلایا تھا، میں نے تو فقط مرزا کے لڑکے کو منہ سے بیٹا ہی کہا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ بغیر دیکھے اس کے قرار نہیں آتا۔''

اسی طرح کی باتیں یہ کنیزیں باہم بناتی بہت جلد محل میں آئیں، یہاں ہزار کنیزیں اور ماما اصیل، مغلانی، پیش خدمت حاضر تھیں...... ان عورتوں کو روتے ہوئے دیکھ کر سب عورت پوچھنے لگیں کہ ''ارے، کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟''

انہوں نے کہا: ''اے بی بی، دائی نافرمان کی جان کو روتے ہیں۔ جلد ملکہ کی امی جان کو بتاؤ، ارے لوگو، بڑی حضور کہاں ہیں؟ ان سے کہو کہ چھوٹی حضور کو یہ موئی اناپکڑے لئے جاتی ہے۔''

یہ سننا تھا کہ سب انیسیں، مصاحبیں دوڑیں، بارہ دری میں ملکہ ماہ پیکر پری تمثال جادو بیٹھی ہوئی چوسر کھیل رہی تھی کہ ان سب نے کہا: ''حضور، صاحب زادی کے نوکر آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کے دشمن، کہنے والی بندی قید ہوگئی۔''

یہ سنتے ہی بڑی حضور کے بھی چھکے چھوٹے۔ چوسر الٹ کر بارہ دری کے باہر آئی۔ بنفشہ کی کنیزیں سب دوڑ دوڑ کے قدموں پر گریں، اور چیخ مار کر روئیں اور سب حال بیان کر کے کہا: ''اے بیوی، ملکہ فقط اتنی گنہگار ہیں کہ اس مردوئے کو دائی کے گھر سے جا کے لے آئیں، سو وہ بھی اس واسطے کہ اس کو قبریں قتل ہوؤں کی دکھائیں تاکہ وہ عبرت پذیر ہو۔ اس جرم پر اس قطامہ دائی نے نہیں معلوم کیا کیا ان کے باپ سے جا کے لگایا کہ بادشاہ خود تشریف لائے اور ملکہ کو اب دائی پکڑے لئے جاتی ہے۔''

ان باتوں کو جو ماہ پیکر نے سنا، فوراً اپنے یہاں کے خدمت گار، چوبدار، خواجہ سرا،

اور عملے کے سرداروں کو حکم دیا کہ" جاؤ، اور دائی کے جوتیاں مار کے میری بچی کو چھین لاؤ۔ اگر وہ قحبہ دائی دربار شاہی میں پہنچ گئی ہو تو اندر دارالامارت کے گھس کر چھین لانا، کچھ بادشاہ کا خوف ولحاظ نہ کرنا۔ اس بھڑوے کو تو سودا ہو گیا ہے۔ پہلے تو امان نافرمان سے کہا کہ لڑکی کو مردوں کے رجھانے کے لئے لے جایا کرے، اب بڑی غیرت موئے کو آئی! اے، کوری پیٹھ پچھنے لگے۔ میں سچ کہوں، میری بچی ہر بار مرد کو دیکھتی ہے اور ترس کر رہ جاتی ہے۔ آخر، لوگو، وہ بھی جوان ہے۔ اس کے بھی جی ہے کہ نہیں؟"

یہ بات سن کر کنیزوں اور محل کی عورتوں نے تائید کلام کی کہ" اے ملکہ، آپ سچ فرماتی ہیں۔ جس بات کا خیال نہ کرو تو برسوں نہ کرو، اور جو ہر بار اس کا سامنا ہو تو، حضور، خطا معاف، بڑی بڑی پارساؤں سے نہیں رہا جاتا ہے۔"

ایک ان میں سے بولی کہ" اے بیوی، ہماری صاحب زادی کو تو سیدھی بات نہ کرنا آتی تھی، اب تک روکر، نام خدا سے، روٹی مانگتی ہیں۔ اسی دائی مال زادی نے دریا پہ لے جا جا کے دیدہ دلیر بنایا۔ وہ تو ملکہ ہی سی نیک کوکھ کی بیٹی تھیں جو دبی دبائی رہیں۔ ابھی دوسری ہوتی تو آسمان میں تھگلی لگاتی۔"

غرضکہ یہاں تو عورتیں غوغا کر رہی ہیں، ادھر کوئی سو ملازم بڑی ملکہ کے جو دوڑے، دائی راستے ہی میں تھی کہ یہ جا پہنچے، اور پکارے،" رہ تو جا، او غیبانی، مارے جوتیوں کے جو تجھ کو فرش نہ کیا تو کچھ کام ہی نہ کیا۔"

دائی یہ کلام سن کر گھبرائی، اور اس نے پہچانا کہ یہ سب ملازم ملکہ کی ماں کے ہیں، ملکہ کو لینے آئے ہیں، اگر تو نے ذرا بھی انکار دینے سے کیا تو یہ بہت بری گت بنا دیں گے، خیر پھر تجھے کیا مطلب ہے جو اپنی آبرو گنوائے اور نوکروں کی مار کھائے۔ یہ معلوم کر کے گویا ہوئی، کہ" صاحبو، میں تو آپ ہی ملکہ کو ان کی ماں کے پاس لائی تھی۔ میرا کیا قصور ہے؟ تم صاحبزادی کو لے جاؤ۔ بھلا میں ان کے دشمنوں کو رنج پہنچاؤں گی؟ مجھ سے کب ہوگا کہ کوئی ان کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے!"

جب ان نوکروں نے یہ باتیں عذر آمیز سنیں، ملکہ کو اس سے لے کر تخت سحر پر بٹھا کر محل کی طرف لے گئے، اور دائی شہزادہ قاسم کو لے کر جانب دربار بادشاہ گئی۔ ملازماں مادر ملکہ نے ملکہ کو محل میں لا کر پہنچایا، اور سحر اس پر سے برطرف کیا اور اس کو ہوش آیا۔ اپنے

تئیں محل میں اپنی ماں کے پایا، اور ماں کو سامنے دیکھا۔ فراق یار سے دم گھٹنے لگا، لیکن ضبط کر کے ماں کو سلام کیا، اور دل تو بھرا تھا ہی، بدنام ہونے کا حیلہ کر کے رونے لگی۔

ماں نے اٹھ کر براہ چشم نمائی اور تنبیہ دو طمانچے مارے، اور کہا ''او مردار، بڑا غضب کیا تو نے کہ حرمت مٹا دی۔ غیر مرد کو پہلو میں لے کر بیٹھی۔''

ملکہ یہ باتیں سن کر ایسا روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔ اس وقت ماں نے اٹھ کر گلے سے لگایا، پیار کیا، ملکہ نے کہا: ''آپ نے بھی بے تحقیق کیے، امی جان، مجھ کو الزام دیا۔ آپ دریافت کر لیجئے جو کوئی بے حرمتی ہوئی ہو۔ میں نے تو ترس کھا کر اس قیدی کو اپنے باغ میں بلایا تھا۔ دایہ اماں نے مجھ پر یہ غضب ڈھایا کہ چھنال بنا لیا۔''

اس وقت سب محل والیاں صدقے قربان ملکہ پر سے ہوتی تھیں۔ اور کہتی تھیں۔ ''ہے ہے، ہماری صاحب زادی کا لہو پانی مردار دائی نے ایک کر دیا۔ اے لوگو، ابھی یہ سن یاری آشنائی کرنے کے قابل ہے؟ ابھی چھوٹی حضور ہیں کیا؟ میں ایڑی دیکھ کے کہتی ہوں اس سال سے تو ذرا اتنا بھی ہوئی ہیں کہ جوان معلوم دیتی ہے، کیوں، بڑی کھلائی، ابھی ان کو میٹھا برس کہاں لگا ہے؟''

بڑی کھلائی نے کچھ پوروں پر انگلیوں سے حساب کر کے کہا: ''اس مہینے کی پندرہویں کو، میرے منہ میں خاک، ہونستی نہیں ہوں، تیرہواں برس بھر کے چودھواں شروع ہوا ہے۔''

یہ سن کر ایک مغلانی نے ماتھا کوٹ لیا۔ حیرت زدہ ہو کر کہا: ''اوئی بیوی، یہ اتنی سی چھوکری کو دائی نے چھنالا لگایا۔ لوگو میرے تو سن کے حواس جاتے رہے۔''

حاصل الامر ماں نے بیٹی کا منہ ہاتھ دھلوایا، کچھ کھانا کھلایا۔ اس کو یاد شہزادۂ نامدار تھی، کھانے سے طبیعت کو نفرت، دل میں محبت یار تھی۔ روتی رہی، کچھ کھا لیا اور منہ لپیٹ کے چھپر کھٹ پر پڑ رہی۔

ماں نے کہا: ''دیکھو، صاحبو، میری بچی کو بخار چڑھ آیا ہے۔ اگر اس کا ایک بال بھی بیکا ہو گا تو میں آگ لگا کے اس گھر کو نکل جاؤں گی۔ کیسی سلطنت؟ میں خاک میں ملاؤں ایسی حکومت کو جہاں میری بچی بھی کڑھے۔ اس وادی کو وہاں صدقے اتاروں جہاں ملکہ کی دائی نے ہاتھ دھوئے ہوں۔''

سب انیسیں یہ سن کر بسورنے لگیں، اور پلنگ کے پاس جا کر ملکہ کے پنڈے کو دیکھتی تھیں اور سرد آہیں بھرتی تھیں۔

(ادھر دایہ شہزادے کو لے کر گوہر شاہ کے دربار میں پہنچتی ہے)

بادشاہ نے دایہ سے فرمایا کہ "تو اس گیسو بریدہ و شوخ دیدہ کو گرفتار کر کے کیوں نہ لائی؟"

اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: "میں لاتی تھی، آپ کی بیوی کے ملازم آ کے مجھ سے چھین لے گئے۔"

یہ سنتے ہی بادشاہ اٹھا، اور اندر محل کے چلا۔ نواب ناظر اور خواجہ سراؤں نے دوڑ کر خبر تشریف آوری بادشاہ بانوئے شاہ کو پہنچائی۔ اس نے سب اپنی کنیزوں، انیسوں وغیرہ کر بلا کر ایک جا استادہ کیا، اور فرمایا کہ "تم سب آگاہ ہو کہ اس وقت بادشاہ اس دایہ قحبہ کی لگائی بجھائی سے یہاں آتے ہیں، اور میری لڑکی کو پکڑ لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور وہ نگوڑی ابھی روتے روتے ذرا سوئی ہے۔ تم سب کو میری جان کی قسم، بادشاہ ہوں سے توں کرے تو سب ان کے لپٹ جانا اور خوب مارنا۔ اگر تم نے کچھ اس کام میں قصور کیا تو میں ابھی سر پیٹتی سر بصحرا نکل جاؤں گی۔"

کنیزوں نے عرض کیا: "ہم سب آپ کے تابع ہیں اگر آپ خداوند سامری و جمشید سے لڑنے کو کہیں تو ہم ان سے بھی لڑیں۔"

یہ عرض کر کے وہ سب آمادہ جنگ ہوئیں، اور لاٹھی، پتھر وغیرہ بعض نے لئے، اور بعض نے دست پناہ، پھکنی، پرانی ہانڈی، جلتی ہوئی لکڑی، سوختے وغیرہ سنبھالے، اور زوجہ بادشاہ بیچ صحن میں فرش خاک پر پاؤں پھیلا کر، پائنچے چڑھا کر، بال سر کے پریشان کر کے بیٹھی، اور سب عورتیں گاتیاں باندھ کر پائچوں میں گرہ دے کر ملکہ کے گرد کھڑی ہوئیں۔ اس عرصے میں بادشاہ داخل شبستاں ہوا۔ کنیزوں نے تسلیم نہ کی۔ بادشاہ یہ حال محل کا دیکھ کر پریشان ہوا۔ بی بی کو اپنی زمیں پر بیٹھے دیکھ کر دل سے کہتا تھا کہ یہ کون سی آفت گھر میں آئی۔ غرض زوجہ کے قریب آ کر بیٹھ گیا، اور گویا ہوا کہ "صاحب، کچھ تم نے اپنی بیٹی کا بھی کرتوت سنا؟ اور یہ حال یوں تم نے ابتر کیا ہے، شاید اس خیال سے کہ میں بیٹی کے عوض تم کو کچھ کہوں، تو ایسا نہیں ہے۔ تم اس گیسو بریدہ کو میرے حوالے کر دو۔ تم سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔"

یہ کلام سن کر ملکہ نے جواب دیا کہ "بیٹھ ادھر، موئے بوبک۔ تجھ کو صدقے اتاروں اپنی بچی پر سے کہ تو نے اس قحبہ کے کہنے سے میری لڑکی کو مارا تارا۔ اور ابھی تک بھڑوے تجھ کو چین نہیں!"

بادشاہ نے یہ جواب نامعقول جو سنا، فرطِ غضب سے آگ ہو گیا، اور پکارا کہ "مال زادی، کچھ تیری قضا تو نہیں آئی ہے؟"

ملکہ نے یہ سن کر دو ہتڑ زمین پر مارا کہ "ارے، تجھ مال زادی کہنے والے کو خاک میں ملاؤں، گہری گور میں توپوں، تجھ کو ہے ہے کروں، تیرا حلوہ پکاؤں! لو، مونڈی کاٹے نے مجھ کو بے وارثی سمجھا ہے۔ اپنی حکومت پر دھمکاتا ہے۔ ابھی طلسم ہوش ربا آباد ہے۔ میرے ماں باپ بھی جیتے ہیں۔ شاہ افراسیاب کو سامری سلامت رکھیں، وہ شاہ تو میرا حال سن کے ان کے چھلی ٹھوک دے گا۔ یہ جاننا کہ میں ایسی ویسی ہوں، میں بھی ملک احمر سبز پوش کی بیٹی ہوں جو بھائی ہے ملک اخضر سبز پوش کا، اور ملک اخضر باپ ہے ملکہ لعل سخن داں کا جو شہنشاہ افراسیاب کی منگیتر ہے۔ میرے چچا نے حیرت کو گھر میں ڈال لینے سے آج تک بادشاہ کے ساتھ شادی نہیں کی۔"

ملک گوہر شاہ نے یہ باتیں جو بی بی سے سنیں، غصے میں تو بھرا تھا ہی، ایک طمانچہ اس کے رخسار پر لگایا: "غیبانی ٹرائے جاتی ہے! کیا کرے گا وہ افراسیاب میرا؟"

بس طمانچے کا مارنا تھا کہ آفت آ گئی۔ بی بی نے اور زیادہ پیٹنا شروع کیا: "ہے ہے، وہ بندی رانڈ ہو گئی! گوہر مر گیا، اس کی لاش نکلی!"

ادھر تو بی بی پیٹنے لگی، ادھر کنیزیں وغیرہ محل کی سب عورتیں دوڑیں اور کہتی تھیں، "واہ واہ میاں، تم نے تو ماں باپ کی بیٹی نہ بنایا، کوئی لونڈی بنائی کہ جب پایا دھن کٹی کر لیا۔"

ایک بولی: "موئے کے ہاتھ ٹوٹیں گے، جیسا پٹ سے ہماری بی بی کو مار بیٹھا۔"

دوسری نے کہا کہ "اسی طرح سامری کرے اس کی بھی ٹنڈیاں کسی جائیں۔"

تیسری نے کہا: "نا صاحب، ہماری بی بی کا ایسے جلاد موئے قصائی کے یہاں گذر کہاں؟ آگ لگا کے نکل بھی جائیں۔"

پھر ایک اور ان میں سے بولی کہ "ہاں بی، سچ تو ہے، جس شہزادی کے کبھی ماں باپ نے پھول کی چھڑی نہ چھوائی ہو اس پر یہ مار پڑے۔ یہ تو کہو ملکہ ہی ایسی نیک ساعت کی پیدا اور نیک کوکھ کی جنی تھیں جو اتنے دن ایسے ظلمی سے نباہ بھی کر گئیں۔"

دوسری نے جواب دیا کہ "پھر آخر کہاں تک کلیجے پر پتھر رکھ لیں، اور چپ بیٹھی رہیں؟ وہ بھی آدمی ہی ہیں، نہ رہا گیا، بول اٹھیں پھر بولیں تو آفت آئی۔"

بادشاہ نے چار طرف سے جو یہ کائیں کائیں سنی، ہر ایک کو گھڑکا کہ ''چپ رہو، مال زادیو، یہ کیا غوغا مچا رکھا ہے؟''

عورتیں نے کہا: ''لو ایک تو چوری، دوسرے سینہ زوری۔ عذر کرنے سے گئے اور الٹے آنکھیں نکالنے لگے! تو یہاں کوئی دبنے والا نہیں۔ جب سے ہماری ملکہ کو مارا ہے ہماری آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔ جی میں آتا ہے کہ چھاتی پر چڑھ کے ڈھائی چلو لہو پی جائیں۔''

بادشاہ یہ سن کر ان سب کو مارنے چلا۔ وہاں تو صلاح ہو کر جنگ پر سب آمادہ ہو رہی تھیں۔ بادشاہ کے بڑھتے ہی چار سمت سے عورتیں ٹوٹ پڑیں، اور لاٹھی، پتھر، پھکنیاں، دیپنے پڑنے لگے۔ اور چونکہ یہ سب عورتیں ملکہ مذکور کے میکے کی ہیں، اور شاہ افراسیاب سے تعلق رکھتی ہیں، ان کو بڑا غرور ہے، کچھ خوف اس بادشاہ کی حکومت کا ان کو نہیں۔ بے محابا بادشاہ پر حملہ آور ہوئیں۔ اب تو ''ہائیں ہائیں! لگے، لگے! مار موئے کو، لینا، گھیرنا!'' کی صدا بلند ہوئی۔ اور تڑاتڑ، چٹاق پٹاق، دھوں دھوں، ''کیوں اور؟'' کی آواز آنے لگی، بادشاہ از بس کہ مرد میدان نبرد تھا، ان کے حملے کو روکنے قریب تر پہنچا، اور دو تین کو لات سے، تین چار کو ہاتھ سے دھکا دے کر گرا دیتا اور کہنیاں مارتا۔ اس وقت ایک لونڈی کہ ٹھگنے قد کی، گول بدن، سیاہ رنگ، سیاہی کی گانٹھ بنی ہوئی، کڑوا تیل سر میں ڈالے، ڈوپٹے کی گاتی باندھے تھی، اس نے جھک کر ٹانگوں میں بادشاہ کے اپنے تئیں پہنچایا، اور انثیین دونوں ہاتھ سے مضبوط تھامے۔ بادشاہ پکارا: ''اری مال زادی، یہ کیا کرتی ہے؟ اری چھوڑ، او قحبہ، میری جان گئی۔'' ادھر تو وہ کنیز پکڑ کر لوٹ گئی، ادھر بادشاہ گر کر تڑپنے لگا، اور اوپر سے عورتوں نے بری گت بنا دی۔ تاج کہیں گرا، قبائے فرماں روائی ٹکڑے ٹکڑے ہوئی۔ کسی عورت نے منہ میں توے کی سیاہی بھر دی، کسی نے جوتیوں کا ہار بنا کر گلے میں پہنا دیا، کسی نے ہانڈی کا گھیرا گلے میں ڈالا، کسی نے داڑھی نوچ لی اور خوب مارا۔ جب دیکھا کہ بادشاہ کی جان پر بن گئی ہے، اس وقت ملکہ نے اس کنیز سے کہا کہ انثیین چھوڑ دے۔ اس نے چھوڑ دیئے۔ سب عورتیں سامنے سے بھاگ گئیں۔

بادشاہ بھی جان چھڑا کے اٹھ بھاگا، اور اسی حال سے باہر دارالامارت کے جو آیا، سب اہل دربار ہنسنے لگے، اور بعض مقربین نے دست بستہ استفسار حال کیا۔

اس نے جھلا کر کہا: ''کیا بیان کروں؟ میں نے بارہا کہا ہے کہ بیگم کا مزاج بہت

برا ہے، ان کا غصہ، سامری کی پناہ! نہ کچھ سمجھتی ہیں نہ بوجھتی ہیں، بوچھاڑ کرنے لگتی ہیں۔''

یہ کلام سن کر ایک درباری لطیفہ گو نے چپکے سے دوسرے سے کہا: ''آج ساری حکومت اس میں مل گئی۔''

یہ تو براہ ادب چپکے چپکے باتیں کرنے لگے، اور بادشاہ نے ہاتھ منہ دھو کر لباس تبدیل کیا۔

(بادشاہ غصے کے مارے شہزادہ قاسم کے قتل کا حکم دیتا ہے، اتنے میں اسکندر بن سامری آجاتا ہے۔ جسے یہاں کے لوگ خدا سمجھتے ہیں۔ اس کے کہنے سے قاسم کو قتل کرنے کی بجائے صحرائے طلسم میں پھینکوا دیا جاتا ہے اور بنفشہ کی خطا معاف ہو جاتی ہے)

بادشاہ نے بیٹی کو اپنے گلے سے لگایا، اور بہت کچھ نشیب و فراز عالم سمجھایا۔

بنفشہ نے رو کر کہا کہ ''اگر اجازت اپنے باغ میں رہنے کی نہ پاؤں گی، اسی طرح رو رو کر جان دوں گی۔ نہ پانی پیوں گی نہ کھانا کھاؤں گی۔''

خداوند نے یہ سن کر فرمایا کہ ''اے بادشاہ، باغ میں اس کو جانے کیوں نہیں دیتا؟ وہ مسلمان بیابان حیرت سے کیا نکل آئے گا؟''

بادشاہ نے جواب دیا کہ ''ممکن نہیں جو وہ زندہ رہے۔'' یہ کہہ کر بیٹی سے کہا: ''اچھا، اے فرزند، تم اپنے باغ میں جانا۔''

ملکہ یہ سن کر ہنسی، اور باپ کے گلے سے لپٹ گئی۔ آخر سب شاد و خرم ہوئے اور خداوند اٹھ کر محل سے اپنے گھر گئے۔ بادشاہ داخل دارالامارت ہوا۔ ملکہ بنفشہ نے اپنی ماں کی بلائیں لیں، اور کہا: ''میری اچھی امی جان، مجھ کو باغ میں جانے دیجئے۔''

ماں نے کہا: ''اچھا جاؤ۔ گل و غنچہ سے اپنا دل بہلاؤ۔ لیکن اب کوئی ایسا امر نہ کرنا جس میں مجھ کو بولنا پڑے، اور تم بھی بدنام ہو۔''

اس نے کہا: ''جی نہیں، اب ایسا نہ ہوگا۔''

(مگر وعدے کے برخلاف وہ شہزادے کو بیابان سے اٹھوا منگواتی ہے اور باغ سے بھاگ نکلتی ہے۔ لیکن بادشاہ کا ایک ملازم دونوں کو گرفتار کر کے پھر بادشاہ کے پاس لے آتا ہے۔ انہیں قتل کرنے سے پہلے بادشاہ مشورے کے لئے خداوند اسکندر بن سامری کو بلاتا ہے)

اس عرصے میں خبر گرفتاری ملکہ محل میں بھی پہنچی، ملکہ کی انا، دائیاں، کھلائیاں، چھوچھو وغیرہ سر و سینہ پیٹنے لگیں۔ کوئی کہتی تھی: ''افسوس، میری گود کی پالی!'' کسی نے کہا ''ہے ہے،

بچی، تیری جوانی!'' کوئی پکاری: ''یا سامری، میری فریاد کو پہنچو، میری صاحبزادی پر سے یہ بلا دور کرو۔'' کسی نے کہا: ''ارے لوگو، میں کدھر جاؤں!'' ایک بولی ''میں اپنی پلائی کی الا بلا لے کر مر جاؤں۔''

یہ حالت مادر ملکہ نے جوان سب کی دیکھی، چادر سر سے پھینک، بال پریشان کر کے یہ کہتی ہوئی شبستان سے باہر چلی کہ ''میں ابھی اس گھر کو پھونکا دے کے سر بصحرا جاتی ہوں اپنی بچی کا مرنا آنکھ سے نہ دیکھوں گی۔''

جب بادشاہ بیگم اس ہیئت سے باہر چلی، سب عورتیں محل کی روتی پیٹتی ساتھ ہوئیں۔ کہرام پڑ گیا: ''ہائے یہ کیسا غضب ہے؟ اے صاحبو، یہ کیوں چھری بے گناہ پر پھیرتے ہو؟''

اسی طرح کے کلمات کہتی ہوئی جلو خانہ ایوان شاہی میں سب کی سب آئیں۔ خواجہ سراؤں نے دوڑ کر بادشاہ کو خبر دی کہ بیگم صاحبہ روتی ہوئی دربار میں آتی ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بادشاہ نے خداوند کی جانب دیکھا۔ اس مردود بارگاہ ایزدی نے حکم دیا کہ ''ملکہ کو مع اس کی کنیزوں کے قید سے رہا کر کے اس کی ماں کے پاس پہنچا دو۔ ہم اس کا ایسا علاج کر دیں گے کہ وہ نام بھی اس مسلمان کا اب نہ لے گی۔ اور اس گنہگار کو بھی فی الحال قتل کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ شہزادی اس کی عاشق ہے، وہ فرط غم سے ہلاک ہو جائے گی۔ جب میں اس کا علاج کر دوں اس وقت اس کو قتل کرنا۔''

(ملکہ قید سے چھوٹ کے آتی ہے اور ماں سے لپٹ کے رونے لگتی ہے)

ماں نے کہا: ''اری چھوکری، تیرے غم نے مجھ کو جیتے جی مارا ہے۔ تو نے خوب پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں۔ شاباش بچی، کیا کہنا! خوب باوا کا نام روشن کیا، اور اماں نگوڑی کا سر مونڈا۔ اری میرے یہاں کی لونڈیاں بھی نہیں بھاگیں اور چھنالیں مشہور نہیں ہوئیں، نہ کہ بیبیاں۔ خیر، شکر ہے سامری کا، یہ بھی نصیبوں ہمارے کا لکھا تھا!''

یہ کہتی ہوئی بیٹی کو لے کر اپنی جگہ پر آئی۔ اور باآسائش رہنے کو جگہ دی۔ ادھر شہزادے کو ساحروں نے لے جا کر ایک زندان تنگ و تاریک میں قید کر دیا...... شہزادہ یاد میں ملکہ کی بے قراریاں کرتا، کبھی درگاہ خدا میں اپنے چھوٹنے کے لئے گریہ زاریاں کرتا۔ ادھر ملکہ دل ہی دل میں اس گرفتار زنجیر ستم کا غم کرتی، ارمانوں کا اپنے دل میں ماتم کرتی۔

(جب قاسم دریا میں غائب ہو گیا تھا تو سیارہ بن عمرو عیار اس کی تلاش میں نکلا تھا۔
اب وہ ایک بیابان میں پہنچا ہے)

زمین بھی تابش آفتاب سے سیاہ تھی...... غار ہر ایک تنور گرم تھا، پتھر حرارت سے موم کی طرح نرم تھا۔ ہوائے گرم کے جھونکے ہوائے خاطر مفلساں سے کہیں بڑھے چڑھے، دل و جگر جلاتے...... پانی نام کو نہیں...... سناٹے چٹیل میدان، انسان نہ حیوان، کف دست کی طرح منزلوں کا بیابان۔ بگولے اڑتے، درندے بھوکے پیاسے پھرتے، طائر ہوش سرگرم پرواز، ہر سمت سائیں سائیں کی آواز، تپش آفتاب سے تمام بیابان تپتا، ریت کا ہر ذرہ آفتاب سے ہمسری کرتا۔ کہیں کہیں جانور جو نظر آتا، لخلخاتا پانی کی تلاش میں پھڑپھڑاتا، زبان باہر نکالے تڑپتا۔ کسی جگہ جو ایک دو درخت تھے، جلے ہوئے سوکھے ڈنڈ کھڑے تھے، ان پر دو تین چیلیں پوٹے ٹیکے، آنکھیں بند کئے بیٹھی تھیں اور ہانپ رہی تھیں...... دل روزگار جلتا تھا، زمین کے قلب سے شعلہ نکلتا تھا۔ ٹھیک دوپہر کو تو وہ جنگل آگ کی ٹھیک بن جاتا، دانہ گرتا تو بھن جاتا......

جب دن ڈھلا...... اس میدان گرم سے یہ بھی نکل کر ایک ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں کچھ درخت سبز لگے تھے، گھاس بھی ہری تھی، چشمۂ آب بھی جاری تھا...... دیکھا دور تک درختان سرسبز کے ضرغے ہیں، ان کے نیچے ہزار در ہزار جانور چرتے پھرتے ہیں۔ نیل گائے، ہرن، پاڑھے وغیرہ بے شمار ہر سمت دوڑتے ہیں۔ لیکن طرفہ ماجرا ہے کہ وہ جانور کبھی کلیلیں کرتے ہیں اور خوش ہوتے، ہنستے ہیں، اور کبھی ایک مقام پر سب اکٹھا ہو کر شاخیں ایک دوسرے سے ملا کر اس طرح روتے ہیں کہ دل سنگ بھی ان کے رونے پر آب ہوتا ہے۔

(سیارہ اسے جادو کا کرشمہ سمجھ کر ہرن کا بھیس بدل لیتا ہے۔ اتنے میں ایک ساحر آ کے جانوروں کو کھانا دیتا ہے۔ جب وہ واپس ہوتا ہے تو سیارہ بھی پیچھے لگ لیتا ہے)

یہ جھاڑیوں میں چھپتا ہوا اس کے پیچھے رواں تھا، صحرا میں چاندنی کی کیفیت تھی۔ کوسوں تک چادر نور بچھی تھی، کوڑیالا کھلا تھا۔ سبز سبز گھاس پر شبنم پڑی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ دانہائے مروارید ریشم سبز میں پروئے ہیں۔ جانور آواز دے کے چپ ہو رہتے ہیں، تالاب اور جھیلیں برنگ آئینہ مصفا ہیں۔ بگلے ایک پاؤں سے بغلوں میں چونچ دابے کھڑے ہیں، مرغابیوں کے غول کے غول کنارے اور ٹاپوؤں پر بیٹھے ہیں۔ قرقرے ایک

جگہ پیروں میں سر ڈالے کھڑے ہیں۔ جنگل سے ایک آدھ ہرن بھی نکل آتا ہے۔ مینڈک جھیل چشمے میں ٹراتا ہے۔ جھینگر جھیں جھیں کرتے ہیں، ٹیٹری ٹراتی ہے......

آخر وہ جادوگر پَر پیدا کر کے اڑا، یہ عیار تھم گیا...... سیارہ...... ہرن کی کھال جسم پر سے اتار کر ساحر کی صورت بنا۔ پھر کچھ دور چل کر ایک درخت کے نیچے ٹھیرا...... اور باقی رات اسی مقام پر بسر کی۔

جب تارے ڈوب گئے، بڑے بڑے تارے نظر آنے لگے، ہوا سرد چلنے لگی۔ درختوں کی کھڑ کھڑاہٹ سے ہرنوں کی ڈاریں دامن کوہ اور بیڑ سے نکلیں۔ جا بجا سو سو پچاس پچاس کے غول پھرنے لگے۔ کسی طرف سے پاڑھے، کسی جانب سے نیل گائیں ظاہر ہوئیں، کچھار میں شیر ڈکارا، ہاتھی چنگھاڑا، درختوں پر مرغ جھنڈ کے جھنڈ بولنے لگے۔ دھنیر چہکارے، جھیلوں پر بگلوں نے پھریری لی۔ مچھلیاں دم مانے لگیں، مرغابیوں نے گردنیں بلند کیں، قرقروں نے پر جھاڑے، چڑیاں غول باندھ کر اڑیں۔ آفتاب بلند ہوا، درختوں کے پتے چمکنے لگے۔

(اتنے میں ایک ساحر کا ادھر گذر ہوا جس سے سیارہ کو اس طلسم کا حال معلوم ہوا، اور ساحر کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا)

عجب شہر عظیم الشان آباد دیکھا...... سڑکیں پختہ، ہموار بنیں...... رعایا وہاں کی جوان وحسین...... دکانیں اشیائے عمدہ سے مملو، دکان دالی ہر ایک خوب رو، ہر سمت مہ جبینوں کی طرح داری، ناز و غمزہ کی گرم بازاری، زلف کا سودا ارزاں، نظارہ اپنے اوپر نازاں، کہیں صرافہ کھلا، اس کے جواب میں دوسری طرف بزازہ...... یہ عیار سیر کرتا جب چوک میں آیا، یہاں ہر قسم کا اسباب عمدہ پایا۔ کہیں حلوائی کہیں نانبائی، کسی جانب کبڑنی، سنکرتی سرمایۂ حسن و ناز جمع کیے سب بیٹھے ہوئے۔ حلوائیوں کی مٹھائی پر شیریں کا سامان، جہان کی رال ٹپکتی۔ نان بائیوں کے کھانوں کو دیکھ کر نان ہوس سینون کے تنور میں پکتی، کبڑنوں کی ترکاریوں پر سبز رنگان عالم کا دل برنگ سبزہ پامال ہوتا، ہرا ہرا ساگ سبزہ خلد سے مقابلہ کرنے پر تیار تھا......

(ساحر نے سیارہ کو اپنے گھر ٹھیرایا، اور کھانے کے بعد قاسم کی قید کا پورا قصہ سنایا۔ اگلے دن خداوند کے دیدار کا میلہ ہوا۔ یہ دونوں بھی سیر کرنے چلے)

ایک میدان کوسوں تک کا نظر آیا کہ اس میں ہزار ہا درخت سایہ دار نہایت بلند لگے تھے، سایہ زمین پر چھایا تھا۔ اس سے آگے بڑھ کر ایک جھیل پانی سے بھری تھی، اس میدان میں خلقت کا جماؤ ہوتا جاتا تھا۔ دکان دار، حلوائی، بزاز، صراف، خوانچے والے، کھلونے والے آتے جاتے تھے۔ خیمے استادہ ہو رہے تھے۔ بازاریں آراستہ تھیں۔ سینکڑوں بارگاہیں مخملی اور باناتی نصب تھیں۔ چوبیں ان کی الماس نگار سب تھیں۔ کلس ان پر رنگ برنگ کے چڑھے تھے جو سونے چاندی کے تھے۔ ساحران نامی سرداران گرامی فوج فوج قشوں قشوں آتے جاتے تھے، بیلدار لگے تھے، چبوترے بنتے تھے۔ دکاندار دکان جماتے تھے، بے چوبے، پالیں، راوٹیاں، کندے، بنگلے کھڑے ہوتے تھے، نشان بازاروں میں سر بلندی دکھاتے، ترسول ان پر چڑھے، پرچم اڑاتے۔ ہر پرچم پر تعریف سکندری بن سامری کی تحریر، پونے دو سو خداوندان باطل کا وصف تسطیر۔ جھیل کے کنارے چبوترۂ زمردیں بنا، اور اس میدان سے آگے بڑھ کر ایک گنبد بہت بڑا سنگ سبز کا بنا تھا، آگے اس کے گنبد کا باغ لگا تھا۔ گرد باغ کے کٹرہ کھنچا تھا، وہ بھی طلائے احمر کا تھا۔ اندر باغ کے طرفہ بہار تھی...... دروازہ اس گنبد کا بند تھا۔ دروازے پر رہبان دمغ وکشیشان بیٹھے تھے۔ یاد خداوند سامری وسکندر کرتے تھے، جھانج ونفیر وناقوس رکھے تھے، گھنٹے ٹنگے تھے۔

میلہ جمتا جاتا تھا۔ یہ سیر دیکھنے لگے۔ حسن چمن کا پیش نظر ہوا۔ یہ رنگ دیکھا کہ جادوگرنیاں کم سن ساریاں پر زر اور بیش قیمت باندھے کہ جس سے جسم نازک نظر آتا۔ ساق کی شمع فانوس پیرہن میں روشن، پیڑو ابھرے، چھاتیاں تنیں، ان پر ہزاروں جوبن، ہاتھوں پر تھالیاں برنجی رکھے، چومکھیں ان میں جلائے، موہن بھوگ اور پھول رکھے، سر سے پا تک آپ جڑاؤ گہنا پہنے، چھم چھم کرتی جھیل کے کنارے آئیں اور مع پیرہن نہائیں۔ جب غوطہ مار کر ابھرتیں مہر تاباں برج آبی سے باہر آتا۔ پیرہن جو بدن میں لپٹ جاتا، تو زیر ناف برج حوت نظر آتا......

ایک طرف تو ان قمر پیکروں کا مجمع تھا، دکانداروں کی پالیں تنی تھیں۔ دکانیں ہر رنگ کے اسباب واجناس کی آراستہ اور سجی تھیں۔ حلوائی تھالوں میں مٹھائی لگائے بیٹھے، تھال آفتاب و ماہ کی تھالیوں کو شرماتے تھے...... ایک طرف ہر قسم کی ترکاری ڈھیر لگی۔ کنجڑن اپنا جوبن دکھاتی۔ سیب ذقن اس کا دیکھ کر آسیب دور ہوتا، انار پستان کا جو دیکھتا،

سینے میں جوش محبت ضرور ہوتا، شفتالو بوسۂ شفتین کی رغبت دلاتے، جامن کو دیکھ کر لب مسّی آلود اس کے ہمیشہ یاد آتے۔ ایک جگہ بھنگیر نیں اپنا جلسہ جمائے تھیں۔ دکانیں لگائے تھیں۔ پال کے اندر میزوں پر حقے رکھے تھے۔ نیچے لگن میں بھیگتے تھے، تپائیوں میں چلمیں گھرسی تھیں، چرس پر دم پڑتے تھے۔ سالجہان کا سارا جہان شیدا، کشمیرے پر چرسیوں کا دم فدا، یار قند کے گھونٹ تو یار، قند کے گھونٹ سمجھتے، ساقیوں کے شربت وصل پینے پر دم نکلتے۔ دف اور دائرہ بجتا، مقابلہ سامنے کھلا۔ آئینہ لگا۔ شعر خوانی ہوتی، ڈھولک بجتی، عاشق تن سامنے ان کے ٹہلتے۔ عشق کی آگ میں جلتے۔ کہیں تنبولنیں اپنا رنگ جما رہی تھیں، سرخ روئی جتا رہی تھیں۔ عاشقان بے ساز و برگ کو جاں پیاری کا خیال، ان سبزہ رنگوں کے وصف میں زبان لال اُگال، ان کے منہ کا یاقوت رنگ، بہر عاشقاں قوت، سرخی لب ان کی ایسی خوش نما کہ بموجب شعر:

سرخی لب کے وصف میں جس نے
ایک مصرع کہا تو خون تھوکا

دکانداروں کا کیا وصف کیا جائے۔ ہر سمت عجب آرائش تھی، عمدہ زیبائش تھی، مکان کے آگے نٹنیاں آکر ناچتیں، ہیجڑے ڈھولک بجا کر گاتے، دکان پر اڑ جاتے۔ راستے کے کنارے فقیر چادریں بچھائے بیٹھے، لوگ کوڑیاں پیسے پھینکتے۔ شعبدہ باز تخت پر مونڈھے بچھائے بیٹھے تھے، تخت کہار ہر سمت اٹھائے پھرتے۔ ڈفلی، بانسری بجتی، ترسول وہ نگلتے، لاگیں دکھاتے، چاندی سونے کا گہنا پہنے استاد کی جے بولتے۔ ایک طرف گل فروش ''ہار بیلے کے!'' پکارتے، ساقی حقہ پلانے والے کہلاتے، ہر ایک کے سامنے حقہ لے جاتے۔

ہر سمت دھوم دھام، خلقت کا اژدھام۔ نم گیرے جا بجا تنے، بنئے رئیس بنے ہوئے بیٹھے نزیل اڑاتے، چلموں پر دم لگاتے۔ اندر سبھا، بھگت سپیرا، گرو چیلے وغیرہ کا ناچ ہوتا۔ آپس کی دل لگی، بٹیروں کا کھانا، نئی کیفیت، عیش کا زمانہ، بہت ساحر پیکر ماں کرتے جاتے، گنبد کی طرف زمین ناپ کر قدم اٹھاتے۔ امرائے عظامہ پالکیوں پر آتے۔ آگے لڑکوں کو بٹھاتے، کھلونے سامنے خرید کر کے رکھے، بہت ہاتھیوں پر سوار پھرتے۔ ہر مقام بلند پر فرش بچھا۔ مہذبوں کا وہاں مجمع، بعض مقام پر افیونی بیٹھے، گھولا چلتا، داستان ہوتی، گنے چھلتے۔ بازار میں کوتوال پیادے گشت کرتے، چور بدمعاش گھرتے۔

(شام کے قریب بادشاہ مندر میں سکندر کو سجدہ کرنے گیا)

بادشاہ نے...... سجدہ کیا۔ پجاریوں نے سنکھ اور نفیر اور گھنٹے بجائے، جے جے کا شور ہر سمت سے بلند ہوا۔ بادشاہ گنبد سے باہر آیا۔ اب ہر شخص میلے کا آنے والا اندر گنبد کے جانے لگا۔ پوجا کرنا شروع ہوا، نذریں چڑھنے لگیں۔ ہزار ہا روپیہ اور دونے مٹھائیوں کے چڑھ گئے۔ ہار پھول کی وہ کثرت ہوئی کہ تمام باغ کے درختوں میں صد ہا ہار لٹکتے تھے اور گنبد کے آگے پھولوں کا انبار لگا تھا۔ بکرے بھیڑ وغیرہ ہزاروں چڑھائے تھے۔ ہر پجاری کے آگے دونوں کے ڈھیر لگے، روپیہ اشرفی بے شمار پڑے تھے۔ گنبد کے ایک طرف سے پرشاد یعنی تبرک تقسیم ہو رہا تھا۔ عورتیں ہاتھ باندھے گنبد کے در سے دور تک استادہ تھیں۔ بعض ڈنڈوت کرتیں، بعض آنکھیں بند کیے خداوند کے دھیان میں تھیں۔ اسی پوجا پاٹ میں وہ دن آخر ہوا......

شام کو بادشاہ مذکور تو اپنی بارگاہ میں بیٹھ کر میلے کی سیر کرنے لگا، اور تمام میدان میں چراغوں کی روشنی ہوئی، طبلوں کی آواز دور تک ٹھیکا کھانے لگی۔ غوغائے مردماں سے سارا طلسم پر ہو گیا۔ کچھ لوگ پھر کر گھر جانے لگے، کچھ اس طرف سے آنے لگے، کوئی ہمراہی اپنے کو پکارتا تھا: ''ارے میاں، کس طرف ہو؟'' کوئی اپنے لڑکے کو ڈھونڈ رہا تھا۔ رنڈیوں کے ڈھروں پر تماش بینوں کا جماؤ تھا۔ داد عیش دیتے تھے۔ جھیل میں کنول جلا کر چھوڑ دیتے تھے، تیرتے پھرتے تھے۔ بھنگیڑوں کی دکانوں کے سامنے مہتابیاں چھوٹتی تھیں۔ کسی کا کچھ گر گیا تھا، ڈھونڈ رہا تھا۔ کہیں جھگڑا قضیہ ہوا تھا، لوگ دوڑتے جاتے تھے۔ سرکاری ملازم پھر رہے تھے......

سیارہ عیار نے...... ایک گوشے میں ٹھہر کر موم پیچ روشن کیا، اور آئینہ سامنے رکھ کر ایک عورت نہایت شکیلہ کی ایسی صورت بنائی...... ساری زردوزی باندھ کر دوپٹہ شبنم کا اوڑھا، آنکھوں میں سرمہ دیا، لبوں کو مسّی آلود کیا، مانگ میں سیندور بھرا، دست و پا کو مہندی سے رنگین کیا۔ مرصع کار زیور کانوں میں اور باقی موقع و مناسبت سے طلائی و نقرئی پہنا۔ برنجی تھال میں چومکھا آٹے کی جلا کر رکھی، مٹھائی اور کچھ روپے رکھ کر تھالی اٹھا کر چھم چھم کرتا چلا......

اسی طرح میلے میں پہنچ کر جہاں مجمع نوجوانوں کا دیکھتا انہیں میں سے ہو کر نکلتا۔ اکیلی عورت، رات کے وقت ایسی حسینہ، یاروں نے جو اس کو دیکھا، لگاوٹیں کرتے ہوئے ساتھ ہوئے۔ کوئی کہتا: ''واہ، اتنا غرور نہ چاہیے۔'' کسی نے کہا: ''یہ مرادوں کی گٹھڑی کہاں

دیکھئے کھلتی ہے؟'' ایک نے آوازہ کسا کہ ''دیکھا چاہئے یہ نقدا نقد مال، یہ دولت کس کو ملتی ہے!'' دوسرا پکارا: ''ذرا ایک نگاہ ادھر بھی۔'' تیسرا بولا: ''یہ دل حاضر ہے اور جگر بھی۔'' کسی نے کہا: ''ذرا منہ پھیر کر ہنس دینا۔'' پھر ایک قریب آ کر گویا ہوا ''ارے او ظالم، نگاہ محبت سے ہاں دیکھ لینا۔'' بعض جو معزز، شریف کے لڑکے نئے بگڑے ہوئے تھے، وہ معقول گفتگو سے پیش آئے۔ کسی نے کہا: ''اے دولت بیدار، کیا گنجینۂ شرم و حیا تو نہ لٹائے گی، اور نقد دل ہمارا ہی لے جائے گی؟ ایک پچھی تیری بہت اچھی ہوگی۔ ذرا ٹھہر جا، میری پیاری مجھ دسیا کو اپنا مزا چکھا۔'' کوئی دوہا پڑھنے لگا۔ کوئی شعر عاشقانہ زبان پر لایا کہ:

''نہ جیا تیری چشم کا مارا
نہ تیری زلف کا بندھا چھوٹا''

ایک نے بہ حسرت و یاس کہا کہ:

''نہ تھی توفیق اگر بوسے کی تو اتنا ہی کہہ دیتے
جو آیا ہے تو خالی تو نہ پھر دشنام لیتا جا''

......اس نازنین نے جب یہ کلمات عاشقانہ سنے، ناز و غمزہ کے لشکر کو ان جوانوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا...... ان جوانوں کو جلو میں لئے یہ شہر یار ملک حسن و جمال قریب گنبد خداوند پہنچی۔ وہ مجمع عشاق وہاں اس امید پر تھم گیا کہ جب یہ بت رعنا پرستش خداوند کی کر کے باہر آئے گی اس وقت اس کو رام کریں گے......

جب یہ عیار دروازے کے پاس آیا، پجاریوں نے کہا: ''پھر جا کہ یہ وقت خداوند کے آرام کرنے کا ہے، اور عرش اعلیٰ پر جانے کا ہے۔''

اس نے کہا: ''میں شب کو یہاں نہیں ٹھہر سکتی، اسی وقت گھر جاؤں گی۔ تم دروازہ کھول دو، خداوند میری آواز سن کر عرش پر سے فرش پر اتر آئیں گے، مجھ کو بلا کر آپ کیا فلک اعظم پر چلے جائیں گے؟''

پجاریوں نے کہا: ''تم کو کیا خداوند نے بلایا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''میں لیٹی ہوئی تھی کہ یکا یک آپ ہنستے ہوئے گئے اور کہا، جلد ہمارے پاس آ کہ تجھ بغیر بے چین ہیں۔ یہ سن کر میں حاضر ہوئی ہوں۔ تم نہ جانے دو گے تو میں شکایت تمہاری خداوند سے کروں گی۔''

پجاری یہ کلام سن کر ڈرے، اور ایک ان میں سے اندر گنبد کے گیا۔ سکندر گنبد کے ایک مقام عمدہ میں جواہر نگار پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور جاگتا تھا...... اس پجاری نے...... آہستہ سے عرض کیا کہ ''یا خداوند، آپ جاگتے ہیں؟''

خداوند نے اس کو پاس بلایا۔ اس نے جملہ حال زن با حسن و جمال کے آنے کا عرض کیا۔ خداوند نے اپنی کرامت ظاہر کرنے کو فرمایا کہ ''وہ بندی قدرت کی سچ فرماتی ہے۔ ہاں، ہمیں نے اس کو یاد کیا ہے۔ جا جلد اس کو بھیج دے۔''

(پجاری سیارہ کو اندر پہنچا دیتا ہے)

اس عیار نے گرد پلنگ کے آ کر پھرنا شروع کیا، اور دوپٹہ رخ پر سے ہٹا کر روئے منور اپنا خداوند کو دکھایا۔ ایسی صورت یہ بنا تھا کہ اس گبھر نے ہر چند کہ ہزاروں پری پیکروں کو دیکھا تھا، لیکن حسن دل فریب اس کی نظر سے نہ گزرا تھا۔ شکل دیکھتے ہی بیتاب و بے قرار ہو گیا، اور پلنگ سے اٹھ کر ہاتھ اس کا پکڑ لیا، کھینچ کر پاس بٹھایا۔ اس نے ایسی نشیلی نگاہ سے چہرہ خداوند کا دیکھا، اور اس ادا سے شرما کر سر جھکایا کہ خدائی کو خداوند کی خاک میں ملایا۔ میخانۂ چشم سے وہ ساغر بے خودی چلایا کہ اس پیر فرتوت کو نوجوانی کا مزا دل میں سمایا۔ پاس بٹھاتے ہی لپٹنے لگا۔ خرمستی کرنے لگا۔

اس صنم نے اپنے خم ابرو کی محراب کا ساجد بنا لیا۔ اس کے لپٹنے سے اس نے سسکی بھر کر کہا: ''یا خداوند، مجھ کو اور بات یاد کر کے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ میرا ابھی سن کیا ہے؟''

خداوند نے کہا: ''اے مایہ ناز،

مجھے بن یاد تیرے دم گزرتا ہو تو کافر ہوں
سحر سے شام تک میں ورد تیرا نام کرتا ہوں''

اس شعلہ رو نے ہنس کے الٹے ہاتھ سے ایک طمانچہ منہ پر خداوند کے مارا، اور کہا:

''عبث تو سر کی مرے ہر گھڑی قسم مت کھا
قسم خدا کی ترے دل میں اب وہ پیار نہیں''

خداوند نے اس بات کو سن کر منہ بڑھایا، اور بوسہ لب شیریں لینا چاہا۔ اس غنچہ دہن نے منہ ہاتھ سے سرکا دیا۔ اور آہ سرد بھر کر کہا: ''ہر چند اس وقت خداوند کی منظور نظر ہوں، مگر میری قسمت ایسی ہے کہ آپ بھی کچھ دیر میں خوار و بے اعتبار کر کے نکال دیں گے۔''

خداوند کو اس کا رنج کب گوارا تھا، گویا ہوا کہ ''اے باعث خدائی و زندگی، سن، گو میں تمام عالم کا خدا ہوں، لیکن تجھ ایسے بت کا بندہ ہوں......''

یہ کہہ کر اس رو سے لپٹ گیا۔ وہ بسان حوصلہ و مانند شعلہ جوالہ خاطر آغوش سے تڑپ کر نکلی۔ اب ہنگامہ اختلاط جانبین سے گرم ہوا۔ کبھی معشوقہ سے عاشق ہم بغل، خیال ہجر سے دل میں خلل۔ گاہ نازک بدن باہیں گردن میں حمائل کرتی، کبھی خنجر ابرو سے غصہ جتا کر گھائل کرتی، کبھی عاشق منت کرتا، پاؤں پر سر دھرتا، معشوقہ کبھی نیچی آنکھیں کر کے شرماتی، نیرنگیٔ چشم فتاں گردش دوراں کا رنگ دکھاتی، عاشق زانو سے زانو مسل، پستان پر ہاتھ بڑھاتا، یہ سسکی بھر کر رہ جاتی۔ اسی اختلاط میں جملہ کیفیت خدائی کرنے کی اس معشوقہ پُر فریب نے اس دغا باز سے دریافت کی۔ اور انگیا سے عطر بے ہوشی کی شیشی نکالی، اور گھول کر اپنے جسم میں عطر ملنے لگی۔

خداوند نے کہا: ''ہمیں نہیں؟''

اس نے انگوٹھا دکھایا۔ وہ بے تابانہ لپٹ گیا۔ اس نے بھی گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اس نے خوب سینہ و رخ و شکم پر منہ اپنا رگڑا۔ خوشبوئے عطر نے دماغ میں اثر کیا۔ سر و پا کی کچھ خبر نہ رہی، بے ہوش ہو گیا۔

(سیارہ نے سکندر کو صندوق میں چھپا کے اپنی شکل اس جیسی بنالی، اور صبح کو بادشاہ سے کہہ کر شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کل شہزادہ قاسم کو قتل کیا جائے گا)

یہ خبر وحشت اثر اس کشتہ ابروئے دلبر ملکہ بنفشہ نیک سیر کو بھی پہنچی کہ شہزادہ والا گہر کل تک تہ خنجر ہو گا۔ اس خبر کو اس کی مادر خستہ جگر نے بہت چھپایا کہ ایسا نہ ہو کہ میری دختر فرط محبت و حق الفت سے اس سراپا مصیبت کے قتل سے باہر ہو کر اپنے تئیں جو ہر کرے۔ لیکن اس خبر کا چھپنا بہت دشوار تھا...... کنیزوں میں جدا، انیسوں میں علیحدہ علیحدہ چرچا ہو رہا تھا۔

ملکہ مضطر نے چپکے سے ایک کو بلا کر پوچھا کہ ''یہ کیا باہم باتیں کرتی ہو اور روتی ہو؟''

اس نے بلائیں لے کر کہا: ''بی بی کیا کہوں، ڈیوڑھی پر کا ہرکارہ کہتا تھا کہ کل شہزادے کے دشمن، کہنے والی بندی کو وہ موا خداوند بوبک قتل کروائے گا۔''

یہ سننا تھا کہ ملکہ پہلے تو بے ہوش ہو گئی، پھر جو غش سے فرصت ملی، بگہ یاں صبر چاک کیا، بے تابی دل سے چلا چلا کر رونے لگی۔ ماں نے بھی اس کی چشم پوشی کی، اس ایوان

سے دوسرے قصر میں چلی گئی، اور مخفی ملازموں کو مقرر کر گئی کہ یہ کہیں جانے نہ پائے۔

یہاں تنہائی جو ہوئی، ملکہ شوریدہ سر نے حال اپنا تباہ کیا۔ فرش پر جا بیٹھی اور خاک اڑانے لگی...... بے ہوش ہوگئی۔ کنیزیں گود میں اٹھا کر دالان میں لائیں۔ پلنگ پر مردے کی طرح ڈال دیا، تلوے سہلانے لگیں۔ بعض رونے لگیں، اور کلمات افسوس زبان پر لائیں۔

ایک نے کہا: ''ہائے، اس ناشاد کی تقدیر جو اس پر مائل ہوا۔ تیغ اجل سے گھائل ہوا، نامراد تہ خاک گیا۔''

دوسری نے کہا'' بھلا اور تو اتنا ہی داغ دیتے تھے کہ مر کر معشوقہ کو فراغ دیتے تھے۔ اس شہزادے کے ساتھ تو ملکہ بیکس نے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے۔''

تیسری نے کہا: ''سچ تو ہے، چھنال اتنے سے سن میں یہ مشہور ہوئیں۔ تھوتھو، اب سے دور، تھتکاریں اسی ننھی سی جان نے پہنیں۔ خون خرابے ہوتے، ہزاروں کی جان جاتے انہوں نے دیکھی۔ وائے مقدر کہ وہ پھر ہاتھ نہ آیا۔ فلک نے یوں دونوں کو ترسایا۔ ایک شب چین سے نہ گزری، کوئی حسرت بھی نہ نکلی۔''

ایک اور بولی کہ ''اب اس پُر ارمان کا بچنا مشکل ہے، درپیش صبح ہی شام عدم کی منزل ہے۔''

دوسری گویا ہوئی: ''ہائے، یہ چاند خاک میں مل جائے گا۔ ارے لوگو، سکندر بھڑوا کیا پائے گا جوان دونوں کی جان لے گا؟''

ایک اور گویا ہوئی کہ ''اے بی، ایسے تماشے میری آنکھوں نے بہت دیکھے ہیں۔ گھر سینکڑوں بگڑ جاتے دیکھے ہیں۔ اس محبت پر خدا کی مار۔ اس نے ہزاروں باغ پھلے پھولے برباد کئے، کیا کیا نہ داغ دیئے؟ کون کون سے خانماں نہ اجڑے؟ کس کس کے گھر نہ بے چراغ کئے؟ کوئی دشت مصیبت میں آوارہ ہوا، کوئی شہر بہ شہر مارا مارا پھرا......''

(ادھر سیارہ نے شہزادہ کو ہوشیار کر کے سارا حال سنایا۔ پھر شہزادے کی شکل سکندر کی سی بنائی، اور سکندر کو نکال کے اس کی صورت شہزادے کی سی بنا دی۔ اس کے بعد بنفشہ کو اطلاع دینے چلا۔ محل کے باہر ایک کہاری ملی۔ عطر سے اسے بے ہوش کر کے اس کے کپڑے پہنے اور اندر داخل ہوا)

ہر سمت محل والیوں کا ہجوم دیکھا...... ہر سمت شاہدان طناز پائنچے کلائیوں پر ڈالے، دوپٹے کاندھوں پر ڈھلکائے ہوئے ہزاروں انداز و ناز سے پھرتے، دم خرام محشر بپا

کرتے۔ رات کا وقت، شمع و چراغ روشن، صحن میں چوکا لگا، پلنگوں پر جوبن، کوئی نیند میں غافل، کوئی اکل و شرب میں، کوئی لہو و لعب کا شاغل۔ کہیں چوسر، کہیں گنجیفہ، کہیں ستار بجتا، بائیں کا ٹھیکا، کہیں کہانی ہو رہی۔ کہیں شعر خوانی ہو رہی۔ کہیں پردے پڑے ہوئے۔ کہیں ''اوئی، آہ!'' کی صدا، کسی جا قہقہے اڑتے، پھبتیاں کہنے کی آواز برپا، قلماقنیاں داغہ مانیاں کاندھے پر رکھے پہرے پر، حسین باری وارنیاں اوٹوں کے قریب جاگ رہیں۔ مسہریاں پھولوں سے آراستہ، پلنگوں پر اوقچوں کا چاندنی میں تڑپنا۔ لڑکیاں محل کے نوکروں کی گڑیا کا بیاہ رچائے ہوئے، صحن میں کڑھائی چڑھی ہوئی، کچھ عورتوں کا وہاں مجمع۔ بعض کم سنیں چھلی چھلیا کھیلتیں۔ غنچہ دہن نازنیناں زیبا، کسی جا لونڈیاں لڑ رہیں۔ عیب و ثواب آپس میں اگلتیں، یار دھگڑے پنے جاتے۔ کسی طرف سے آواز آتی، ''اری ہرمزی!'' وہ جواب دیتی، ''جی باجی جان، آئی، حاضر ہوئی۔'' کوئی اپنی کنیز کو پکارتی، ''اری نرگس، تو کدھر مر گئی؟'' کہیں آواز آتی کہ ''جلد آ، حضور چوکی پر گئی ہیں۔'' کہیں سے یہ صدا پیدا کہ ''ذرا ڈیوڑھی پر دیکھ آ مغلانی کے گھر سے مرزا آئے ہیں۔''

غرض یہ عیار بھی اٹھلاتا، آپ ہی آپ کچھ بکتا، کسی کو دھکا دیتا چلتا تھا، وہ کہتی تھی کہ بی مہری، آج کیا تم نے بھنگ پی ہے جو دھکے دیتی چلتی ہو؟''

یہ کہتا: ''یہ تمہیں ہو کہ ہر وقت بوتلیں چڑھاتی ہو اور ایک ایک کو گالیاں سناتی ہو۔ لو صاحب میں نے ہزار دفعہ کہا ہے تم میرے منہ نہ لگا کرو۔ بھلا میں دھکے دیتی ہوں۔ یا تم ہر ایک پر گرتی پھرتی ہو؟''

یہ کہہ کر چمکتی ہوئی لہنگا پھڑکاتی آگے بڑھ گئی۔ اور کہا: ''صاحبو، آج چھوٹی حضور کی کوئی خبر نہیں لیتا؟''

یہ جو اس نے کہا، ایک مسن عورت نے اس کو بلایا کہ ''مہری ذرا ادھر آؤ۔'' اس نے دیکھا کہ چوکا تخت کا بچھا ہے، اس پر ایک عورت بہ کمال زیب و زینت تکیہ لگائے بیٹھی ہے، یہ سمجھا کہ اس عورت کا عہدہ کوئی ہے۔ یہ سمجھ کر اس نے قریب جا کر تسلیم کی۔ اس نے کہا: ''بی مہری، بیٹھو''، یہ سلام کر کے تخت کے کونے پر بیٹھا۔

اس عورت نے اس کے نزدیک آ کر کہا: ''بی مہری، چھوٹی حضور نے جب سے اس شہزادے کا قتل ہونا سنا ہے، اپنا حال تباہ کیا ہے۔ بھاڑ میں جائے ایسی عاشقی جس سے اپنی

لعل سی جان جائے۔ آیا کہے چھنال، گیا کہے چھنال۔ میں تو آگ لگاتی اس محبت کو۔ اب چھوٹی حویلی میں مردہ سی پڑی ہیں۔ نہ کھاتی ہیں نہ کچھ بات کرتی ہیں۔ تم دیکھ لینا یہ لڑکی اپنی جان دے گی۔''

مہری نے کہا: ''آپ سچ کہتی ہیں۔ لیکن، قصور معاف، کبھی حضور نے بھی یہ کھیل کھیلا تھا؟''

اس نے کہا: ''اوئی نوج، چھائیں پھوئیں مجھ کو یہ مرض کبھی نہیں ہوا۔''

کہاری مٹک کر اٹھی کہ ''بی، بیٹھو! ایسا کوئی چھپتا چھپتی نہیں! وہ کون ایسی کشمکش ہے جس میں لکڑی نہیں۔ اچھا، آپ اس مزے سے آگاہ ہی نہیں تو میں آپ سے کیا بیان کروں؟''

یہ کہہ کر وہاں سے ہنستی ہوئی چلی۔ پتہ تو معلوم ہو چکا تھا، چھوٹی حویلی میں آئی۔ یہاں ملکہ پلنگ پر مردے کی طرح بیمار پڑی تھیں۔ کنیزیں رو رہی تھیں۔ کہ اس نے آتے ہی کہا ''میں اپنی شہزادی کے صدقے، قربان، نثار، جی کیسا ہے حضور کا؟''

یہ کہہ کر پلنگ پاس آ کر پاؤں دابنے لگا۔ ملکہ نے آنکھ کھول دی، اور آہ کی۔ اس نے بلائیں لینے کے بہانے سے جھک کر چپکے سے کہا: ''میں شہزادے کی خبر لے کر آئی ہوں۔ تنہائی پاؤں تو کچھ عرض کروں۔''

ملکہ یہ کلمہ سن کر جلد اٹھ بیٹھی، اور گویا ہوئی کہ ''ارے لوگو، یہ ہجوم کیسا کر رکھا ہے؟ کاؤں کاؤں سے اور بھی دل اڑا جاتا ہے۔ جاؤ سب اپنے اپنے مقام پر۔ مجھ کو کیوں گھیرا ہے؟''

کنیزیں یہ سن کر چرچ گئیں کہ یہ کہاری کچھ پیام لائی ہے پس تخلیہ اس مقام پر کر دیا۔

(سیارہ نے ملکہ کو پورا حال سنایا۔ ملکہ کو اندیشہ ہوا کہ یہ میری تسلی کو کہتی ہے۔ تو پھر سیارہ نے اپنا اصلی چہرہ دکھا دیا، اور ملکہ کو تسکین دے کر رخصت ہوا)

ادھر بعد کچھ عرصے کے وہ کہاری جس کو عیار بے ہوش کر آیا تھا، ہوشیار ہوئی اور ننگا اپنے تئیں دیکھ کر سمجھی کہ وہ ٹھگ تھا جو عطر دینے آیا تھا، خیریت گزری کہ تیری جان بچ گئی مگر اب اسی ہیئت سے بادشاہ بیگم کے سامنے چل، ورنہ سونے کی مچھلی اور تمغہ جو تیرے سر پر لگا تھا، اس کے جانے کا کسی کو یقین نہ آئے گا۔ سب کہیں گے اسی نے بیچ لیا ہوگا۔ غرض، وہاں سے در دولت پر آ کر رونے لگی کہ فریاد ہے میں لوٹی گئی۔

سپاہیوں نے قریب آ کر پہچانا اور حال پوچھا۔ اس نے کیفیت بیان کی۔ وہ سب

خائف ہوئے کہ اس کے لوٹنے کا ہمیں لوگوں پر الزام عائد ہوگا۔ کہاری سے کہا ''جا، محل میں حضور سے اپنا ماجرا بیان کر۔''

یہ اندر محل کے آئی، بادشاہ بیگم سے آ کر سب کیفیت عرض کی اس اثناء میں وہ عورت جس کے پاس سیارہ تخت پر بیٹھا تھا آئی، اور اس نے بیگم سے کہا: ''ابھی کچھ دیر ہوئی جو یہ کہاری چھوٹی حضور کا حال مجھ سے پوچھتی تھی۔''

کہاری نے کہا: ''میں واقف بھی نہیں کہ آپ کیا کہتی ہیں۔''

بادشاہ بیگم عاقلہ ہے، سمجھ گئی، کہ یہ کچھ میری لڑکی کا بھید ہے۔ بس اس کہاری کو زر نقد لباس وتمغہ کے عوض عنایت فرما کر حکم دیا کہ اب کچھ منہ سے نہ نکالنا، ہم تحقیق کر کے ٹھگ کو سزا دیں گے۔

(اگلے دن شہزادہ قاسم نے سکندر کو سب کے سامنے قتل کیا۔ پھر بادشاہ سے کہا کہ اپنی بیٹی کو علاج کے لئے لاؤ)

یہاں سے جب سیارہ ملکہ کو مژدۂ وصل دلدار سنا آیا تھا، ملکہ کا فرطِ عشرت سے یہ حال تھا کہ رات انتظار میں پہاڑ ہوگئی تھی۔ نیند نہ آتی تھی۔ ہاتھ پاؤں دھنتی تھی، کروٹیں بدلتی، دل سے منصوبے گانٹھتی تھی کہ کل گردن یار میں باہیں حمائل ہوں گی، وہ ہم کو چھیڑیں گے، ہم خفا ہو کر روٹھیں گے۔ انہیں رلائیں گے، پھر منہ سے بلائیں گے، گدگدا کر ہنسائیں گے، ناگاہ دل کو یہ خیال آتا کہ بادشاہ نے شہزادے کے دشمنوں کو روز بد دکھایا ہو، میری تسکین کے لئے کسی کو عیار بنا کر جو کچھ تو سن چکی ہے وہ کہلا بھجوایا ہو۔ جب یہ دھیان آتا تو وہ گلبدن مرجھا جاتی، ساری خوشی بھول جاتی۔ پھر دل مضطر کو اس بات پر قرار آتا کہ ایسا سانحہ ہوتا تو اس دل کی تڑپ زیادہ ہوتی، آج تو فرطِ غم سے خانۂ گور میں سوتی۔ کبھی کہتی خداوندا، کہیں جلد سحر آشکار ہو، نصیب وصل یار ہو!......

سحر کو اس مضطر نے بھی ہزارہا مخبر خبر کو بھیجے، یہاں تک کہ اب اس کی مادر نے آ کر بلائیں لیں، اور کہا ''اے راحت جاں، حمام کرو، اور بہر دیدار خداوند چلو۔ شاید تمہارا دل سنبھل جائے، میری قسمت کا بل جائے۔''

یہ ناکام مادر کے دکھانے کو زار نزار بن گئی۔ کنیزیں سمجھا کر حمام میں لائیں۔ یہ نہا دھو کر باہر آئی، اور لباس و زیور سے خوب آرائش و تزئین کی، وصل یار کی خوشی میں بنی

سنوری...... جب یہ آراستہ و پیراستہ ہو چکی، مادر نے اس کی صورت دیکھ کر اپنی ایڑی دیکھی، سر سے پا تک چٹ چٹ بلائیں لیں۔

ایک انیس بولی: ''میری آنکھوں میں خاک، آج چھوٹی حضور کی طبیعت بحال ہے۔''

مادر ملکہ نے کہا: ''یہ خداوند کے یہاں آنے کا اثر ہے۔ ان کے نام کے صدقے، ان کے قربان، میرے دل کو یقین ہے کہ بچی میری اچھی ہو جائے گی۔''

(غرض اس طرح قاسم اور بنفشہ پھر ایک دوسرے سے آ ملے۔ قاسم سکندر کے بھیس میں تو ہے ہی، اس نے بادشاہ سے کہہ کر شہزادی کو علاج کے بہانے اپنے پاس رکھ لیا)

وہ مکان اور باغ بالکل جب خالی ہو گیا، خلوت آرائی اور انجمن پیرائی کا شہزادے نے سامان کیا۔ ملکہ کو اصلی صورت اپنی بنا کر دکھائی، وہ نہایت خوشنود ہوئی۔ سیارہ عیار نے فرش عمدہ لب نہر بچھوا کر کشتیاں شراب کی، ڈالیاں میووں کی وہاں چن دیں۔ کنیزاں محرم راز ساز لے کر گانے بجانے پر آمادہ ہوئیں۔ ملکہ کا یہ عالم ہے کہ بموجب مثل، سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا، فرط عشرت سے پھولوں نہ سماتی تھی کہ یہ خواب ہے یا بیداری ہے......

ساحری بہت پرانی چیز ہے۔ انسان پہلے جادو پر ایمان لایا اور پھر مذہب پر۔ اور جہاں مذہب پر ایمان راسخ ہے، وہاں بھی یہ عقیدہ ابھی تک راسخ ہے کہ جادو برحق ہے، لیکن جادو کرنے والا کافر۔ اسی عقیدے پر ''طلسمِ ہوش ربا'' اور اس سے پہلے کی طلسماتی داستانوں کی بنیاد ہے۔

''طلسمِ ہوش ربا'' کی عورتیں زیادہ تر جادوگرنیاں ہیں، شریف جادوگرنیاں اور رذیل جادوگرنیاں، الہڑ جادوگرنیاں اور چالاک جادوگرنیاں، کٹنیاں اور بلائیں۔ لیکن قصے کی تہہ کے نیچے یہ سب اس زمانے کے لکھنؤ کی عورتیں ہیں جن کی جھلک ہمیں جرأت کی غزل، شوق کی مثنویوں اور سرشار کے ''فسانۂ آزاد'' میں بھی نظر آتی ہے۔

طلسم ہوش ربا در اصل عورتوں کی داستان ہے۔ لکھنوی تمدن عورتوں یا بقول فراق ''مصحفن'' کا تمدن تھا۔ یہ عورتیں ساحرہ ہیں اور مردوں کو انگلیوں پر نچاتی ہیں۔ اپنے بناؤ سنگھار سے ہیرو، جادوگر، عیار، ناظرین کرام سب کا دل چھینتی ہیں۔ مردوں میں صرف عیار ابھرتے ہیں۔ لیکن ان کی عیاری کا سب سے بڑا کارنامہ عورتوں کا بھیس بدلنا ہے۔ عورتوں کا بھیس بدل کے شہزادیاں، خواصیں، مغلانیاں، کہاریاں، مہترانیاں بن کے، عورتوں ہی کے نخرے دکھا کے، تریا چرتر کے زور پر ہی عیار جادوگروں اور جادوگرنیوں کو زیر کرتے ہیں۔ وہ چیز جو داستان امیر حمزہ میں عمرو عیار کی زنبیل تھی، طلسم ہوش ربا میں تریا چرتر ہے۔

طلسم ہوش ربا لکھنؤ کی بنی بنائی نکھری ہوئی زبان کا خزانہ ہے۔ اس کی عظیم الشان وسعت میں سینکڑوں الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جنھیں ہم بھولتے جا رہے ہیں۔ مثلاً کوئی ایک صفحہ لیجئے اور لفظوں اور محاوروں کی بھولی ہوئی دولت گنئے۔

غرض لکھنؤ کا وہ تمدن جو کچھ تو واجد علی شاہ کے ساتھ مٹیا برج ہجرت کر گیا، کچھ غدر میں لٹا، کچھ غدر کے بعد کی انگریزیت کی نذر ہو گیا اور باقی ۱۹۴۷ء کی نذر ہو گیا۔ اس تمدن کی اتنی جامع اور ہمہ گیر تصویر شاید ہی کہیں اور ایسی ملے گی جیسی طلسم ہوش ربا میں ہے۔

شاید یہ اُردو زبان میں مشکل ترین نوعیت کا انتخاب تھا۔ لیکن اس انتخاب کی کامیابی پر کوئی شک نہیں کر سکے گا۔ اس میں ہر کام کی چیز سما گئی ہے۔ ایک طرح سے یہ بھی عمرو عیار کی زنبیل ہے۔

عزیز احمد

ISBN 969-8917-28-9

Rs. 260/-

www.poorab.com.pk

designed by: safdar_sher@hotmail.com